تفسیرِ نور

(جلد ششم)

تالیف:
حجۃ الاسلام والمسلمین
حاج شیخ محسن قراتی

ضابطہ:

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سورۃ توبہ	
1	سورۃ توبہ پر ایک نظر	16
2	آیت نمبر 1	17
3	آیت نمبر 2۔3	20
4	آیت نمبر 4	21
5	آیت نمبر 5	22
6	آیت نمبر 6	23
7	آیت نمبر 7	24
8	آیت نمبر 8	25
9	آیت نمبر 9	26
10	آیت نمبر 10	27
11	آیت نمبر 11	28
12	آیت نمبر 12	29
13	آیت نمبر 13۔14	30
14	آیت نمبر 15	31
15	آیت نمبر 16	32
16	آیت نمبر 17	33
17	آیت نمبر 18	34

18	آیت نمبر 19	35
19	آیت نمبر 20	36
20	آیت نمبر 21۔22	37
21	آیت نمبر 23	38
22	آیت نمبر 24	39
23	آیت نمبر 25	40
24	آیت نمبر 26	42
25	آیت نمبر 27۔28	43
26	آیت نمبر 29	45
27	آیت نمبر 30	46
28	آیت نمبر 31	47
29	آیت نمبر 32	49
30	آیت نمبر 33	50
31	آیت نمبر 34	51
32	آیت نمبر 35	54
33	آیت نمبر 36	55
34	آیت نمبر 37	57
35	آیت نمبر 38	58
36	آیت نمبر 39	59
37	آیت نمبر 40	60
38	آیت نمبر 41	63
39	آیت نمبر 42	64
40	آیت نمبر 43	65
41	آیت نمبر 44	66
42	آیت نمبر 45	67

43	آیت نمبر 46۔47	68
44	آیت نمبر 48	69
45	آیت نمبر 49	70
46	آیت نمبر 50	71
47	آیت نمبر 51۔52	72
48	آیت نمبر 53	73
49	آیت نمبر 54	74
50	آیت نمبر 55	75
51	آیت نمبر 56۔57	77
52	آیت نمبر 58	78
53	آیت نمبر 59	79
54	آیت نمبر 60	80
55	آیت نمبر 61	85
56	آیت نمبر 62	87
57	آیت نمبر 63۔64	88
58	آیت نمبر 65	90
59	آیت نمبر 66	91
60	آیت نمبر 67	92
61	آیت نمبر 68	93
62	آیت نمبر 69	94
63	آیت نمبر 70	95
64	آیت نمبر 71	96
65	آیت نمبر 72	98
66	آیت نمبر 73	99
67	آیت نمبر 74	100

68	آیت نمبر 75۔76	102
69	آیت نمبر 77	103
70	آیت نمبر 78۔79	104
71	آیت نمبر 80	106
72	آیت نمبر 81	107
73	آیت نمبر 82	108
74	آیت نمبر 83	109
75	آیت نمبر 84	110
76	آیت نمبر 85۔86۔87	111
77	آیت نمبر 88	112
78	آیت نمبر 89۔90	113
79	آیت نمبر 91	114
80	آیت نمبر 92	115
81	آیت نمبر 93	116
82	آیت نمبر 94	117
83	آیت نمبر 95	118
84	آیت نمبر 96	119
85	آیت نمبر 97	120
86	آیت نمبر 98	121
87	آیت نمبر 99	122
88	آیت نمبر 100	123
89	آیت نمبر 101	124
90	آیت نمبر 102	125
91	آیت نمبر 103	126
92	آیت نمبر 104	127

93	آیت نمبر 105	128
94	آیت نمبر 106	129
95	آیت نمبر 107	130
96	آیت نمبر 108	132
97	آیت نمبر 109	133
98	آیت نمبر 110	134
99	آیت نمبر 111	135
100	آیت نمبر 112	136
101	آیت نمبر 113	138
102	آیت نمبر 114	139
103	آیت نمبر 115	140
104	آیت نمبر 116	141
105	آیت نمبر 117	142
106	آیت نمبر 118	143
107	آیت نمبر 119	144
108	آیت نمبر 120	145
109	آیت نمبر 121ـ122	147
110	آیت نمبر 123	150
111	آیت نمبر 124	152
112	آیت نمبر 125ـ126	153
113	آیت نمبر 127	154
114	آیت نمبر 128ـ129	155
	سورۃ یونس	
115	سورۃ یونس ایک نظر میں	158
116	آیت نمبر 1ـ2	159

117	آیت نمبر 3	161
118	آیت نمبر 4	162
119	آیت نمبر 5	163
120	آیت نمبر 6	164
121	آیت نمبر 7۔8	166
122	آیت نمبر 9	167
123	آیت نمبر 10	168
124	آیت نمبر 11	169
125	آیت نمبر 12	170
126	آیت نمبر 13	171
127	آیت نمبر 14۔15	172
128	آیت نمبر 16	173
129	آیت نمبر 17۔18	174
130	آیت نمبر 19	175
131	آیت نمبر 20	176
132	آیت نمبر 21	177
133	آیت نمبر 22	178
134	آیت نمبر 23	179
135	آیت نمبر 24	180
136	آیت نمبر 25	181
137	آیت نمبر 26	182
138	آیت نمبر 27	183
139	آیت نمبر 28۔29	185
140	آیت نمبر 30	186
141	آیت نمبر 31	187

142	آیت نمبر32_33	188
143	آیت نمبر34_35	189
144	آیت نمبر36	190
145	آیت نمبر37_38	191
146	آیت نمبر39	194
147	آیت نمبر40_41	195
148	آیت نمبر42_43_44	196
149	آیت نمبر45	197
150	آیت نمبر46	198
151	آیت نمبر47_48	199
152	آیت نمبر49	200
153	آیت نمبر50_51	201
154	آیت نمبر52	202
155	آیت نمبر53_54	203
156	آیت نمبر55_56	204
157	آیت نمبر57	205
158	آیت نمبر58	206
159	آیت نمبر59	207
160	آیت نمبر60	209
161	آیت نمبر61	210
162	آیت نمبر62_63	211
163	آیت نمبر64	212
164	آیت نمبر65	213
165	آیت نمبر66	214
166	آیت نمبر67	215

167	آیت نمبر 68	216
168	آیت نمبر 69ـ70	217
169	آیت نمبر 71	218
170	آیت نمبر 72	219
171	آیت نمبر 73	220
172	آیت نمبر 74ـ75	221
173	آیت نمبر 76	222
174	آیت نمبر 77ـ78	223
175	آیت نمبر 79ـ80	224
176	آیت نمبر 81ـ82	225
177	آیت نمبر 83	226
178	آیت نمبر 84ـ85ـ86	227
179	آیت نمبر 87	228
180	آیت نمبر 88	229
181	آیت نمبر 89	230
182	آیت نمبر 90	231
183	آیت نمبر 91ـ92	232
184	آیت نمبر 93	233
185	آیت نمبر 94	234
186	آیت نمبر 95	236
187	آیت نمبر 96ـ97	237
188	آیت نمبر 98	238
189	آیت نمبر 99	239
190	آیت نمبر 100ـ101	240
191	آیت نمبر 102ـ103	241

192	آیت نمبر 104	242
193	آیت نمبر 105۔106	243
194	آیت نمبر 107	244
195	آیت نمبر 108۔109	245
	سورہ ھود	
196	سورۃ ہود پر ایک نظر	248
197	آیت نمبر 1۔2	249
198	آیت نمبر 3	250
199	آیت نمبر 4۔5	251
200	آیت نمبر 6	252
201	آیت نمبر 7	254
202	آیت نمبر 8	256
203	آیت نمبر 9	257
204	آیت نمبر 10	258
205	آیت نمبر 11	259
206	آیت نمبر 12	260
207	آیت نمبر 13	261
208	آیت نمبر 14	263
209	آیت نمبر 15	264
210	آیت نمبر 16	265
211	آیت نمبر 17	266
212	آیت نمبر 18	267
213	آیت نمبر 19	269
214	آیت نمبر 20	270
215	آیت نمبر 21۔22	271

216	آیت نمبر 23۔24	272
217	آیت نمبر 25۔26	273
218	آیت نمبر 27	274
219	آیت نمبر 28	275
220	آیت نمبر 29	276
221	آیت نمبر 30	277
222	آیت نمبر 31	278
223	آیت نمبر 32	280
224	آیت نمبر 33۔34	281
225	آیت نمبر 35	282
226	آیت نمبر 36۔37	283
227	آیت نمبر 38	284
228	آیت نمبر 39	285
229	آیت نمبر 40	286
230	آیت نمبر 41	287
231	آیت نمبر 42	288
232	آیت نمبر 43	290
233	آیت نمبر 44	291
234	آیت نمبر 45	292
235	آیت نمبر 46	293
236	آیت نمبر 47	294
237	آیت نمبر 48	295
238	آیت نمبر 49	296
239	آیت نمبر 50	298
240	آیت نمبر 51	299

241	آیت نمبر 52	300
242	آیت نمبر 53	301
243	آیت نمبر 54۔55	302
244	آیت نمبر 56	303
245	آیت نمبر 57۔58	304
246	آیت نمبر 59	305
247	آیت نمبر 60	306
248	آیت نمبر 61	307
249	آیت نمبر 62	308
250	آیت نمبر 63۔64	309
251	آیت نمبر 65	310
252	آیت نمبر 66	311
253	آیت نمبر 67۔68	312
254	آیت نمبر 69	313
255	آیت نمبر 70۔71	314
256	آیت نمبر 72۔73	316
257	آیت نمبر 74	318
258	آیت نمبر 75۔76	319
259	آیت نمبر 77۔78	320
260	آیت نمبر 79۔80	322
261	آیت نمبر 81	324
262	آیت نمبر 82۔83	325
263	آیت نمبر 84	326
264	آیت نمبر 85	327
265	آیت نمبر 86	328

266	آیت نمبر 87	329
267	آیت نمبر 88	330
268	آیت نمبر 89۔90	332
269	آیت نمبر 91	333
270	آیت نمبر 92۔93	334
271	آیت نمبر 94	335
272	آیت نمبر 95۔96۔97	336
273	آیت نمبر 98	337
274	آیت نمبر 99۔100	338
275	آیت نمبر 101۔102	339
276	آیت نمبر 103	340
277	آیت نمبر 104۔105۔106۔107	341
278	آیت نمبر 108	342
279	آیت نمبر 109۔110	343
280	آیت نمبر 111۔112	344
281	آیت نمبر 113	346
282	آیت نمبر 114۔115	347
283	آیت نمبر 116	349
284	آیت نمبر 117	350
285	آیت نمبر 118۔119	351
286	آیت نمبر 120	353
287	آیت نمبر 121۔122۔123	354

سورۃ توبہ

پارہ 10-11

سورۃ 9

تعدادآیات 129

سورہ توبہ پر ایک نظر

یہ سورت بلحاظ ترتیب قرآن حکیم کی نویں سورت ہے۔اس میں ایک سوانیس آیات ہیں اور یہ سورت ہجرت کے نویں سال نازل ہوئی تھی۔(تفسیر نور الثقلین)

اس سورت کی کچھ آیات جنگِ تبوک سے پہلے اور کچھ آیات جنگ کے دوران اور کچھ آیات جنگ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔احادیث میں اس سورت کو سورہ توبہ اور سورہ برات کے دو مشہور ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

لفظ ''توبہ'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں متعدد بار انسان کو توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔اور باری تعالیٰ کے فضل ولطف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس سورہ کو برات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ابتداء مشرکین کی برات وبیزاری سے ہوئی ہے

بسم اللہ نہ آنے کی وجہ

اس سورت کا آغاز باقی سورتوں سے بالکل منفرد ہے۔ہر سورت کا آغاز بسملہ شریف سے ہوا ہے۔جبکہ اس سورت کا آغاز بسملہ سے نہیں ہوا۔کچھ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔کہ اس کے کچھ مطلب سورہ انفال کے مطالب سے اتصال رکھتے ہیں لہذا یہ علیٰحدہ سورہ نہیں ہے بلکہ سورہ انفال کا ضمیمہ اور تتمہ ہے۔اسی لئے اس کی ابتدا میں بسملہ شریف موجود نہیں ہے۔ہم نے اہلِ بیت طاہرین سے جو عقیدہ لیا ہے اس کے تحت یہ ایک علیٰحدہ اور مستقل سورہ ہے۔یہ سورہ جلالِ الٰہی کی مظہر ہے،اور اس میں مشرکین کے متعلق قہر آمیز اور مبنی بر غضب باتیں کی گئی ہیں اور بسملہ شریف رحمت اور امان کی علامت ہے۔اور سورت کی ابتدا پیمان شکن مشرکین سے اعلانِ نفرت سے کی گئی ہے

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے۔کہ بسملہ شریف امان دینے کے لئے ہے اور سورہ برات امان ختم کرنے کے لئے ہے۔(تفسیر مجمع البیان)

اس سورت کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ سورت برات اور سورت اخلاص کو ستر ہزار ملائکہ لے کر نازل ہوئے تھے۔

آیت نمبر 1

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(یہ آیات) اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کا اعلان ہیں۔ جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ہے۔

نکات

☆ روایات میں اس سورہ کو سورہ توبہ اور سورہ برات کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ انفال کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ بذاتِ خود مستقل سورہ ہے۔

☆ اس سورہ کے مضامین قہر الٰہی کے مظہر ہیں اسی لئے اس سورہ کا آغاز بسملہ شریف سے نہیں کیا گیا اس ضمن میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر سورہ کی طرح ابتداء میں جو بسملہ شریف لکھی ہوئی ہے وہ اس سورہ کا حصہ ہے اور یہ تکلف اور تبرک پر مبنی نہیں ہے۔

☆ بیزاری اور برات کا اعلان کفار کی اس عہد شکنی کی وجہ سے کیا گیا جسے اس سورت کی ساتویں اور آٹھویں آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ عمومی اصول یہ ہے کہ معاہدہ کی پاسداری کی جائے اور جب تک فریقِ ثانی اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور اس وقت تک معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اس سورہ کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ○

اس سے وہ مشرکین مستثنٰی ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے کوئی پیمان شکنی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی فریق کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے کیا ہوا عہد اس کی مدت تک باقی رکھو۔

اعلانِ برات کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ مسلمانوں نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اس پیمان کو قبول کیا تھا ورنہ مسلمانوں کی دلی خواہش تو یہ تھی کی جتنی جلدی ممکن ہو شرک کا قلع قمع کر دیا جائے۔

ان آیات کے اعلان کا واقعہ

☆ ہجرت کے آٹھویں برس مکہ فتح ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جزیرہ العرب کے مشرکین اپنی عبادت کی رسومات کی ادائیگی کے لئے مکہ آتے تھے اور ان کی رسومات خرافات پر مبنی تھیں ان غلط رسومات میں سے ایک یہ رسم بھی تھی کہ جس لباس سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے وہ اس لباس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک عورت چاہتی تھی کہ وہ زیادہ طواف کرے اور اس کے پاس دوسرا لباس موجود نہیں تھا۔ کفار نے اسے برہنہ طواف پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس نے برہنہ طواف کیا لوگ اسے دیکھتے رہے۔ مسلمان اس وقت قوت واقتدار رکھتے تھے ان کے لئے یہ حرکت ناقابلِ برداشت تھی۔ لیکن آنحضرتؐ اس کے لئے حکمِ الٰہی کے منتظر تھے اللہ

تعالیٰ نے مدینہ میں یہ سورت نازل فرمائی تو رسول اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان آیات کی تبلیغ کا حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر حج کے اجتماع میں ان آیات کو پڑھ کر سنائیں۔

امکان غالب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کا انتخاب اس لئے کیا ہو کہ وہ بوڑھے انسان تھے اور ان سے کسی کی مخاصمت نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو اللہ کی طرف سے جبریلؑ یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ ان آیات کی تبلیغ وہ کرے جو آپؐ کے خاندان سے ہو۔

رسول اکرمؐ نے یہ کام حضرت علیؑ کے سپرد کیا اور فرمایا کہ "علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں"

حضرت علیؑ پیغمبر اسلامؐ کے نمائندے بن کر روانہ ہوئے اور راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے وہ آیات لیں اور مشرکین کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی۔

حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ سے تبلیغ آیات کا واقعہ کتب اہل سنت میں موجود ہے اور اصحاب رسولؐ میں سے اس واقعہ کو حضرت علی علیہ السلام، حضرت ابوبکرؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے نقل کیا ہے۔

۱۔ (حوالے کے لئے ملاظہ فرمائیں۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳ صفحہ نمبر ۲۱۲۔ ۲۸۳، مستدرک حاکم جلد ۵۱/۳۔ تفسیر المنار جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۱۵۷، تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۴۶، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ نمبر ۳۳۳-۲۲ احقاق الحق جلد ۵ صفحہ نمبر ۳۶۸، فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ نمبر ۳۴۲ علامہ امینی نے الغدیر جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۳۳۸ پر اس واقعہ کو ۷۳ راویوں کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۲۔ کچھ سنی علماء (جیسا کہ فخر رازی اور آلوسی نے اپنی تفاسیر میں یہ روش اپنائی ہے) نے اس واقعہ کو ایک "عمومی واقعہ" بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان لوگوں نے اس واقعہ کو کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے۔ کہ یہ آپ کے لئے کسی امتیاز کا باعث دکھائی نہ دے سکے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس سے حضرت علیؑ کی تالیف قلب مقصود تھی اور کسی امتیازی خصوصیت کا اثبات مطلوب نہیں تھا۔

شاید ایسا لکھنے والوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ تالیفِ قلب کے لئے ہمیشہ آسان اور سہل کام ذمہ لگایا جاتا ہے۔ جب کہ شرک کے مرکز میں جا کر مشرکین کے مجمع میں پہنچ کر ان سے اظہار برات کے کام کیلئے جگر گردے کی ضرورت تھی۔ اور حضرت علیؑ کو ایسے مجمع کی طرف بھیجا جا رہا تھا جن کے بیسیوں رشتہ دار آپ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے تھے۔

☆ جب حضرت موسیٰ کو خدا نے رسالت کا عہدہ دیا اور فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے توحید کی دعوت دو۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا پروردگار! میں نے تو ان کے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قصاص میں قتل نہ کر دیں میرے بھائی کو میرے ساتھ بھیجیں۔

جب کہ حضرت علیؑ مشرکین کی بھاری تعداد کو قتل کر چکے تھے اس کے باوجود آپ اکیلے گئے اور نہایت اطمینان سے آیتِ برات کی جا کر تلاوت کی اور وہ بھی منیٰ اور جمرہ عقبہ جیسے حساس مقامات پر۔

☆ حضرت علیؑ نے کفار و مشرکین کے سامنے حسبِ ذیل نکات بیان کئے تھے۔
ا۔ برات کا اعلان اور تمام پیمانوں کے خاتمہ کا اعلان۔
۲۔ آئندہ سال اجتماعِ حج میں کوئی مشرک شامل نہ ہوگا۔
۳۔ برہنہ حالت میں طواف پر پابندی ہوگی۔
۴۔ بیت اللہ میں مشرکین کے داخلہ پر پابندی ہوگی۔
☆ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ اور رسول اللہ کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے کچھ اعزازات حسبِ ذیل ہیں۔
الف) ہدیہ و احسان میں (اَغْنٰـهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ) توبہ/ ۷۴
ب) بیعت میں (اِنَّ الَّذِيْنَ .... اللّٰه) الفتح / ۱۰
ج) اطاعت پیروی میں (مَّنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ) النساء/ ۸۰
د) اغیار سے اظہارِ برات میں (بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ) توبہ/ ا

پیام

ا۔ رہبر کو یہ حق حاصل ہے کہ مشرکین سے کئے ہوئے معاہدوں کو فسخ کر سکتا ہے۔ (بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ)
(مشرکین سے یہ پیمان باندھا گیا تھا کہ فریقین ایک دوسرے سے تعرض نہیں کریں گے)
۲۔ عہد و پیمان کی پابندی اپنی جگہ لیکن سازشوں کے سامنے گردن جھکانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ (بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ)
۳۔ اگرچہ ہم قانونی اعتبار سے معاہدوں کے پابند ہیں لیکن مشرکین اور گمراہ لوگوں سے قلبی برات دین کا ایک اٹل اصول ہے۔ (بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ)
۴۔ اگرچہ قانون سازی کا حق خدا کو پہنچتا ہے (لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا) کہف/ ۲۶
اور جہاں سیرت و عمل کا مقام آتا ہے تو وہاں رسولِ خدا کا ذکر بھی خدا کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ (مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ)
۵۔ اعلانِ برات سے حکومت و اقتدار کا اظہار ہوتا ہے۔ جبکہ سازشی اور عہد شکن افراد کے مدِ مقابل خاموشی ذلت اور کمزوری کو ظاہر کرتی ہے۔ (بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ)
۶۔ مشرکین کے ساتھ چند شرائط پر معاہدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ)
۷۔ فریقِ ثانی کی خیانت اور سازشوں کی وجہ سے اگر معاہدہ کو ختم کرنا مقصود ہو تو انہیں معاہدہ فسخ کرنے کی اطلاع کر دینا چاہئے۔ تا کہ وہ غفلت میں نہ رہیں۔ (بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ... اِلَى ... الْمُشْرِكِيْنَ)

آیت نمبر 2

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ○

(اے گروہ مشرکین) تمہیں چار ماہ تک زمین پر چلنے پھرنے کی اجازت ہے۔اورتم جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کرسکو گے (تم اس عذاب سے بچ نہ سکو گے) اور جان لو کہ اللہ کافروں کو ذلیل وخوار کرنے والا ہے۔

نکات

۱۔برات کا اعلان عید قربان کے دن دس ذی الحجہ کو ہوا اسی لئے چار ماہ کی مدت دس ربیع الثانی کو ختم ہونی تھی۔(الکافی جلد ۴ صفحہ نمبر ۲۹۰ تفسیر نور الثقلین۔)

۲۔روایات کے مطابق چار ماہ کی مہلت ان لوگوں کو دی گئی تھی جن کا پہلے سے کوئی معاہدہ موجود نہیں تھا اور جن لوگوں سے معاہدہ طے پایا تھا تو انہیں معاہدہ کی مدت پورا ہونے تک کی مہلت دی گئی خواہ وہ مدت چار ماہ سے کم تھی یا زیادہ۔

پیام

۱۔معاہدہ منسوخ کرنے کے بعد دشمن کو سوچنے کے لئے وقت دیا جائے گا۔تا کہ وہ غور وفکر کرسکے۔(فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ) تاریخ بیان کرتی ہے کہ ان چار مہینوں میں بہت سے مشرکین نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۔اپنے زمانہ اقتدار میں پیشگی اعلان کے بغیر حملہ نہیں کرنا چاہئے۔(فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ)

۳۔وہ لوگ جو اسلام لانا نہیں چاہتے انہیں معلوم ہونا چاہئے۔کہ وہ جہاں بھی چلے جائیں پھر بھی خدا کی حکومت سے بھاگ نہیں سکیں گے۔(غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ)

۴۔اسلام سے جنگ دراصل خدا سے جنگ ہے۔(غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ)

۵۔کفار کو یہ پیغام دیا گیا کہ اگر انہوں نے واپس آنے کی فرصت ضائع کردی تو انہیں سخت بدبختی اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔(مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ)

آیت نمبر 3

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

(یہ آیت) حج اکبر (عید قربان یا عرفہ) کے دن لوگوں کے لئے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہیں۔کہ خدا اور اس کا

رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔ اگر تم توبہ کرو (شرک اور کفر سے دست برداری اختیار کرلو) تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو جان لو (کہ تم سے کچھ بھی نہیں بن پائے گا) کہ تم خدا کو ہرگز عاجز نہ کر پاؤ گے آپ کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

نکات

☆ پہلی آیت میں مشرکین سے بیزاری کا اعلان کیا گیا تھا۔ جب کہ اس آیت سے لوگوں تک اپنی بیزاری کا اعلان پہچایا گیا ہے۔

☆ حج اکبر یا عید قربان کا دن ہے۔ (الکافی) جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۲۹۰) یا روزِ عرفہ یا پھر تمام مراسم حج (تفسیر البرھان) کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔ جب کہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے۔

پیام

۱۔ اس سے قبل کہ مخالف اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے اور تمہارے خلاف تبلیغات کرے لوگوں کو اصل حالات سے آگاہ کرو۔ (وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ)

۲۔ تبلیغات کے لئے زمان و مکان جیسے عناصر سے غفلت نہ کی جائے۔ (يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ)

۳۔ تشویش و ترغیب دونوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ (فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا)

۴۔ تعلقات کو اس طرح سے منقطع کیا جائے کہ الحاق کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راستہ کھلا رہنا چاہیے۔ (فَاِنْ تُبْتُمْ)

۵۔ چار ماہ کی مہلت خدا کے لطف و کرم کی دلیل ہے اس کے برعکس اس کے عاجز ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ)

آیت نمبر 4

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ○

مگر وہ مشرک اس سے مستثنٰی ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اپنے معاہدے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی ہے۔ اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی ہے۔ تو ان کی مدت معاہدہ ختم ہونے تک معاہدہ کی پابندی کرو۔ اور اس کو پورا کرو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔

نکات

☆ اعلانِ برات کا تعلق صرف پیمان شکن اور سازشی افراد کے خلاف ہے۔ جب کہ بنی ضمرہ اور بنی خزیمہ جیسے معاہدے کی پابندی کرے والوں کے خلاف نہیں ہے۔

☆ حضرت علیؑ کا فرمان ہے۔ کہ جس فریق سے تم نے ایک مقررہ مدت کا عہد و پیمان کیا ہو تو مدت پوری ہونے تک اپنے پیمان کی پاسداری کرو اور جن کے ساتھ مدت مقرر نہیں ہوئی تو انہیں چار ماہ کی مہلت دو۔

پیام

۱۔ وہ لوگ جو عہد و پیمان کا احترام کرتے ہوں ان کا عہد و پیمان بھی قابلِ احترام ہے۔ (عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ)

۲۔ معاہدوں کی پابندی ضروری ہے۔ اگرچہ مشرکین سے ہی کیوں نہ ہو۔ (عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ)

۳۔ جو تمہارے دشمن کی مدد کرتا ہے تو وہ تمہارا دشمن ہے۔ (لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا)

(معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ دشمنانِ اسلام کی مدد نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مدد کی ہے۔ اور معاہدے کی شرط کو پامال کیا ہے۔ لہذا وہ تمہارے دشمن ہیں۔)

۴۔ معاہدوں کی پاسداری تقویٰ کی علامت ہے۔ (فَاَتِمُّوْٓا ... اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ)

آیت نمبر 5

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں گے تو مشرکین کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کر دو۔ انہیں قید کر لو اور ان کا محاصرہ کر لو اور ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھ جاؤ۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہوں کو کھلا چھوڑ دو یعنی ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات

ایسے کافر جنہوں نے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو مکہ میں تیرہ برس تک ایذائیں دیں اور پھر ہجرت کے بعد نو برس تک ایذا رسانی پر قائم رہے اور انہوں نے سازش کے کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تو وہ سرکوبی کے حقدار ہیں۔

''حَيْثُ'' کا کلمہ زمان و مکاں دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ بنے گا کہ تم مشرکین کو جب اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ایمان لانا شرک کی توبہ ہے۔

پیام

۱۔دعوت کے تمام مراحل اور استدلال کی رسائی اور معاہدہ بندی کے بعد بھی اگر مشرکین سازشیں جاری رکھیں اور دشمنی میں مصروف رہیں تو پھر تمام امکانی ذرائع سے ان کی سرکوبی کرنی چاہئے مثلاً قتل کرنا، قیدی بنانا، ان کے راہوں کو مسدود کرنا اور انکا محاصرہ کرنا۔ (فَاقْتُلُوا ،خُذُوْ،احْصُرُوْهُمْ)

۲۔جہاں قطعی فیصلہ ضروری ہے وہاں نرمی بھی ضروری ہے۔(اقْتُلُوا ،خَلُّوْا)

۳۔آسمانی مذہب کی نشر وتبلیغ کی آزادی درست ہے لیکن فکری انحراف اور عقل وانسانیت کے مخالف نظریات کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔(فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ)

۴۔مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ سازشوں پر گہری نظر رکھیں۔(وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ)

۵۔مسلمانوں کی مخبری اور انفارمیشن کا نظام اتنا اعلیٰ ہو کہ بیرون ملک سازشیوں کی سرگرمیوں کے متعلق بھی انہیں اطلاع ہو (كُلَّ مَرْصَدٍ)

۶۔سازشی دشمنوں کی سرکوبی کے لئے تمام راستوں اور سرحدوں کی کڑی نگرانی کی ضرورت ہے۔(وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ)

۷۔توبہ اگر چہ دوران جنگ بھی ہو تو بھی قبول لینی چاہئے کیونکہ اسلام عظمت وشفقت کا دین ہے۔اسلام انتقام اور کینہ پروری کا درس نہیں دیتا۔(فَاقْتُلُوا ...فَاِنْ تَابُوْا)

۸۔توبہ کا اظہار عمل سے ہونا چاہئے مسلمانوں کو چاہئے کہ بےعمل توبہ کے فریب میں نہ آئیں(فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا)

۹۔شرک سے توبہ ایمان ہے اور نماز اور زکوٰۃ سچی توبہ کی علامتیں ہیں(تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ)

۱۰۔تمام عبادتوں میں نماز سرفہرست ہے اور جو شخص نماز اور زکوٰۃ جیسے دینی شعائر کا احترام کرے تو اسے کچھ نہ کہیں۔(وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ..فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ)

آیت نمبر 6

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۝

اور اگر کوئی مشرک آپ سے امان اور پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دیں۔یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کے مقامِ امن پر پہنچا دیں کیوں کہ یہ جاننے والی قوم ہیں۔

پیام

۱۔اگر کوئی دشمن اسلام کے عقائد وافکار کی تحقیق کے لئے پناہ کی درخواست کرے تو اسے مثبت جواب دینا چاہیے(اسْتَجَارَكَ

فَاَجِرۡهُ)
۲۔فکر وتعقل کا راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔یہاں تک کے واجب القتل مشرکین کے لئے بھی کھلا ہوا ہے۔ایک فرد کی امکانی ہدایت کے لئے اس سے دوسروں سے علیحدہ سلوک کیا جائے۔(اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ)
۳۔اسلام رحمدلی،عظمت وکرامت کا دین ہے۔(اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ)
۴۔دشمن کو بھی سوچنے اور انتخاب کی مہلت دو۔جنگی حالات میں بھی لوگوں کی رُشد فکری پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔(اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ)
۵۔صحیح عقائد کو جانچنا اور انہیں قبول کرنا مہلت کا متقاضی ہوتا ہے۔(فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ)
۶۔قرآن قابلِ فہم ہے۔اور قران ہدایت کے لئے زمین کو ہموار کرتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ قرآن کا سمجھنا انسانی عقل کی حدود سے ماوراہو۔(يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ)
۷۔اسلامی حکومت کو چاہیئے کہ وہ منحرف افراد کو کلامِ خدا سننے کے مواقع فراہم کرے۔کیونکہ کچھ لوگوں کو ہم سے کینہ وعداوت نہیں ہوتی وہ اس لئے ہمارے مخالف ہوتے ہیں کہ تبلیغ سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔لہذا ایسے افراد کو کلام الٰہی سنایا جائے ممکن ہے کہ وہ حق کو سن کر اسے قبول کرلیں۔(يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ)
۸۔اسلام آزادی پر ایمان رکھنے والوں کا دین ہے۔اس ایمان کی بڑی قدر و قیمت ہے جو غور وفکر کے نتیجہ میں حاصل ہوا ہو۔خوف اور جبر کی وجہ سے اگر کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے (اَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ)
۹۔جو مکتبِ فکر منطق پر استوار ہوتا ہے وہ جلد بازی سے پرہیز کرتا ہے۔لہذا دشمنوں کو موقع دیں تا کہ کلام حق کو اپنے کانوں سے سن سکیں اور اس دوران ان کی حفاظت یقینی بنائیں تا کہ وہ تسلی سے حق و باطل میں سے کسی ایک کا انتخاب کر دیں (يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ)
۱۰۔کچھ لوگوں کا کفران کی جہالت کی پیداوار ہوتا ہے اگر لوگوں کو جہالت سے نجات مل جائے تو وہ حق کو قبول کر لیں گے۔(ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 7

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ○

اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں (پیمان شکن) مشرکین کے عہد و پیمان کی کیا حیثیت ہے۔لیکن اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے ساتھ تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد و پیمان کیا تھا جب تک وہ اپنے معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی اس پر قائم رہو۔اس میں کوئی

شک نہیں ہے کہ اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔

نکات

☆اس آیت میں سورہ برات کی پہلی آیت کی توجیہ پیش کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا کہ اسلامی حکومت کی طرف سے اعلانِ برأت کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین اپنے معاہدوں کی پابندی نہیں کرتے۔

☆ کعبہ سے اڑتالیس میل کا ہر طرف رقبہ ''حرم'' کا حصہ ہے اور اس علاقے میں جو بھی معاہدہ کیا جائے تو اسے ''عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ''(مسجد الحرام کے پاس) کا نام دیا جاتا ہے۔ حدیبیہ کا صلح نامہ بھی اس ضمن میں شامل تھا کیونکہ وہ صلح نامہ حدیبیہ میں لکھا گیا تھا اور حدیبیہ مکہ سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

☆ آیتِ مجیدہ میں لفظ ''مسجد الحرام ''استعمال ہوا ہے اس سے معاہدے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے گویا قدرت یہ کہنا چاہتی ہے کہ ویسے تو ہر معاہدے کی پابندی ضروری ہے لیکن مسجد الحرام میں منعقد ہونے والے معاہدے کی پابندی تو اور زیادہ ضروری ہے۔

پیام

۱۔ یہود اور مشرکین اہلِ ایمان کے بدترین دشمن ہیں۔(لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) المائدہ/ ۸۵

تم یہود و مشرکین کو اہلِ ایمان کا بدترین دشمن پاؤ گے) لہٰذا ان سے معاہدے کی پاسداری کی کچھ زیادہ توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ (كَيْفَ يَكُوْنُ۔۔۔)

۲۔ سب پر تنقید کرنا صحیح نہیں ہے۔ اچھے افراد کا استثنا کرنا چاہیے (اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ)

۳۔ اگر فریق ثانی معاہدے پر کاربند رہے تو تم بھی اس معاہدے کی پاسداری کرو اور اگر دوسرا فریق معاہدہ توڑ دے تو تم پر بھی معاہدے پر کاربند رہنا ضروری نہیں ہے۔(فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ)

۴۔ تقویٰ اور معاہدے کی پابندی کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے (فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ)

آیت نمبر 8

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

کس طرح سے (ان کے ساتھ معاہدہ کو قائم رکھا جا سکتا ہے) جب اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے متعلق کسی رشتہ داری اور عہد و پیمان کی پرواہ تک نہ کریں گے وہ تمہیں اپنی نرم گفتاری سے راضی کر رہے ہیں۔ جب کہ ان کے دل اس کا انکار کر رہے ہیں ان کی

اکثریت فاسق (اور عہد شکن) افراد پر مشتمل ہے۔

نکات

☆ قرابت داری، ہمسائیگی اور انسانی تعلقات کو لفظ ''اِلًّا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عہد و پیمان کو ''ذِمَّۃ'' کہا جاتا ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی فرد یا فریق اسے توڑ ڈالے تو لوگ اس کی مذمت کر کے کہتے ہیں کہ یہ عہد شکن ہے۔

☆ یہ آیات پیمان مشرکین کے متعلق سخت موقف اختیار کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

☆ محض اس امکان کی وجہ سے حملہ نہیں کیا جا سکتا کہ اگر دشمن ہم پر غالب آ گیا تو وہ ہم سے برا سلوک کرے گا اس کے تجاوز اور سازشوں کے مکمل کوائف ہونے چاہیں ورنہ اقدام جرم سے قبل قصاص قرار پائے گا۔

پیام

۱۔ دشمن جب کمزور ہو تو اس وقت اس کی دشمنی کی گہرائی کا علم نہیں ہوتا اس کی گہرائی کا علم اس کی قدرت و طاقت کے وقت ہوتا ہے۔ (وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ)

۲۔ بے رحم دشمن کے متعلق خاموشی اور سادگی اختیار کرنا گناہ ہے۔ (لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً)

۳۔ مشرکین کی نظر میں نہ تو رشتہ داری کی کوئی اہمیت ہے اور نہ عہد و پیمان کی کوئی حیثیت ہے۔ (اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً)

۴۔ دشمن کی مکاری اور چپڑی چکنی باتوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔ (يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ)

۵۔ عہد شکن منافقت، ریاکاری اور سیاست بازی فسق ہے۔ (وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ)

۶۔ مشرکین کی اکثریت فاسق ہے لیکن ان میں بھی کچھ اچھے افراد بھی موجود ہیں (اَكۡثَرُهُمۡ) ہمیں نسبت دیتے وقت انصاف کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔

آیت نمبر 9

اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ○

(پیمان شکن مشرکین) انہوں نے خدا کی آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت کیا ہے اور (لوگوں کو) راستے سے ہٹا دیا اس میں شک نہیں ہے کہ یہ لوگ بہت بُرا کر رہے ہیں۔

پیام

۱۔ ہر انسان راستے اور عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ (اِشۡتَرَوۡا)

۲۔ آیاتِ الٰہی ہاتھ سے دے کر جو کچھ بھی حاصل کیا جائے وہ انتہائی کم ہے۔ (ثَمَنًا قَلِيۡلًا)

۳۔ رضائے الٰہی اور جنت کے عوض چند روزہ اور آفات سے لبریز دنیا کو خرید کرنا انتہائی بُرا سودا ہے۔ کیوں کہ دنیا و مافیہا کی لطفِ

الہی کے مقابلہ پر کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔(اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ)

آیت نمبر 10

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ○

پیمان شکن مشرک صرف تمہارے لئے ہی نہیں بلکہ کسی بھی مومن کے متعلق نہ تو قرابت داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ ہی عہد و پیمان کا خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

نکات

☆اس آیت میں مشرکین سے برات کے خدائی حکم کی حکمت بیان کی گئی ہے۔

☆ سابقہ دو آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین تم سے کسی رعایت کے روادار نہیں ہیں جب کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی مومن کے حق میں رعایت کے طرف دار نہیں ہیں۔(لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ)

پیام

۱۔مشرکین کو اہلِ ایمان سے مکمل دشمنی ہے۔لہذا ان کے ساتھ سخت رویہ اپنانے کے لئے تمہیں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے۔(لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ)

۲۔کفار کی نظر میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اسی لئے وہ اہلِ ایمان سے دشمنی رکھتے ہیں۔(لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ)(اس کی مثال اس آیت میں ملتی ہے انہیں بس اس بات پر چڑ تھی کہ وہ خداوندِ عزیز وحکیم پر ایمان لائے تھے)۔(البروج/۸)

۳۔عہد شکنی ظلم کی واضح شکل ہے۔(وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ)

۴۔رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا اور عہد و پیمان کی پابندی کرنا واجب ہے۔اور اس سے لا پرواہی حد سے تجاوز کرنے کا مظہر ہے۔(وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ)

۵۔عہد شکنی کرنے والے مشرکین سے جنگ دفاعی قسم کی جنگ ہے۔جیسا کہ اس سورت کی تیرہویں آیت میں اسے بیان کیا جائے گا۔یہاں واضح کیا گیا ہے کہ جنگ کی ابتداء ہماری طرف سے نہیں۔(وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ)

آیت نمبر 11

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ○

اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں وہ تمہارے دینی بھائی ہیں ہم اپنی آیات کو علم (فکر) رکھنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

نکات

سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مشرک توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔(فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ) جب کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے نہ صرف یہ کہ انہیں کچھ نہ کہو بلکہ ان کے ماضی کو بھلا دو اور انہیں اپنا دینی بھائی سمجھ کر ان سے برادرانہ سلوک کرو۔

پیام

۱۔کسی سے تعلقات استوار کرنے کا اسلوب یہ ہے۔کہ قدم بہ قدم تدریجی طور پر اس سے تعلقات بڑھائے جائیں۔اس کی ابتداء عدم تعرض سے ہونی چاہیئے۔(فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ) پھر ان سے برادرانہ روابط قائم کئے جائیں۔(فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ)

۲۔دینی اخوت کے دائرہ میں شامل ہونے کے لئے نماز اور زکوۃ اشد ضروری ہے۔(فَاِنۡ ... وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ)

۳۔حقیقی توبہ کا اظہار عمل سے ہوتا ہے۔(تَابُوۡا وَاَقَامُوا)

۴۔تارکِ نماز اور مانعین زکوۃ ہمارے دینی بھائی نہیں ہیں۔(فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ)

۵۔مسلمان کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد اس کے مذہب پر ہوتی ہے۔(فَاِنۡ تَابُوۡا ... فَاِخۡوَانُكُمۡ) اسی طرح سے بعد کی آیت میں ارشاد ہوا۔(وَاِنۡ نَّكَثُوۡا ..... فَقَاتِلُوۡا)

۶۔کفر پر نادم ہو کر توبہ کرنے والے سے برادرانہ تعلقات رکھنے چاہیں (فَاِنۡ تَابُوۡا ... فَاِخۡوَانُكُمۡ)

۷۔اسلامی جنگ کا ہدف یہ ہے کہ مشرکین کو عقیدہ توحید کی طرف لایا جائے۔(فَاِنۡ تَابُوۡا ... فَاِخۡوَانُكُمۡ)

۸۔کل تک جو لوگ واجب القتل تھے وہ لوگ توبہ، نماز اور زکوۃ کی وجہ سے مسلمانوں کے اجتماعی حقوق میں شریک ہو گئے اور ان سے جنگ کرنا حرام قرار پائی (فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ)

آیت نمبر 12

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَٮِٕمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ○

اور اگر وہ (توبہ کی بجائے) عہد باندھنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین کے متعلق (عیب گوئی) اور طعنوں کی زبان کھولیں تو کفر کے سرداروں کے خلاف جنگ کرو کیونکہ یہ لوگ قسموں کی پابندی کرنے کے عادی نہیں ہیں ممکن ہے کہ (تمہاری سختی کی وجہ سے) اپنی حرکات سے باز آجائیں۔

نکات

☆کسی نے حضرت علیؑ سے پوچھا آپ نے جنگِ جمل سے بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کیا تھا جب کہ آپ نے صفین سے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا ہے۔آخر ایسا کیوں ہے؟

آپؑ نے جواب دیا کہ صفین میں کفر کے رہبر زندہ تھے اور فرار کرنے والے ان کے اطراف جمع ہو کر منظم ہو سکتے تھے اور نئے سرے سے حملہ کر سکتے تھے جب کہ جنگِ جمل میں ان کے سربراہ مارے گئے تھے۔لہذا ان کے منظم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

☆امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو تمہارے دین کے بارے میں زبان طعن دراز کرے تو وہ قطعی طور پر کافر ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔(تفسیر نورِ ثقلین)

پیام

۱۔دین سے ارتداد کا تعلق پیمان شکنی اور مکتب کا تمسخر اڑانے سے ہے(وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا) ممکن ہے کہ ''تَابُوۡا'' کے بعد ''نَّكَثُوۡۤا'' کے الفاظ ارتداد کی طرف اشارہ ہوں۔

۲۔توہینِ اسلام اور اس کے خلاف زبان طعن دراز کرنے کی سزا موت ہے۔(طَعَنُوۡا ،فَقَاتِلُوۡا) مذہبی مقدسات کی توہین کرنے والوں کا سختی سے محاسبہ کرنا چاہیئے۔

۳۔اسلامی جہاد کا مقصد مکتب کا دفاع ہے۔(نَّكَثُوۡۤا ،طَعَنُوۡا ،فَقَاتِلُوۡۤا)

۴۔پیمان شکنی اور دین کی تضحیک کا تعلق کفر کے رہبروں سے ہے لہذا ان سے جنگ کرو۔(فَقَاتِلُوۡۤا اَٮِٕمَّةَ الۡكُفۡرِ)

۵۔جنگ کی صورت میں سازشی عناصر کے سرغنوں اور ان کے مراکز اور تنظیمی سرگرمیوں کو نشانہ بنا کر انہیں تہس نہس کر دینا چاہیئے۔

۶۔ہر قسم کے فریب میں نہ آؤ عہد شکن افراد کی قسم پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔(لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ)

۷۔جہاد اسلامی کا مقصود دشمن کی سازشوں کو روکنا ہے۔(لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ)

آیت نمبر 13

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں (اور معاہدوں) کو توڑا اور انہوں نے پیغمبر کو وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے ہی تم سے جنگ کی ابتداء کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالی اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

پیام

۱۔ مجاہد مسلمان کے لئے جنگ کے اہداف و مقاصد واضح ہونے چاہیں (نَّكَثُوا ... وَهَمُّوا .. بَدَءُوكُمْ) اس کی وضاحت یہ ہے کہ دشمنوں نے پیمان شکنی کی اور رسولِ خدا کے لئے بُرائی کا اردہ کیا اور جنگ کی ابتداء ان کی طرف سے ہوئی۔

۲۔ تمھاری جنگ خالصتاً دفاع کے لئے ہے دشمن نے حملہ میں پہل کر کے جارحیت کا ثبوت دیا۔ (وَهُم بَدَءُوكُمْ)

۳۔ جنگ کے وقت جنگ کی آگ اور دوزخ کی آگ کا آپس میں موازنہ ضرور کرنا اس سے مجاہدین بہتر طور پر لڑائی لڑسکیں گے۔ (أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ)

۴۔ حقیقی مومن صرف خدا سے ہی ڈرتا ہے۔ (فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ)

آیت نمبر 14

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ○

ان سے جنگ کرو تاکہ خدا تمھارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمھیں ان پر کامیابی دے اور اہلِ ایمان کے (پُردرد) دلوں کو تشفی دے (ان کے دلوں پر مرہم رکھے)

نکات

سوال۔ اس سے قبل سورۃ انفال کی ۳۳ ویں آیت میں اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے کہ جب تک پیغمبر اُن میں موجود ہیں خدا انھیں عذاب نہیں دے گا پھر اس آیت میں انھیں عذاب دینے کا اعلان کس لئے کیا گیا؟

جواب۔ اس سے آسمانی عذاب مراد ہے جو انھیں ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دے گا جیسا کہ قوم عاد وثمود پر عذاب نازل ہوا تھا جبکہ اس آیت میں آسمانی عذاب کی بجائے جنگ کی سختی کا عذاب مراد ہے۔

پیام

۱۔میدانِ جنگ اللہ کی امداد کا مرکز ہوتا ہے (قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ) یعنی جہاد کرنا تمھارا کام ہے اور مدد کرنا خدا کا کام ہے۔

۲۔مجاہدین حق کا بازو ہیں اور احکام الٰہی کے نفاذ کا ذریعہ ہیں۔(يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ)

۳۔خدا کی روش کا اظہار طبعی ذرائع اور ظاہری اسباب کے ذریعے سے ہوتا ہے (بِأَيْدِيكُمْ)

۴۔دشمن کی فوجی شکست اس کی روحانی وسیاسی شکست ہے (يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ)

۵۔اللہ تعالٰی دشمنان دین کی ذلت وشکست اور مومنین کی عزت وکامیابی کا خواہاں ہے۔(وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ)

۶۔جنگ کے اہداف میں کفر کا خاتمہ اور کافروں کی ذلت اور مومنین کی تسکین شامل ہے۔(يُعَذِّبْهُمْ...وَيُخْزِهِمْ...وَيَشْفِ صُدُورَ)

۷۔جنگ سے پہلے تشویق اور تبلیغ ضروری ہے اللہ تعالٰی اہلِ ایمان کو قطعی نوید دیتا ہے۔(يَنْصُرْكُمْ ...وَيَشْفِ صُدُورَ)

۸۔صدر اسلام کے مسلمانوں کے دل کفار کی اذیتوں سے زخمی اور داغدار تھے (وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ)

۹۔جنگ کی صورت میں اگر چہ کچھ اہلِ ایمان کی شہادت کا احتمال ہے مگر اس سے امتِ اسلامیہ کو پرسکون زندگی ملنے کا یقین ہے اس لئے اللہ تعالٰی نے آیت میں ''صُدُورَكُمْ'' نہیں فرمایا بلکہ (صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ) کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔

۱۰۔اجتماعی مسائل میں مومنین کی تقدیر ایک دوسرے سے پیوستہ ہے لہذا آج کی تمہاری کامیابی باقی اہلِ ایمان کے دلوں کیلئے شفا ہے۔ (وَيَنْصُرْكُمْ...وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ)

آیت نمبر 15

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○

اللہ تعالٰی (تمہاری کامیابی اور دشمن کی خواری سے) مومنین کے دلوں کے غصہ کو دور کرے گا اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس پر اپنے لطف کو پھیر دیتا ہے (ان کے لئے توبہ کے دروازے کھول دیتا ہے) اللہ صاحبِ علم اور صاحب حکمت ہے۔

پیام

اگر چہ جنگ کا اولین ہدف اللہ کی رضا کا حصول اور اپنی سرزمین کا دفاع اور شرک اور سازشوں اور پیمان شکنی سے تحفظ ہے لیکن اس کا ثانوی ہدف اہلِ ایمان کے غصہ کو ٹھنڈا کرنا بھی ہے (اس مفہوم کو ''سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا'' طلاق/۷ اور (إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) (الم نشرح/۶ میں بھی بیان کیا گیا ہے (وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ)

۲۔جب تمہیں کامرانی نصیب ہوجائے تو اس کے بعد جو لوگ تم سے تعلقات استوار کرنے کے لئے آئیں تو ان کا پرتپاک استقبال کرو اور کہو کہ اب تک آپ لوگ کہاں تھے؟ (وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ)

۳۔توبہ کی قبولیت کسی کا استحقاق نہیں ہے توبہ کی قبولیت خدا کے ارادہ اور مشیت سے مربوط ہے۔(وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ)

۴۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والوں کو اس لئے دھتکار دو کہ کہیں وہ فریب نہ کر آئے ہوں اللہ تعالیٰ ریاکاری پر مبنی توبہ اور حقیقی توبہ کو بخوبی جانتا ہے۔حکمتِ الٰہی اس امر کی متقاضی ہے کہ جو بھی اسلام کا اظہار کرے اس کی بات کو مان لینا چاہئے البتہ حفاظتی اقدامات سے غفلت نہ کی جائے۔(عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ)

آیت نمبر 16

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ○

یا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ(صرف ایمانی دعویٰ کی وجہ سے) تمہیں چھوڑ دیا جائے گا(حالانکہ اللہ نے اپنے امتحان سے ابھی تک تمہیں نہیں آزمایا) اللہ بہر صورت معلوم کرے گا کہ تم میں سے کن لوگوں نے جہاد کیا اور وہ کون ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا راز دان نہیں بنایا تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

نکات

☆ یہ آیت بھی سابقہ آیات کی طرح سے جہاد کی ترغیب دیتی ہے۔

☆ ''وَلِيْجَةً'' کا کلمہ لفظ ''وُلُوْج'' سے ماخوذ ہے اور یہ لفظ معنوی طور پر لفظ 'بِطَانَة'' کے مترادف ہے جس کا معنی اندرون خانہ راز ہیں۔اور یہاں پر ''رازدان'' مراد ہے۔

☆ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی رہبر ہی محرمِ اسرار بننے کے اہل ہیں(تفسیر نورِ ثقلین)

پیام

۱۔یہ وجود اور اس کا نظام با مقصد ہے انسان اور اس کا مستقبل بھی بے مقصد نہیں ہے لہذا تخیلاتی دنیا سے نکل کر واقعیت اور حقیقت کو اپنانا چاہئے۔(اَمْ حَسِبْتُمْ)

۲۔ایمان کا زبانی دعویٰ کافی نہیں ہے اس کے لئے عمل، جہاد اور آزمائش شرط ہے۔(اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا)

۳۔ایمانی آزمائش میں صرف وہی افراد ہی کامیاب شمار کئے جائیں گے جو اللہ، رسول اور اہل ایمان کو ہی اپنا محرم راز بنائیں گے۔(وَلِيْجَةً)

صدر اسلام میں مومنین اغیار سے رابطہ رکھتے تھے۔

۴۔اغیار تک راز پہچانا صحیح نہیں ہے اور انہیں محرم راز جاننا حرام ہے اور یہ ایمانی ضُعف کا مظہر ہے اس سے بے ایمانی چھلکتی ہے اور خدا نے اس پر سخت تنبیہ کی ہے۔(وَلَمْ يَتَّخِذُوْا...وَلِيْجَةً)

۵۔ایک مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ بیرونی دشمن سے جہاد کرے اور اندرونی دشمن سے اپنے رازوں کو پنہاں رکھے۔(جٰهَدُوْا... وَلَمْ يَتَّخِذُوْا)

۶۔اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے اسے آزمانے کی ضرورت نہیں لیکن امتحان سنتِ الٰہی ہے۔(وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ)

۷۔اگر تم نے قومی راز دشمنوں کے سپرد کر دیئے تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔(وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ)

آیت نمبر 17

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○

مشرکین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں جب کہ اپنے خلاف کفر کے واضح گواہ ہوں ان لوگوں کے اعمال (ان کی بے ایمانی کی وجہ سے) ضائع ہو گئے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

نکات

☆اس آیت کا شانِ نزول تو مسجد الحرام کی آبادکاری اور تولیت کے ساتھ مخصوص ہے لیکن یہ عمومی حکم ہے اور تمام مساجد کو شامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ آیتِ مجیدہ میں ''مسجد الحرام'' کی بجائے مساجد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

☆حضرت علیؑ نے اپنے اعلانِ برات میں یہ بھی فرمایا تھا کہ مشرکین کو مسجد الحرام کی تعمیر کا حق حاصل نہیں ہے انہیں نہ صرف یہ کہ تعمیر کا حق نہیں ہے بلکہ انہیں مسجد میں داخل ہونے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے۔(آیت ۲۷ میں اس ذکر آئے گا)

پیام

۱۔مساجد کی تعمیر ہو یا مسلمانوں کے دوسرے دینی اور ثقافتی ادارے ہوں ان میں کفار و مشرکین کو مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔(مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ)

۲۔اسلامی مراکز اور دینی مقدسات کے لئے نااہل افراد سے رقم نہیں لینی چاہیئے تاکہ انہیں مداخلت کا موقع نہ ملے۔(مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ)

۳۔صرف عمل ہی اہم نہیں ہے اس کی بجائے نیت کو اہمیت حاصل ہے۔(مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا)

۴۔ہر آمدنی جائز نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر طرح کی شراکت بہتر ہوتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مساجد کی آبادی کے شوق میں کفار کو دینی معاملات میں دخل اندازی کا موقع مل جائے۔(اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ)

۵۔جولوگ سرِ عام بے دینی کا مظاہرہ کرتے ہوں انہیں دینی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔(شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ)

۶۔مشرک بھی کافر ہوتا ہے۔(لِلْمُشْرِكِیْنَ ... شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ)

۷۔کفر کافروں کے نیک اعمال کی تباہی و بردباری کا سبب بن جاتا ہے۔(بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ)

آیت نمبر 18

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ○

مساجد خداوندی کو بس وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔نماز قائم کرتے ہوں اور زکوۃ ادا کرتے ہوں اور خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہ رکھتے ہوں انہی لوگوں کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہوں۔

نکات

☆مسجد مسلمانوں کا اہم عبادی اور اجتماعی مرکز ہے اسی لئے متولیانِ مساجد کو صالح اور پاک ہونا چاہیئے۔اور مساجد کی تعلیمات انسان ساز اور تربیت پر مشتمل ہونی چاہیئے اور ان کے ذرائع آمدنی جائز اور حلال ہوں اور مساجد میں آنے والے افراد بھی خوفِ خدا رکھنے والے اور لائق احترام ہونے چاہیں۔اس کے برعکس اگر مساجد بنانے والے جبار قسم کے سلاطین ہوں اور مساجد میں امامت کرانے والے جاہل اور بزدل ہوں اور مسجد کے خدام حال سے بے حال ہوں۔تو مسجد کا اصل مقصد ضائع ہو جائے گا اور ایسی مساجد اپنی معنویت سے دور ہو جائیں گی۔

☆مرحوم فیض کاشانی تفسیر صافی میں لکھتے ہیں کی "تعمیر مسجد" میں مسجد کی مرمت، صفائی مصلے بچھانا اور مسجد میں چراغاں کرنا اور تدریس وتبلیغ جیسے امور شامل ہیں۔

☆قرآن کریم میں ۳۲ مرتبہ زکوۃ کا حکم نازل ہوا۔اٹھائیس مقامات پر نماز اور زکوۃ کو اکٹھے بیان کیا گیا۔

☆حضرت رسول اکرمؐ کا فرمان ہے۔(اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْاِیْمَانِ)(تفسیر درمنثور)

جب کسی شخص کو مسجد میں آمدورفت کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔

مسجد میں آمدورفت رکھنے والوں کے لئے احادیث میں بہت سے فوائد منقول ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔اس سے ایمانی بھائیوں سے تعارف پیدا ہوتا ہے۔

۲۔مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ دینی اُمور میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ گناہوں سے دوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ اس سے انسان اللہ کی رحمت کا حقدار بنتا ہے۔(وسائل۔تفسیر درمنشور)

پیام

ا۔ مسجد کی تولیت اور آبادکاری کی کچھ شرائط ہیں۔

الف۔ مسجد کا متولی وہ بن سکتا ہے جو مبداء و معاد پر ایمان رکھتا ہو۔(اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ)

ب۔ مسجد کے متولی کو نماز اور زکوٰۃ کا پابند ہونا چاہئے۔(وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ)

ج۔ مسجد کے متولی کو بہادر اور نڈر ہونا چاہئے۔(وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ)(اگر مسجد کا متولی بہادر ہوگا تو وہ مسجد ظلم و ستم کے خلاف مورچہ کا کام دے گی)

۲۔ مساجد کے متولیوں اور مساجد کے آباد رکھنے والوں کو محرومین کا مددگار رہنا چاہئے۔(اِنَّمَا یَعْمُرُ ۔۔۔۔وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ)

۳۔ ایمان عمل سے جدا نہیں ہے۔(اٰمَنَ ۔۔۔وَاَقَامَ)نماز زکوٰۃ سے جدا نہیں ہے۔(اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ) مسجد انقلاب سے جدا نہیں ہے۔(مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ)

۴۔ ایمان، عملِ صالح، نماز، زکوٰۃ اور شجاعتِ دین ہونے کے باوجود ہمیں پھر بھی مغرور نہیں ہونا چاہئے پھر بھی انحراف کے خطرات پھر بھی موجود ہیں۔(فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ)

آیت نمبر 19

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس شخص (کے عمل) کے مانند قرار دیا ہے۔ جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے۔ اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے یہ خدا کے ہاں یکساں نہیں ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات

ایک مرتبہ رسولِ خدا کے چچا عباس اور شیبہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر فخر کر رہے تھے عباس نے خانہ خدا کے زائرین کو پانی پلانے کا ناز کیا اور شیبہ نے کعبہ کی کلید برادری کا فخر کیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اگرچہ میں تم دونوں سے کم عمر ہوں اس کے باوجود میں یہ فخر کرتا ہوں کہ تم لوگ میری تلوار اور جہاد کی وجہ سے

ایمان لائے۔اس بات پر عباس ناراض ہوئے اور رسولِ اکرمؐ کے حضور حضرت علیؑ کی شکایت کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر نمونہ، الکافی جلد/ ۸ /) ۲۰۴

حضرت علیؑ نے اپنی اولویت کے لئے کئی بار اس آیت سے استشہاد کیا تھا اور اس طرح سے آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ شرک کی حالت میں جو خدمات سرانجام دی جائیں ان کی کوئی معنوی حیثیت نہیں ہے۔

پیام

۱۔عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے ایمان کے بغیر عمل بے جان جسم کی مانند ہے۔(اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ... کَمَنۡ اٰمَنَ)

۲۔مخلص مجاہدین دوسروں سے برتر ہیں (اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ... کَمَنۡ اٰمَنَ... وَجٰهَدَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ)

۳۔باایمان مجاہدین کا دوسروں سے موازنہ کرنا صریحاً ظلم ہے اور یہ ایک اجتماعی زیادتی ہے۔(اَجَعَلۡتُمۡ... کَمَنۡ... جٰهَدَ... الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ)

آیت نمبر 20

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ○

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جان سے جہاد کی ایسے لوگوں کا خدا کے ہاں بہت بڑا درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

پیام

۱۔تقویٰ کی طرح ایمان، ہجرت اور جہاد کا بھی بڑا مقام ہے۔(اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا... اَعۡظَمُ دَرَجَةً)

۲۔لوگوں کی نظر میں قبیلہ اور قوم کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن خدا کے ہاں ایمان، ہجرت اور جہاد پر ہی قدر و قیمت کا انحصار ہے۔ (تمام صحابہ اور مسلمانوں کی تاریخ پر نظر کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا کون ہے اور میدان جہاد میں سب سے زیادہ صعوبتوں کو کس نے برداشت کیا؟ تو پھر حضرت علیؑ کے علاوہ اور کوئی دکھائی نہیں دے گا۔سبقت ایمانی اور جہاد فی سبیل اللہ کی منزل میں حضرت علیؑ سب سے سرفہرست دکھائی دیتے ہیں (عِنۡدَ اللّٰهِ)

۳۔تمام کمالات کا سرچشمہ ایمان ہے۔(اٰمَنُوۡا)

۴۔تمام نیک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔(فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ)

۵۔اُخروی کامیابی، ایمان، ہجرت اور جہاد کے زیرِ سایہ ہی میسر آسکتی ہے۔(اٰمَنُوۡا... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ)

آیت نمبر 21-22

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور رضامندی اور ایسے باغات کی بشارت دیتا ہے جن میں ان کے لئے ابدی نعمات ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اس میں شک نہیں کہ کہ اللہ کے ہاں اجرِ عظیم ہے۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور مجاہدین کو خود ہی جنت کی بشارت دی ہے (يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ) (دوسری آیات میں اور بشارتیں بھی دی گئی ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا (سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ) (دہر ۲۱) ان کا رب انہیں پلائے گا۔ (صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ) (البقرۃ ۱۵۷ (ان پر رب کی طرف سے رحمت ہے) (۲) ''نَعِيْم'' کثیر نعمت کو کہا جاتا ہے)

۲۔ کسی بھی مکتب کی جامعیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پیروکاروں کو اُمید بھی دلاتا ہو۔

۳۔ بشارت اور جزاء کا تعلق شُعبہ ربوبیت سے ہے۔ (يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ)

۴۔ رحمت اور رضوان جنت کا حصول کامیابی کا مظہر ہے۔ (الْفَآئِزُوْنَ...يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ)

۵۔ اللہ کی رحمت اور رضا مادی نعمات سے مقدم ہے (بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ) (اس آیت میں جنت کا ذکر بعد میں ہے اس سے پہلے رحمت و رضوان کا تذکرہ کیا گیا ہے)

۶۔ جنت کے باغات پُر نعمت ہوں گے۔ (نَعِيْمٌ)

۷۔ اگر حکمِ الٰہی کے تحت ہم فانی نعمات سے کنارہ کشی کر لیں تو اس کے عوض ہمیں ابدی نعمات میسر آسکتی ہیں (نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ)

۸۔ دنیاوی نعمات کے لئے سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ یہ فنا پذیر اور زوال پذیر ہیں جب کہ اُخروی نعمات کو فنا اور زوال نہیں ہے۔ (مُّقِيْمٌ...خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ)

۹۔ دنیا کا کوئی شخص کسی کو کتنی بھی کیوں نہ عطا کرے وہ پھر بھی چھوٹی ہے جب کہ اجرِ عظیم خدا کا عطا کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں (اَجْرٌ عَظِيْمٌ) سے قبل لفظ (عِنْدَهٗ) موجود ہے جو کہ حصر پر دلالت کرتا ہے۔

۱۰۔ خدا نے پوری دنیا کو ''قَلِيْل'' کہا ہے لیکن مجاہدین کے اجر کو لفظ (عَظِيْمٌ) سے تعبیر کیا ہے۔

۱۱۔ خدا کا لطف و کرم یہ ہے کہ وہ ہماری فانی اور قلیل چیزوں کو بہت بڑی قیمت کے بدلے خرید کر رہا ہے جب کہ ہم اور ہماری ہستی

اور جو کچھ بھی ہمارے پاس موجود ہے وہ سب اسی کا عطا کردہ ہے۔(اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ)

آیت نمبر 23

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ‌ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ○

اے اہلِ ایمان! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو ان کی ولایت (دوستی) کو قبول نہ کرو اور تم میں سے جس نے بھی ان کی ولایت کو قبول کیا تو وہی لوگ ظالم ہوں گے۔

نکات

☆ قرآن کریم نے کفار کی ولایت قبول کرنے سے اتنی سختی سے ممانعت فرمائی ہے کہ اس سے دل لرز اُٹھتے ہیں مثلاً سورۃ مائدہ میں ارشاد فرمایا(وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ) (المائدہ/ ۵۱) تم میں سے جو بھی انہیں دوست بنائے گا تو وہ خود انہی میں سے ہوگا سورۃ آلِ عمران میں ارشادِ خداوندی ہے۔(وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ)(آلِ عمران/ ۲۸) جو کوئی ایسا کرے تو اس کا خدا سے رابطہ منقطع ہو جائے گا۔

☆ جب کچھ مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی تو ان کے والدین ان پر ناراض تھے لیکن انہوں نے دین کی حفاظت کو والدین کی رضا پر ترجیح دی تھی) کافر والدین کی سرپرستی کو قبول نہیں کرنا چاہیئے البتہ ان سے حسنِ سلوک کا مسئلہ دوسرا ہے۔

پیام

۱۔کافر باپ کو مسلمان بیٹے پر حق ولایت حاصل نہیں ہے اور مذہبی روابط خاندانی روابط پر مقدم ہیں۔(لَا تَتَّخِذُوۡۤا)

۲۔خاندان کی محبت کو مذہب وملت کے اقدار پر غالب نہیں آنا چاہیئے۔(لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ)

۳۔کافر کی ولایت کو قبول کرنا شرعاً ممنوع ہے اگرچہ وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔(لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ ... اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ)

۴۔دین ومکتب کے احکام ہر طرح کے روابط پر مقدم ہیں۔(لَا تَتَّخِذُوۡۤا ... اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ)

۵۔کفار کی سرپرستی کو قبول کرنا ظلم ہے۔(الظّٰلِمُوۡنَ)

آیت نمبر 24

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

آپ کہہ دیں کہ تمہارے آباء اور اولاد اور بھائی اور بیویاں اور تمہارے خاندان اور تمہاری جمع کردہ دولت اور تمہاری وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں خوف ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔ اگر وہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ خدا اپنے (عذاب کے) فرمان کو جاری کر دے اور اللہ نافرمان گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات

ایک دن حضرت علیؑ نے کچھ لوگوں سے فرمایا کہ تم اسلام کی مدد کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کیوں نہیں کرتے اور پیغمبر سے الحاق کیوں نہیں کرتے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ قیام پذیر ہیں اور اپنے گھر کا دفاع کر رہے ہیں (تفسیر المیزان)

اس آیت میں جن اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے وہ بطور نمونہ ہیں اسی لئے باپ کے ساتھ ماں، بیٹے کے ساتھ، بیٹی اور بھائی کے ساتھ تو بہن بھی شامل ہے۔

پیام

۱۔ ایمان کا میزان دنیا و آخرت کے دوراہے پر نصب ہے۔ (اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ)

۲۔ جہاد اسلام کا اہم رکن ہے اسی لئے توحید و نبوت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ)

۳۔ مادیت کا پل عبور کرنے کے لئے عقائد اور خدا کی الفت سے استفادہ کرنا چاہئے۔ (قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ... وَاَمْوَالُ... تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ.. فَتَرَبَّصُوْا...)

۴۔ خاندانی محبت اور مادی اشیاء کو راہ جہاد کی رکاوٹ نہیں بنانا چاہیئے اور جہاں یہ اشیاء رکاوٹ بنیں گی تو وہاں قہر الٰہی نازل ہو جائے گا۔ (قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ... وَاَمْوَالُ... تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ.. فَتَرَبَّصُوْا...)

(خدا کی دوستی اور جہاد کے لئے ان تمام اشیاء کو قربان کر دینا چاہئے کیوں کہ دین کی حفاظت خاندانی اور اقتصادی روابط پر مقدم ہے)

۵۔ دنیا اور آسائش دنیا کے دلدادہ مسلمان بھی کافروں کی مانند ہیں (فَتَرَبَّصُوْا) آسائش پسند افراد سے فَتَرَبَّصُوْا کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے قرآن کریم میں ان الفاظ سے کفار کو مخاطب کیا گیا ہے آیت کے ضمن میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کو دنیا پرستوں سے براہ راست خطاب پسند نہیں ہے اسی لئے خدا نے رسول کی زبانی یہ پیغام پہنچایا ہے (قُلْ) تفسیر المیزان)

۶۔ اگر زندگی کا ماحصل زندگی کی آسائش کو قرار دے دیا جائے تو اس سے انسانی اعلیٰ اقدار کا سقوط لازم آئے گا اور اس سے انسان

خدااوراس کے رسول سے دور ہوجائے گا۔اور غضب الٰہی ایسے ہی لوگوں کی تاک میں ہے۔(یَأْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ)
۷۔ذمہ داریوں سے کنارہ کشی کرنے والے آسائش پسند افراد ہدایتِ الٰہی کے لئے نااہل ہوتے ہیں۔(لَا یَهْدِی)
۸۔مادیت کو معنوی اُمور پر ترجیح دینا علامتِ فسق ہے۔ (اَحَبَّ اِلَیْکُمْ ۔۔الْفٰسِقِیْنَ)(معنویات کو ترک کرنا ایمان و فسق کی سرحد ہے)

آیت نمبر 25

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ○

بے شک خدا نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے اور جنگ حنین (میں بھی اس نے تمہاری مدد کی ہے) جب تمہیں لشکر کی کثرت نے مغرور کر دیا تھا لیکن تمہاری عددی کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم دشمن کو پشت دکھا کر بھاگ گئے تھے۔

نکات

سابقہ آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی اور اس آیت میں اللہ کے لطف و کرم اور غیبی امداد کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ امتِ اسلامیہ میں جذبہ جہاد کو تقویت فراہم کی جا سکے۔

☆ پیغمبر اکرم کے تمام غزوات و سرایا کو اس آیت میں ''مواطن کثیرہ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اور ایسے مواقع کی کل تعداد اسی تھی۔(تفسیر نور الثقلین۔الکافی جلد ۷/ ۴۶۴)

روایات میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ متوکل عباسی بیمار ہوا اس نے بیماری کے عالم میں خدا کے حضور یہ منت مانی کہ اگر وہ شفایاب ہو گیا تو وہ ''کثیر دراہم'' صدقہ کرے گا۔

اللہ نے اسے صحت دی تو اس نے علماء سے کہا کہ میں نے ''کثیر دراہم'' کی منت مانی تھی اب مجھے کتنے درہم دینے چاہئیں۔

علماء تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔پھر یہ مسئلہ امام علی نقیؑ سے پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اسے چاہئے کہ اسی درہم صدقہ کر دے آپ نے دلیل میں ''مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ'' کی آیت سے استدلال کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ نے آنحضرتؐ کی اسی مقامات پر مدد کی تھی اور انہیں ''مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ'' سے تعبیر کیا۔(تفسیر اطیب البیان)

جنگِ حنین کا واقعہ

یہ جنگ طائف کے قریب مسلمانوں اور بنی ہوازن کے درمیان واقع ہوئی تھی اسی لئے اسی جنگ کو جنگِ ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔

ہجرت کے آٹھویں سال رسولِ خدا نے قبیلہ ہوازن کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان پر لشکر کشی کی تھی اس جنگ میں مکہ فتح کرنے والی دس ہزار فوج بھی تھی اور ان کے علاوہ مکہ کے دو ہزار نو مسلم افراد بھی شامل تھے یہ جنگ نماز فجر کے بعد شروع ہوئی۔ ہوازن کے تیراندازوں نے مسلمانوں پر چھپ کر حملہ کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگ گئی اور سپاہ اسلام کا نظام درہم برہم ہو گیا لیکن کچھ جانثاروں کی سرفروشی نے اس جنگ میں اہم کردار ادا کیا اور رسولِ اکرمؐ کے بلانے پر بھاگنے والے واپس آ گئے اور از سرِ نو منظم ہو کر حملہ کیا جس میں ایک سو مشرکین مارے گئے باقی لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ جنگ مسلمانوں کی کامیابی پر اختتام پذیر ہوئی۔

اس جنگ کے نتیجہ میں کتنے افراد قید ہوئے اور کتنی غنیمت ہاتھ لگی اور اس کی تقسیم کیسے عمل میں لائی گئی یہ کافی تفصیل طلب مسائل ہیں۔ اس کے لئے تاریخ اور مغازی کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

پیام

۱۔ صدر اسلام میں جنگی کامیابیوں کا اصل سبب خدائی امداد کو سمجھا جاتا تھا۔ (لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ)

۲۔ اللہ کے احسانات کی یاد سے روح و ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ (لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ)

۳۔ جنگِ حنین انتہائی اہم تھی چنانچہ (مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ) کے لفظ میں جنگِ حنین بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔ (مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ)

۴۔ بعض اوقات افراد کی کثرت اور مادی وسائل غرور اور غفلت کا سبب بن جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ شکست کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ (اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ)

۵۔ انسان ہر وقت خدائی امداد کا محتاج ہے چاہے کمزوری کی حالت میں ہو یا قدرت و طاقت میسر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جنگِ بدر میں مسلمان اگرچہ کم تھے لیکن خدائی امداد کی وجہ سے انہیں فتح حاصل ہوئی تھی اور جنگِ حنین میں انہوں نے اپنی کثرتِ سپاہ پر ناز کیا تو شکست ہوئی پھر جب خدائی امداد حاصل ہوئی تو کامیابی حاصل ہوئی۔ (لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ ... وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ)

۶۔ جب تک ارادہ الٰہی شامل حال نہ ہو تب تک مادی اسباب غیر مؤثر رہتے ہیں۔ (لَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ)

۷۔ عبادت اور تواضع کے جذبات پیدا کرنے کے لئے بعض اوقات کچھ کمزوریوں کی نشان دہی ضروری ہو جاتی ہے تاکہ ناحق غرور کی حوصلہ شکنی ہو۔ (ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ)

آیت نمبر 26

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ○

پھر خدا نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور اہلِ ایمان پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل کئے جو تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔اور کافروں کو عذاب دیا یہی کافروں کی جزا ہے۔

نکات

☆قرآن کریم میں لفظ ''سَكِيْنَتَهٗ'' چھ مقامات پر استعمال ہوا ہے جن میں سے پانچ کا تعلق جنگ سے ہے

☆جنگِ حنین میں اللہ نے اہلِ ایمان پر چار قسم کے احسان کئے تھے۔

۱۔ ان پر تسکین نازل فرمائی ۲۔ غیر مرئی لشکر بھیجے

۳۔ کفار پر اپنا قہر نازل کیا ۴۔ جنگ سے فرار کرنے والوں کی توبہ قبول کی (جسکا ذکر بعد کی آیت میں آئے گا)

☆ کچھ کافر قیدیوں نے مسلمانوں سے پوچھا تھا کہ تمہارے سفید پوش فوجی کہاں ہیں جنہوں نے ہمیں قتل کیا تھا؟ (تفسیر صافی) انہوں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ انہوں نے فرشتوں کو میدان جنگ میں سفید پوشاک میں دیکھا تھا۔

پیام

۱۔میدانِ جنگ میں مجاہدین کی لغزش خدا کی غیبی امداد سے محرومی کا باعث ہوئی (ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ... ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ)

۲۔خدا کی طرف سے غیبی امدادیں مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز ہیں۔(ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ)

۳۔ایمان اور حوصلہ کی وجہ سے پیدا ہونے والا اطمینان کامیابی کا اصل راز ہے (اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ)

۴۔تسکین واطمینان جہاں رہبر کے لئے ضروری ہے وہاں پیروکاروں کے لئے بھی ضروری ہے۔ (سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ) البتہ جنگ میں پریشانی کے اسباب مختلف تھے۔رسولِ اکرمؐ کی پریشانی لوگوں کے فرار کی وجہ سے تھی اور لوگوں کی پریشانی کا سبب ان کی بزدلی تھی۔

۵۔مومنین کی روحانی تسکین خدا کی طرف سے تھی۔(سَكِيْنَتَهٗ) دوسری آیت میں فرمایا۔(سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) (البقرۃ/۲۴۸)

۶۔اہلِ ایمان کی امداد کے لئے فرشتوں کا نازل ہونا ایک قرآنی عقیدہ ہے۔(وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا)

۷۔جو شخص مبدا و معاد کا قائل ہے اگر وہ قتل ہو جائے تو قتل ہونا اس کے لئے باعثِ افتخار ہے لیکن کافر بن کر قتل ہونا باعثِ عذاب ہے۔(وَعَذَّبَ)

۸۔شکست اور ذلت کفار کا مقدر ہے۔(عَذَّبَ... ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ)

آیت نمبر 27

ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○

پھر اللہ تعالیٰ اس فرار کے بعد جس کے لئے چاہے اپنی مہربانی پلٹا دے۔ (اور فرار کرنے والوں کی توبہ قبول کرے) خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات

یہاں توبہ سے کیا مراد ہے اس کے متعلق چند احتمال ہیں۔

☆ میدانِ جنگ سے گناہِ فرار کی توبہ

☆ شرک سے توبہ

☆ کثرتِ سپاہ پر غرور اور اپنی فوجی قوت پر ناز کرنے کی توبہ

پیام

۱۔ توبہ کے دروازے ہر شخص کے لئے ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں یہاں تک کہ کافر قیدیوں اور میدانِ جنگ سے فرار کرنے والوں کے لئے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ (یَتُوۡبُ اللّٰهُ) (فعل مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے)

۲۔ توبہ کا قبول کرنا خدا پر واجب نہیں ہے یہ اس کا فضل ہے جو کہ اس کی حکمت سے مربوط ہے۔ (مَنۡ يَّشَآءُ)

۳۔ اللہ تعالیٰ گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور انسانوں سے محبت بھی کرتا ہے۔ (غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ)

آیت نمبر 28

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ○

اے اہلِ ایمان! مشرک پلید اور ناپاک ہیں لہذا اس برس کے بعد مسجد الحرام کے نزدیک نہ ہونے پائیں۔ اگر کفار کے بھگائے جانے اور ان سے لین دین منقطع ہونے کی وجہ سے تمہیں فقر و تنگدستی کا اندیشہ ہے تو عنقریب خدا تمہیں اپنے فضل سے بے نیاز کر دے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

نکات

حضرت علیؑ نے جن چار نکات کا اعلان کیا تھا ان میں ایک نکتہ یہ تھا کہ اگلے سال سے مشرکین کو مسجد الحرام میں داخل ہونے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

پیام

۱۔شرک پلیدی ہے۔ (نَجَسٌ) حقیقی طہارت ایمان کے زیر سایہ ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔مومن کو چاہئے کہ وہ مشرک سے نفرت کرے۔(یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ)

۳۔احکامِ دین پر پورے اخلاص سے عمل ہونا چاہئے اس کے لئے تکلفات سے کام نہیں لینا چاہئے(اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ)

۴۔اپنے نظریات کے اعلان کے لئے اس کے عملی نفاذ کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔(اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ) مشرکین روزِ اول سے ہی پلید تھے ان کی پلیدی ہجرت کے نویں سال سے شروع نہیں ہوئی تھی۔اور نہ ہی ان کی نجاست کا آغاز اعلانِ براءت سے ہوا تھا اصل بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس اجراء کی قوت اسی سال پیدا ہوئی تھی۔اسی لئے اسی سال اعلان کیا گیا تھا۔

۵۔نزدیک ہونا داخلی ہونے کا مقدمہ ہے لہذا مشرکین حرم مقدس کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔(لَا یَقْرَبُوْا)

۶۔قرآن حکیم میں بعض اوامر و نواہی کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے۔(نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوْا)

۷۔پاکیزگی کے اعتبار سے زمین کے قطعات مساوی نہیں ہیں(فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ)

۸۔ہمیں مخالفین سے بھی مدارات کا رویہ اختیار کرنا چاہئے اور انہیں مہلت دینی چاہئے۔(بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا)

۹۔احکام صادر کرتے وقت ان کے عواقب کا بھی جائزہ لینا چاہئے۔(نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا۔۔۔وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً)

۱۰۔اقتصادی پریشانی اور مالی دباؤ میں آ کر ہمیں دینی احکام سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے۔(وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً)

۱۱۔جب بھی معاشرے میں اجتماعی پریشانی کا احساس ہونے لگے تو اس وقت عوام میں اُمید و توکل کے جذبات کو بیدار کرنا چاہئے۔ (وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ)

۱۲۔ہمارا رزق دوسروں (مسافروں اور سیاحوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔خدا کے ہاتھ میں ہے(یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ)

۱۳۔مذہب کی وجہ سے کفار سے اقتصادی رابطہ کے انقطاع سے ہمیں ڈرنا چاہئے(یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ)

۱۴۔لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے میں خدا کے فضل و کرم کو زیادہ دخل حاصل ہے نہ کہ سرمائے اور لیاقت اور تگ و دو کو حاصل ہے۔(یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ)

۱۵۔احکام دین کا تعلق خدا کے علم و حکمت سے ہے(عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ)

آیت نمبر 29

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ○

اورتم اہلِ کتاب (یہود، نصاریٰ، مجوسی اور صابئین) سے جنگ کرو جو کہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے وہ انہیں حرام نہیں جانتے اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ذلیل ورسوا ہو کر جزیہ دینے لگ جائیں۔

نکات

سابقہ آیات میں مشرکین کے پلید ہونے کو بیان کیا گیا اور ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جبکہ اس آیت میں اہلِ کتاب سے معاملات طے کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے ان کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو وہ جنگ کریں یا پھر جزیہ ادا کریں۔

جس طرح سے مسلمان اسلامی حکومت کو خمس و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس کے عوض حکومت کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں اسی طرح سے اہلِ کتاب کو بھی کچھ رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ اور اس رقم کو اصطلاحی طور پر جزیہ کہا جاتا ہے۔ جزیہ کی رقم خود انہی پر خرچ کی جاتی ہے اور اسلامی حکومت انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے جزیہ کی رقم کا تعین مسلمانوں کا سربراہ کرتا ہے۔ البتہ اس میں اس نکتہ کو مدِ نظر رکھنا چاہئے کہ جزیہ کی رقم اچھی خاصی مقدار میں ہو جس کی ادائیگی ان کے لئے ثقیل محسوس ہو۔ (وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ)

امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ اگر جزیہ کی مقدار بہت کم رکھی جائے تو اس کی ادائیگی سے ان کے خیالات و افکار میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی اور ان میں احساس حقارت پیدا نہیں ہوگا (تفسیر نور الثقلین الکافی جلد ۳/ ۵۶۶)

یہ سچ ہے کہ اہلِ کتاب خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس آیت میں یہ کہہ کر ان کا تعارف کرایا گیا کہ وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن کا فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص کچھ حقائق و معارف کو مانے اور کچھ کا انکار کرے تو وہ اسلام اور قرآن کی نظر میں کافر ہوتا ہے۔ (اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا) ۔النساء/ ۱۵۰)

علاوہ ازیں اگر اہلِ کتاب کا کوئی فرد مبدا و معاد پر ایمان رکھتا ہو لیکن اس میں خرافات کو شامل کرتا ہو تو بھی اس کا عقیدہ کفر کے مترادف سمجھا جائے گا۔ (تفسیرِ صافی)

پیام

۱۔ اہلِ کتاب اگر اپنے انبیاء کی تعلیمات پر عمل نہ کریں تو وہ مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ (قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ...لَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ)

۲۔ دین حق فقط اسلام ہے باقی ادیان میں تحریف آچکی ہے اور ان میں خرافات داخل کئے جا چکے ہیں اسی لئے وہ ناحق ہیں۔ (وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ)

۳۔اہلِ کتاب کافروں کے سامنے صرف دو ہی راستے رکھے گئے ہیں یا جنگ کریں یا پھر اسلامی حکومت کے سامنے سرنگوں ہو کر جزیہ ادا کریں۔(قَاتِلُوا...حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ)

۴۔اہلِ کتاب کے ہر فرد کو جزیہ ادا کرنا چاہئے اور وصولی پوری قدرت کے ساتھ نقدی کی صورت میں کی جائے اور اہلِ کتاب کو چاہئے کہ وہ سرنگوں ہو کر مذکورہ رقم ادا کریں۔(عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ)

۵۔اسلامی حکومت کو اتنا طاقت ور ہونا چاہئے کہ اس کے سامنے دوسرے مذہب کے افراد سر جھکانے پر مجبور ہوں۔(قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...وَهُمْ صٰغِرُوْنَ)

۶۔اقلیتوں کو اسلامی نظام کے سامنے سرنگوں رہنا چاہئے۔(صٰغِرُوْنَ)

آیت نمبر 30

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ○

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور مسیحی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ایک باطل گفتگو ہے جسے وہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی گفتگو ان سے پہلے کفر اختیار کرنے والوں سے مشابہت رکھتی ہے جو کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں خدا انہیں غارت کرے وہ کیونکر حق سے روگردانی کر رہے ہیں۔

نکات

☆ لفظ "عُزَيْر"(عَزراء) سے معرّب ہے اسی طرح لفظ "عِيْسٰى" بھی لفظ" یسوع" کا معرب ہے اور لفظ "يَحْيٰى" لفظ "یوحنا" کا معرّب ہے۔عزیر یہودیوں کے ایک بزرگ عالمِ دین تھے جنہیں" یہودیوں کے نجات دہندہ کا لقب ملا تھا۔بختِ نصر نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا تھا۔اور بقیہ السیف کو غلام اور کنیزیں بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا اس نے یہودی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا تھا اور تورات کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔یہودی ایک طویل عرصہ تک بابل میں غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے تا آنکہ کورش اعظم نے بختِ نصر کے جانشینوں کو شکست دی اور بابل پر قبضہ کیا۔اس وقت عزیر کورش کے پاس گئے ان سے یہودیوں کو از سرِ نو آباد ہونے کا مطالبہ کیا۔

☆ یہ آیت ایک طرح سے سابقہ آیت کی تشریح کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب خدا اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

☆ محققین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تورات و انجیل کے بہت سے معارف بدھ مت، برہمن ازم اور یونانیوں کی خرافات سے مخلوط ہیں حد یہ ہے کہ انجیل کی بہت سی داستانوں کو بعینہ بدھ دھرم اور برہمن دھرم کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے البتہ عصرِ حاضر کے یہودی

حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے لیکن رسولِ اکرم کے زمانے میں ان کا عقیدہ تھا اور جب یہودیوں کے ایک گروہ نے آنحضرتؐ سے مباحثہ کیا تھا تو آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم عزیر کو اللہ کا بیٹا کیوں کہتے ہو جبکہ موسیٰ ان سے افضل تھے؟
یہودی آنحضرتؐ کے اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکے تھے (تفسیرِ نمونہ)

پیام

۱۔ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت عزیز کو ابن اللہ کہتا تھا یہودیوں کی طرف انحراف کی نسبت دی گئی (وَقَالَتِ الْيَهُودُ)
۲۔ دینی اور الٰہی شخصیات کے متعلق غلو نہیں کرنا چاہئے۔(عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ... الْمَسِيحُ...)
۳۔ یہود و نصاریٰ کے عقائد خرافات سے مخلوط ہیں۔(ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ)
۴۔ مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا شریک کہتے تھے اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے جب کہ عزیز کو اللہ کا بیٹا اور مسیحی حضرت عیسیٰ کو فرزند خدا کہتے تھے۔ لہذا ان کا کلام کفار کے کلام سے مشابہت رکھتا تھا۔(يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا)
۵۔ یہود و نصاریٰ کے مذاہب میں پائی جانے والی خرافات کو سابقہ کفار اقوام کے دین میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ (يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ؕ)

آیت نمبر 31

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

(اہلِ کتاب نے) اپنے علماء اور راہبوں اور مریم کے فرزند مسیح کو خدا کے علاوہ رب مان لیا ہے حالانکہ انہیں بس یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف واحد معبود کی عبادت کریں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اللہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

نکات

☆ لفظ ''اَحْبَار'' (حبر) کی جمع ہے جس کا معنی عالم اور دانش مند بنتا ہے اور لفظ (رُهْبَان) جمع ہے اور اس کی واحد ''رَاهِب'' ہے اور تارکِ الدنیا اور دیر نشین افراد کو راہب کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے تمام تر تقدس کے باوجود بندگانِ خدا ہیں خدا نہیں ہیں۔
☆ ''اَحْبَار و رُهْبَان'' کی غیر مشروط اطاعت ایک طرح سے ان کی پرستش کے مساوی ہے امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے (مَنْ اَطَاعَ رَجُلًا فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ فَقَدْ عَبَدَهٗ) (نور الثقلین)
جس نے معصیت خدا کی راہ میں کسی شخص کی اطاعت کی تو گویا اس نے اسی کی عبادت کی ہے۔

☆امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ اہل کتاب اپنے علماء ومشائخ کے لئے نماز روزہ سرانجام نہیں دیتے لیکن جب ان کے علماء حلال کوحرام یا حرام کوحلال کہتے ہیں تو یہ ان کی پیروی کرتے تھے (بحارالانوار جلد ۹۸۔

☆مشرکین خدا کو اپنے دوسرے معبودوں کا شریک قرار دیتے ہیں انہیں قیامت کے دن سخت حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ یہ کہیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍۙ‏ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ‏ (شعراء/ ۹۸،۹۷)

خدا کی قسم ہم سخت گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے۔

پیام

۱۔خدا کے علاوہ کسی کی غیر مشروط اطاعت ایک طرح سے غیر اللہ کی بندگی ہے۔ (وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا)

۲۔انسان پرستی جس بھی صورت میں ہو شرک ہے کسی بھی شخصیت کو بت نہیں بننا چاہئے۔(اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ)

۳۔ایک معصوم پیغمبر جس کی فکر ونظر کا ہدف صرف خدا ہوتا ہے اس کا معاملہ علماء سے جداگانہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسیح کو احبار ورھبان میں شامل نہیں کیا ان کا نام آیت میں علیحدہ لیا گیا ہے (اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ)

۴۔عشق ہو یا دوستی اور اطاعت ہو اسے صحیح صحیح سرحدوں میں ہی رہنا چاہئے اور ہر طرح کا نظام قطب، ابدال، مرشد اور پیر یا تنظیمی اور گروہی اطاعتیں اگر حکم الہی کے مطابق نہ ہوں تو پھر صحیح شرک ہیں۔(اِتَّخَذُوۡۤا ... اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ)

۵۔توحید سے شرک کی طرف انحراف کا خطرہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتا ہے۔(اِتَّخَذُوۡۤا ... اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ)

٦۔قانون سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے جو لوگ غیر اللہ کے قانون کو قبول کریں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں (اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ)

٦۔انبیاء کرام کے متعلق غلو کرنا، ان کی پوجا کرنا یا انہیں خدا کا بیٹا سمجھنا شرک ہے۔(سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ)

آیت نمبر 32

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّطۡفِـئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ

الْكٰفِرُوْنَ۝

وہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں لیکن خدا بجز اس کے اور نہیں چاہتا کہ اپنے نور کو مکمل کرے اگرچہ کفار کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

نکات

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف نگاہ کی تو میرا انتخاب کیا پھر اس نے دوبارہ نگاہ کی تو علی ابن ابی طالبؑ کا انتخاب کیا وہ میرے بعد زمین کا نور ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔(بحار الانوار جلد ۲۳/ ۳۲۰)

پیام

۱۔دشمنوں کی سازشیں دائمی اور مسلسل ہیں (يُرِيْدُوْنَ) فعل مضارع ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے

۲۔احکام اسلام اور اللہ کا دین نور ہے اور نور ہی زندگی کا سرچشمہ ہے۔(نُوْرَ اللّٰهِ)

۳۔کفار کے ہر گروہ کی کدوکاوش بظاہر جداگانہ ہوتی ہے لیکن سب کا مقصد فروغِ دین کو روکنا اور نورِ الٰہی کو خاموش کرنا ہے (اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ)

۴۔دشمنانِ دین کی تمام تر کوششوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی سورج کو بجھانے کی کوشش کر رہا ہو (اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ) (نمرود، فرعون، بنی اُمیہ و بنی عباس جیسے لوگ ایک ہی مسلک میں منسلک ہیں اور ان سب کا ہدف ایک تھا)

۵۔دشمنانِ دین کی زیادہ تر کوششوں کا دارومدار اُن کے زبانی پروپیگنڈے پر ہے۔(بِاَفْوَاهِهِمْ)

۶۔رسولِ اکرم کی زبان مبارک سے اگر دعوتِ دین نور ہے تو پھر اطاعت کی شکل میں اس کا استمرار اسی نور کی تکمیل ہے۔(یہی وجہ ہے کہ جب مقام غدیر پر حضرت علی کی ولایت کا اعلان ہوا تو اللہ نے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا) (المائدہ/ ۳) کی آیت نازل کر کے اسے دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام قرار دیا۔

۷۔اللہ تعالیٰ نے حق کے طرفداروں سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔(يُتِمَّ نُوْرَهٗ)

۸۔کفار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا مقابلہ براہِ راست خداوند کریم سے ہے اور اس نے دینِ حق کی کامیابی کا ارادہ کر رکھا ہے لہٰذا اسلام کے خلاف ان کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوگی۔(يُتِمَّ نُوْرَهٗ)

۹۔اللہ فروغِ دین کا صرف محافظ ہی نہیں بلکہ اسے وسعت بھی دیتا ہے۔(يُتِمَّ نُوْرَهٗ)

۱۰۔اسلام ابدی دین ہے (يُتِمَّ نُوْرَهٗ) اور اس کا مخالف کافر ہے۔(وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ)

۱۱۔اللہ تعالیٰ کا اردہ یہ ہے کہ وہ اپنے رسول کو راضی کریگا اگرچہ کفار کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو اللہ اپنے نبی کی رضا چاہتا ہے اگر خدا نے قبلہ تبدیل کیا تو اپنے نبی کی رضا کیلئے کیا جیسا کہ فرمایا (قِبْلَةً تَرْضٰىهَا) (البقرہ/ ۱۴۴) آپ کا چہرہ اس قبلہ کی طرف

کریں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔سورۃ الضحیٰ میں فرمایا(وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی)(الضحیٰ/۵)عنقریب تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

آیت نمبر 33

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ○

وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ روانہ کیا تا کہ (اس کے دین کو) تمام ادیان پر غالب کر دے اگر چہ مشرکین کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

نکات

☆یہ آیت مجیدہ انہی الفاظ کے ساتھ دوسری دوسورتوں میں بھی موجود ہے چنانچہ سورۃ فتح کی ۲۸ ویں اور سورۃ صف کی ۹ ویں آیت بھی یہی ہے

☆منطق واستدلال کی رُو سے اسلام ہمیشہ سے غالب تھا لیکن اس آیت میں اس کے ظاہری غلبہ اور جہان پر اسلام کی حاکمیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں لفظ (ظہر) غلبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے(اِنۡ یَّظۡهَرُوۡا عَلَیۡکُمۡ یَرۡجُمُوۡکُمۡ) (کہف/۲۰)

اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے کفار کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔(اِنۡ یَّظۡهَرُوۡا عَلَیۡکُمۡ لَا یَرۡقُبُوۡا فِیۡکُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً) اگر کفار تم پر غالب آ گئے تو تمہارے لئے کسی رشتہ داری اور معاہدے کا پاس نہیں کریں گے۔

☆قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی ابھی تک پوری طرح سے عملی شکل میں نہیں آئی ادھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی کلی حاکمیت کا وعدہ کیا ہے اور خدا کا وعدہ کبھی بھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت خدا کا یہ وعدہ پورا ہوگا۔

حضرت مہدیؑ اور ان کے قیام جہانی کا مسئلہ شیعہ سنی دونوں کی روایات میں موجود ہے اور کتب اہلِ سنت ذکرِ مہدیؑ سے لبریز ہیں اسی لئے یہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے اگر چہ وہابی یہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہ صرف شیعی عقیدہ ہے۔

☆امام باقرؑ کا فرمان ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا جس میں ہر شخص سنتِ محمدؐ کا اقرار کرے گا۔(تفسیر نور الثقلین)

☆حضرت مہدیؑ کے ظہور کے بعد پوری روئے زمین پر دین کی حکومت قائم ہوگی اس مفہوم کی بہت سی احادیث موجود ہیں نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ امام زمانہ (عج) کے زمانۂ ظہور میں کوئی گھر اور کوئی قریہ ایسا نہ ہوگا جس میں اسلام نہ پہنچ چکا ہو۔خواہ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند ان کے دور میں ہر قریہ میں صبح شام اذان کی آواز بلند ہوگی۔(تفسیر صافی)

پیام

۱۔دین کا محور حق پر ہے (دِیْنِ الْحَقِّ) اگرچہ تمام آسمانی دینِ حق ہیں لیکن ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے اسی لئے ان کی حقانیت مخدوش ہے۔

۲۔باطل پر حق کو ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ (لِیُظْہِرَہٗ)

۳۔ہمیں چاہئے کہ اپنے ارادوں اور حرکات کو الٰہی ارادوں سے ہم آہنگ کریں ورنہ ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ (لِیُظْہِرَہٗ... وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ)

آیت نمبر 34

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّہْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَہَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرْہُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

اہلِ ایمان! بہت سے دانش اور راہب (علماء ومشائخ) اپنے مقام ومنزلت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناحق طریقوں سے لوگوں کا مال کھا رہے ہیں اور اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

نکات

☆الْاَحْبَارِ وَ الرُّہْبَان کے معانی آیت نمبر ۳۱ کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

☆عربی زبان میں ''سونا'' کو ''ذَھَب'' کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قیمتی دھات انسان کے ہاتھوں سے جلدی سے چلی جاتی ہے۔ اس کی دوسری وجہ تسمیہ یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ اس کی طرف جاتے ہیں۔عربی زبان میں چاندی کو ''فِضَّہ'' کہا جاتا ہے یہ دھات جلد پراگندہ ہو جاتی ہے یا پھر اس لئے کہ لوگ اس کی طرف کم ہی توجہ دیتے ہیں۔

☆یہودی علماء اپنے مادی فوائد کی خاطر حق کو چھپاتے تھے اور اسی لئے وہ دینِ اسلام کی حقانیت کا اظہار و اعتراف نہیں کرتے تھے وہ لوگوں سے رشوت لے کر ان کے گناہ معاف کرتے تھے یا پھر عقائد کی جستجو کر کے لوگوں پر تہمتیں تراشا کرتے تھے۔

☆خلیفہ ثالث کی خواہش تھی کہ وہ اس آیت میں ''وَالَّذِیْنَ'' کی واو کو حذف کر دیں تا کہ آیت کا روئے سخن صرف یہودی علماء و مشائخ کی طرف مڑ جائے اور یہ آیت دوسرے سرمایہ داروں کے لئے وعید دکھائی نہ دے اس پر مسلمانوں نے سخت اعتراض کیا تھا اور انہیں حرف ''واو'' حذف نہ کرنے دیا تھا (تفسیر فرقان)

زکوٰۃ اور روایات

☆امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ مال کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ ظاہری زکوٰۃ کا حکم معلوم کرنا چاہتے ہو یا باطنی زکوٰۃ کا؟

عرض کیا کہ دونوں کے متعلق ارشاد فرمائیں۔

آپ نے پہلے ظاہری زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا بعد ازاں فرمایا کہ باطنی زکوٰۃ یہ ہے (فَلَا تَسْتَاثِرْ عَلٰی اَخِیْكَ بِمَا هُوَ اَحْوَجُ اِلَیْهِ مِنْكَ) (تفسیر صافی)

تیرے بھائی کو جس چیز کی تجھ سے زیادہ ضرورت ہو اسے اپنی ذات پر ترجیح دو۔

ایک اور حدیث میں آپ کی زبانی منقول ہے (اِنَّمَا اَعْطَاكُمُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْفُضُوْلَ مِنَ الْاَمْوَالِ لِتُوَجِّهُوْهَا حَیْثُ وَجَّهَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَمْ تُعَطِّلُوْهَا لِتَكْنِزُوْهَا) (تفسیر صافی)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اضافی مال عطا کیا تاکہ تم اسے رضائے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور انہیں اپنے ہاں ذخیرہ نہ کرو۔

حضرت رسولِ خدا کا فرمان ہے۔

(اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلٰی اَغْنِیَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمُ الْقَدْرَ الَّذِیْ یَسَعُ فُقَرَآئَهُمْ۔۔۔اَلَا اَنَّ اللّٰهَ یُحَاسِبُهُمْ حِسَابًا شَدِیْدًا وَّیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا) (تفسیر صافی)

اللہ تعالیٰ نے دولت مند مسلمانوں کے اموال میں زکوٰۃ کی اتنی مقدار واجب کی ہے جو کہ ان کے غرباء کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔ آگاہ رہو! اگر دولت مندوں نے اپنے فریضہ پر عمل نہ کیا تو خدا ان کا سخت محاسبہ کریگا اور انہیں سخت عذاب دے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ ''کنز'' ہے اگرچہ چھپا ہوا نہ ہو اور اگرچہ سونا چاندی کی شکل میں نہ ہو۔ (تفسیر کنز الدقائق)

حضرت ابوذر غفاری اور آیت کنز

رسولِ مقبولؐ کے عظیم القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری نے حاکمِ شام معاویہ اور خلیفہ ثالث اور ان کے کارندوں کی زر اندوزی اور مسلمانوں کے بیت المال کی لوٹ مار پر اعتراض کیا اور تبلیغِ حق کی نیت سے صبح شام اس آیت کو معاویہ اور پھر خلیفہ کے سامنے پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ آیت صرف مانعین زکوٰۃ سے ہی مخصوص نہیں ہے اس کے برعکس یہ آیت تمام زر اندازوں کو شامل ہے۔

تفسیر المیز ان میں مرقوم ہے کہ ابوذر غفاری، کعب الاحبار اور خلیفہ ثالث کے مباحثہ سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ افلاس زدہ معاشرے میں دولت کا جمع کرنا حرام ہے اگرچہ وہ دولت حلال ذرائع سے ہی کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا کی جا چکی ہو کچھ لوگ اس نظریہ کو حضرت ابوذر غفاری کے ذاتی اجتہاد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اسے ان کا ذاتی اجتہاد اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خود یہ فرماتے تھے۔

(مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ نَبِيِّهِمْ) میں نے ان سے وہی کچھ کہا ہے جو میں نے ان کے نبی کی زبان سے سنا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی صداقت کی گواہی خود رسولِ خدا نے دی تھی حضرت ابوذرؓ کی زندگی کا نمایاں پہلو حکام کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے انہوں نے اسلام کے اقتصادی ڈھانچے کو ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے حکام کے سامنے سخت احتجاج کیا تھا ان کا خلیفہ سوم سے مالی منصب کا جھگڑا نہیں تھا انہوں نے زر پرستی اور نظام سرمایہ داری کے قیام کی وجہ سے خلیفہ کے خلاف احتجاج کیا تھا۔

خلیفہ سوم نے آخر کار اس پارسا اور انقلابی صحابی کو شام جلاوطن کر دیا تھا پھر انہیں شام سے نہایت مظلومانہ حالت میں مدینہ لایا گیا بعد ازاں انہیں ''ربذہ'' جلاوطن کیا گیا جہاں مظلومی کی حالت میں ان کی وفات واقع ہوئی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ یہ بدسلوکی خلیفہ کے سیاہ اور ناپسند کاموں میں شمار کی جاتی ہے۔

خلیفہ کے کچھ بہی خواہوں نے اپنے محدود دفاع کے لئے حضرت ابوذر غفاری کے اس اقدام کو سوشلزم سے تعبیر کیا ہے اور ان پر اشتراکیت کا فکر پھیلانے کی تہمت عائد کی ہے اور کہا ہے کہ ابوذر ذاتی ملکیت کے سرے سے مخالف تھے۔

علامہ امینی نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب الغدیر میں اس کا تفصیلی جواب دیا ہے (الغدیر جلد ۸ / ۳۳۵)

حضرت ابوذرؓ کو بار بار اس لئے جلاوطن کیا گیا کہ انہیں حکومتِ وقت کی پالیسیوں پر سخت اعتراض تھا اور وہ خلیفہ کی مالی بے ضابطگیوں اور معاویہ کی زراندوزی اور کعب الاحبار (یہودی تھا) کی غلط تاویل کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ شیعہ سنی دونوں کی کتب تاریخ میں یہ واقعات موجود ہیں۔ (تفسیر نمونہ)

کچھ لوگوں نے اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان اختلافات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ سوم کے زمانہ میں عقیدہ اور نظریہ کو بیان کرنے کی کھلی اجازت تھی ایسے ہی لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ''دفعِ شر فائدہ کے حصول سے زیادہ اہم ہے اُن لوگوں کی نظر میں حضرت ابوذرؓ کا مدینہ وشام میں رہنا ایک بُرائی تھی اور ان کی جلاوطنی مصلحت آمیز تھی۔ (تفسیر المنار ج ۱۰ ج ۴۰۶/۴۰۷)

لیکن رسولِ خدا کے سچے اور وفادار صحابی کے ساتھ اس بدترین سلوک کو کسی توجیہ و تاویل کے پردوں سے نہیں چھپایا جا سکتا حضرت ابوذرؓ نے گمراہی کو روکنے کیلئے صدائے احتجاج بلند کی تھی اور انہوں نے ایک دینی اور شرعی فریضہ کو سرانجام دیا تھا۔

پیام

۱۔ جملہ علمائے اہلِ کتاب بُرے نہیں ہیں سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ میں کچھ اہلِ کتاب علماء کی تعریف بھی کی گئی ہے (إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ

۲۔ اپنے مقام و منصب سے ناجائز فائدہ اُٹھانا حرام ہے اور مالی بدعنوانی دینی علماء کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے (لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ) (جو لوگ اوقاف کے متولی ہوں اور اوقاف کی کمائی اہدافِ وقف میں خرچ نہ کرتے ہوں تو وہ بھی اس آیت کے مصداق ہیں)

۳۔اگر علماء لوگوں کے مال سے استفادہ کریں اور عوام کو اس کا فائدہ نہ پہنچائیں تو اس سے لوگوں کے دلوں میں دین سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے جو کہ (وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) کا مصداق بن جاتی ہے۔(لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ ۔۔۔وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ)

۴۔یہودی اور نصرانی علماء لوگوں کو حق سے اس لئے دور رکھتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اگر لوگوں نے حق پہچان لیا تو ان کے دنیاوی مفادات پر ضرب پڑے گی۔(یَكْنِزُوْنَ ۔۔۔یَصُدُّوْنَ)

۵۔اسلام میں سرمائے کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی البتہ سرمایہ حاصل کرنے کے کچھ شرائط ہیں اور زر اندوزی اور غلط مصارف ہیں دولت کا خرچ کرنا احرام ہے۔(وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ ۔۔۔وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) جب زر اندوزی حرام ہے تو پھر ذخیرہ اندوزی بدرجہ اَولیٰ حرام ہے۔

۶۔زر اندوزی ایک اجتماعی مصیبت ہے اور حرص دنیا اس سے زیادہ بُری صفت ہے اور ذخیرہ اندوزی اور اجناس کو چھپا دینا اس سے زیادہ برائی ہے اس سے معاشرے کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔(وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ ۔۔۔وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ)

۷۔علماء کی دنیا پرستی اور دولت مندوں کی زر اندوزی قہرِ الٰہی کا سبب ہے۔(فَبَشِّرْهُمْ)

۸۔سونا چاندی اور رقم کی جمع آوری اور اسے خرچ نہ کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے اس پر خدا نے اپنے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔
(وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ ۔۔۔ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ)

آیت نمبر 35

یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝

جس دن اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (عذاب کے فرشتے کہیں گے) یہ وہ دولت ہے جسے تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا (اور محرومین کو نہیں دیتے تھے) جسے تم ذخیرہ کرتے تھے اب اس کا ذائقہ چکھو۔

نکات

☆اس آیت میں لفظ ''تُكْوٰی'' استعمال ہوا ہے اور اس کا مادہ ''کیّ'' ہے جس کا معنی گرم چیز سے داغ لگانا ہے۔

☆ آیت میں تین اعضاء کے داغ دیئے جانے کا ذکر ہے

ا پیشانی ۲ پہلو ۳ پُشت

اور ان تین اعضاء کے انتخاب کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ وہ مقامات ہیں جن سے گرمی بڑی تیزی سے اندر داخل ہوسکتی ہے (تفسیر نمونہ) یا اس کی ایک امکانی وجہ یہ بھی ہے کہ دولت مند افراد غریب افراد سے چہرہ بگاڑ کر پیش آتے تھے اور ان سے پہلو تہی کرتے تھے اور ان کی طرف بے توجہی کے ساتھ پشت کر کے چلے جاتے تھے یہ بھی ممکن ہے کہ پیشانیوں سے بدن کا اگلا حصہ اور کمر سے وجود کا پچھلا حصہ اور پہلو سے بدن کے اطراف مراد ہوں مقصد یہ ہے کہ جسم کے تین اعضاء پورے جسم سے کنایہ ہیں اور اس سے پورے بدن کو داغ دینا مراد ہے۔

☆امام جعفر صادقؑ نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا کہ ترکِ زکوٰۃ گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔(تفسیر کنز الاقائق)

☆ حضرت ابوذر راوی ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ نے کعبہ شریف کے پہلو میں کھڑے ہو کر دو مرتبہ یہ جملے فرمائے"هم الاخسرون و رب الكعبة"ربِ کعبہ کی قسم وہ بہت زیادہ خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔

میں نے پوچھا تھا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کی مراد کن لوگوں سے ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا۔زر جمع کرنے والے (تفسیر مجمع البیان)

پیام

ا۔جو خدا انسانوں کو ان کی اصل صورت میں زندہ کرسکتا ہے وہ سونے اور چاندی کو بھی اس کی دنیاوی صورت میں قیامت کے دن لا سکتا ہے۔(هٰذَا)

۲۔روزِ قیامت کی جزاء اور سزا انسان کے دنیاوی اعمال سے مشابہت رکھتی ہے۔(هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ)

۳۔روزِ قیامت سزا دینے کے آلات میں اموال دنیا بھی شامل ہیں.(هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ)

۴۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مال و دولت کی شیرینی کو زراندوزی کا ذائقہ قرار دے گا۔(فَذُوْقُوْا)

آیت نمبر 36

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○

یقیناً اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔خدا کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں (ان میں جنگ حرام ہے) یہ پختہ دین ہے ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ یقینا کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

نکات

ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔عربی زبان میں مہینہ کو"شَھر" کہا جاتا ہےاور عجیب اتفاق ہے کہ لفظ"شَھر" قرآن کریم میں بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔(کتاب اعجاز عددی قرآن)

بارہ کا عدد نہایت مبارک ہے اور یہ عدد قرآن کریم میں متعدد بار موجود ہے بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد بارہ تھی۔حضرت موسیٰ کی قوم کے لئے بھی بارہ چشمے برآمد ہوئے تھے اور آئمہ اہلِ بیت کی تعداد بھی بارہ ہے۔

جن چار مہینوں میں جنگ حرام ہے وہ یہ ہیں۔

۱ ذیقعدہ ۲ ذی الحج ۳ محرم ۴ رجب

پہلے تین مہینے ایک دوسرے سے متصل ہیں جب کہ ماہ رجب کچھ فاصلہ کے ساتھ ہے۔(کافی جلد ۴/ ۲۴۰)

زمین کے محور کے گرد نظام قمری اور سال بھر میں نظامِ شمسی کی اللہ کے ارادہ کے مطابق گردش کا سلسلہ ابتدائے کائنات سے ان کروں پر حکم فرما رہا ہے۔حرمت والے مہینوں کا احترام اس وقت تک کیا جائے جب تک دشمن ان سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے اور ان ایام میں جارحیت اور زیادتی کا ارتکاب نہ کرے اور اگر دشمن حملہ کر کے ان مہینوں میں جارحیت کا ارتکاب کرے تو پھر جواب ضروری ہو جاتا ہے۔جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۴ میں بیان کیا گیا ہے۔(وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ)

ہر محترم چیز قابل قصاص ہے جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس سے اسی طرح زیادتی کرو جس طرح سے اس نے تم پر کی ہے۔اس قانون کے نا قابلِ تغیر ہونے کی تعبیر امکانی طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان مہینوں کا احترام تمام آسمانی ادیان میں برقرار چلا آ رہا ہے۔(ماخوذ از روایات)امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ رسولِ خدا کے بارہ آئمہ اس آیت کی تاویل ہیں(تفسیر الدقائق)۔

پیام

۱۔بہترین کیلنڈر اور جنتری وہ ہوتی ہے جو مستقل،طبعی اور عمومی حیثیت کی حامل ہو اور قمری مہینے ان تمام خوبیوں سے مالا مال ہیں۔(عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ)

۲۔حرمت والے مہینوں سے انحراف کا نقصان خود انسان کو ہی پہنچتا ہے۔(فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ)

۳۔بارہ مہینے تدریجی طور پر وجود میں نہیں آئے آسمان و زمین کی ابتدائے تخلیق سے ہی یہ نظام چلا آ رہا ہے۔(اِثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللہِ یَوْمَ خَلَقَ)

۴۔مجاہدین اور ان کے اہلِ خانہ کو عبادت،تعلیم،آرام اور گھریلو معاملات کے سلجھانے کی ضرورت پڑتی ہے اسی لئے سال کے ایک تہائی حصہ میں جبراً جنگ روک دی جاتی ہے۔تاکہ انہیں اپنے گھر بار سنبھالنے کا موقع مل سکے (مِنْھَآ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ) جنگ میں بھی کچھ اصولوں کا خیال رکھنا چاہئے جنگ میں ناآگاہ افراد جو دشمن کے دھوکے میں آکر مقابلہ پر آئے ہوں،عورتوں،بوڑھوں اور بچوں

پر دستِ درازی نہیں کرنی چاہئے اور کسی معقول وجہ اور پہلے سے جاری کردہ اعلان کے بغیر حملہ نہیں کرنا چاہئے۔

۵۔تمام زمانے مساوی نہیں ہیں کچھ زمانوں کا تقدس اوران کی حرمت زیادہ واضح ہے۔(مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ)

۶۔اسلام کے پاس مکہ کی شکل میں مقام امن موجود ہے اسی طرح سے اسلام کے پاس حرمت والے مہینے کی شکل میں امن کا زمانہ موجود ہے اوراس سلسلہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ذیقعدہ، ذی الحج اور محرم یہ تین مہینے حرمت والے ہیں۔اور رجب انکے علاوہ ہے ان تین مہینوں کا مرکز ومحور حج کا مہینہ ذی الحج ہے۔

۷۔اسلام کی اساس جنگ کی بجائے تفکر، برہان، حکمت، وعظ اور مصالحت آمیز زندگی پر قائم ہے۔یہاں تک کہ حرمت والے مہینوں میں بھی دفاع کیا جاسکتا ہے۔(قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ)

۸۔دشمن کو یہ موقع نہ دیں کہ وہ تمہارے دین مقدسات اور تمہارے فقہی احکام سے ناجائز فائدہ حاصل کرے (قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً) اگر دشمن حرمت والے مہینے میں تم پر حملہ کرے تو تم ''تک تک دیدم دم نکشیدم'' کا مصداق بن کر خاموش نہ بیٹھے رہو۔ بھر پور طریقہ سے مقابلہ کرو۔

۹۔دشمن پر تمہارا حملہ دشمن کے حملے جیسا ہونا چاہئے۔(كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ)

۱۰۔کامیابی تقویٰ کے زیرِ سایہ نصیب ہوتی ہے۔(اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ)

آیت نمبر 37

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ تاخیر (حرمت والے مہینوں کو دوسرے مہینوں میں تبدیل کرنا) کفر کی افزائش کا سبب ہے اس ذریعہ سے کافر گمراہ ہوتے ہیں۔(وہ) ایک سال (اپنے مفادات ومصالح کے لئے) جنگ کو حلال سمجھتے ہیں اور ایک سال میں حرام سمجھتے ہیں تاکہ وہ اس ذریعہ سے وہ حرمت والے مہینوں کی تعداد کو پورا کرلیں۔اس طرح سے وہ خدا کے حرام کردہ مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کی نظر میں خوشنما بنادی گئی ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات

اَلنَّسِیْٓءُ اور ''نِسْيَة'' کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے اور ''نِسْيَة'' ادھار کو کہا جاتا ہے یعنی جنس آج لی جائے اور رقم بعد میں ادا کی جائے یہاں اس سے مراد ہے جس مہینہ میں جنگ حرام ہے اس مہینہ میں جنگ کو جائز کردیا جائے اوراس کی قضاء کے طور پر کسی

دوسرے مہینہ میں جنگ کو حرام کر دیا جائے۔

کفار کبھی کبھی بزعمِ خویش روشن فکری کا اس طرح سے ثبوت دیتے تھے کہ قانون الٰہی میں تغیر و تبدل کرتے تھے اور اس کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جنگ کے دوران اگر حرمت والا مہینہ یا مہینے آجاتے تو جنگ جاری رکھتے تھے اور اس مہینے کی بجائے کسی اور مہینہ کو ماہِ حرام قرار دیتے تھے (تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔اسلامی مقدسات کا احترام کرنا چاہئے اور قانون الٰہی میں خود ساختہ تبدیلی کفر ہے۔با(اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ) بات صرف چار مہینوں میں جنگ بند کرنے کی نہیں ہے جنگ بندی کے لئے وہ چار مہینے اہم ہیں جن کو خدا نے محترم بنایا ہے۔

۲۔کفر کے بھی درجے اور مراحل ہیں (زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ)

۳۔کفار کی گمراہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ اپنی مرضی سے مہینوں میں رد و بدل کرتے تھے (یُضَلُّ بِہٖ)

۴۔خدا کے احکام وقوانین میں من مانی تاویل وتفسیر عوام کے انحراف کا ایک سبب ہے (یُحِلُّوۡنَہٗ عَامًا)

۵۔دورِ جاہلیت کے اعراب اگرچہ مہینوں میں رد و بدل کرتے تھے لیکن ان کے زمانہ کی مقدار کے قائل تھے. (لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ)

۶۔وہ گناہ گار جو اپنے غلط کام کو غلط سمجھتا ہو اس کے ہدایت پانے کا امکان موجود ہے اور اس کے برعکس جو اپنے بُرے عمل کو بھی خوش نما سمجھے وہ لائق ہدایت نہیں ہوتا۔(زُیِّنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی)

آیت نمبر 38

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ ؕ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ ○

اے اہلِ ایمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے یہ کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو بوجھل ہو کر زمین پر گر پڑتے ہو کیا آخرت کے عوض تم نے دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی ہے۔جب کہ دنیاوی زندگی کا ساز وسامان آخرت کے مقابلہ میں انتہائی قلیل ہے۔

نکات

یہ آیات جنگ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں بہت سے افراد نے اس میں شرکت سے سستی کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے لئے مختلف حیلے بہانوں سے کام لیا تھا اور لوگ یہ عذر کرنے لگے کہ فاصلہ بہت دور ہے کیونکہ مدینہ سے تبوک ۶۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع

ہے۔ گرمی عروج پر تھی کھجوروں کی فصل پک کر تیار ہونے کو تھی منافقین نے لوگوں کو بزدل بنانے کے لئے رومی سپاہ کی عظمت و قدرت کی خودساختہ داستانیں بیان کی تھیں۔

پیام

۱۔ کبھی اہلِ ایمان بھی خدائی مواخذہ اور تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ)

۲۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت جنگ کرنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ ہوں سالار لشکر کون ہے اس کا جاننا زیادہ اہم نہیں ہے کیونکہ (اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا) کے جملہ میں کسی فاعل کو مشخص نہیں کیا گیا اور لفظ ''قِیۡلَ''، فعل مجہول ہے۔

۳۔ دنیا اور مادیات سے دل لگی انسان کو زمین و خاک سے جدا ہونے میں مانع ثابت ہوتی ہے اور انسان کو منزل کمال اور افلاک تک پہنچنے سے روک دیتی ہے (اِثَّاقَلۡتُمۡ) (دنیا طلب کوتاہ ہمت ہوتا ہے)۔

۴۔ انسان کا مقام اتنا بلند و بالا ہے کہ اس کے سامنے دنیا ناچیز ہے۔ (اَرَضِیۡتُمۡ)

۵۔ میدان جہاد کا رخ وہی کرتا ہے جو آخرت کو دنیا سے بہتر سمجھتا ہے اور اس کے برعکس جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہو تو وہ جہاد میں شامل نہیں ہوتا (اِلَّا قَلِیۡلٌ)

آیت نمبر 39

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۬ۙ وَّ یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡـًٔا ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝

(اگر تم میدانِ جنگ کی طرف) نہ چلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم (ترکِ جہاد سے) خدا کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

نکات

اس آیت اور سابقہ آیت سے آٹھ طریقوں سے مسئلہ جہاد کی تاکید کی گئی ہے مثلاً فرمایا کہ تم تو مومن ہو پھر یہ سستی کیوں؟ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ) سوال کے ساتھ توبیخ بھی موجود ہے (مَا لَکُمۡ) جب کہ جہاد تو اللہ کی راہ میں ہے۔ فی سبیل اللہ اور تمہیں چلنے کا حکم بھی مل چکا ہے (اِنۡفِرُوۡا) عذاب کی وعید بھی ہے (یُعَذِّبۡکُمۡ) بحیثیت قوم مٹ جانے اور دوسری قوم کے عروج پر آنے کی دھمکی بھی ہے۔ (یَسۡتَبۡدِلۡ) اور ترکِ جہاد کی وجہ سے خدا کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا (تَضُرُّوۡہُ) آخر میں قدرت الٰہی کی تہدید بھی موجود ہے (وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ)

بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ'' کی جو پیش گوئی کی ہے اس سے ایران و یمن کے لوگ مراد ہیں جو دین خدا کی مدد کے لئے قیام کریں گے (تفسیر نمونہ و کنز الدقائق)۔

پیام

۱۔میدانِ جنگ کو چھوڑنا دنیا کی ذلت اور عذاب کا سبب ہے اور آخرت میں دوزخ کا موجب ہے (عَذَابًا اَلِيمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ)

۲۔ہماری جگہ اللہ اور قوم کو لانے پر قدرت رکھتا ہے وہ جس لمحہ یہ ارادہ کریگا ایسا ہی ہوگا۔(يَسْتَبْدِلْ)

۳۔حرکت کو چھوڑنے اور سستی اختیار کرنے کا نقصان ہمیں ہی پہنچتا ہے نہ کہ خدا کو۔(لَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا) (ہماری سستی اور کاہلی کی وجہ سے دوسرے لوگ ہماری جگہ لے لیں گے)۔

۴۔ازل سے سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ جب کوئی قوم عمل سے فارغ ہو جاتی ہے تو اللہ اس قوم کی جگہ دوسری قوم کو لے آتا ہے (يَسْتَبْدِلْ) فعل مضارع ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔خدا کی لامتناہی قدرت دوسروں کو ہماری جگہ لانے کا سبب بنتی ہے۔(يَسْتَبْدِلْ ... عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)

۶۔جس ذات کے پاس لامتناہی قوت ہو اسے کوئی بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔(وَلَا تَضُرُّوهُ ... عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)

آیت نمبر 40

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

اگر تم نے پیغمبر کی مدد نہ کی تو خدا نے اس کی اس وقت مدد کی جب کافروں نے اسے مکہ سے نکالا تھا۔جب کہ وہ اس وقت دو میں سے دوسرا تھا (اس وقت مدد کی) جب وہ دونوں غارِ ثور میں تھے۔(اس وقت بھی مدد کی) جب پیغمبر اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے پھر خدا نے اپنی تسکین کو اس پر نازل کیا اور اس کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔(پیغمبر کے قتل کرنے کے بارے میں) کافروں کی بات (منصوبہ) کو پست کر دیا اور (رسولؐ کی مدد کیلئے) خدا کا کلمہ (اور ارادہ) بلند تر (اور کامیاب) ہے اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

نکات

اس آیت میں مشرکین کی اس خطرناک سازش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انہوں نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے تیار کی تھی۔اور شبِ ہجرت ہر قبیلہ میں سے ایک جوان کا انتخاب کیا گیا اور یہ طے پایا کہ اس رات آپ کو آپ کے بستر پر قتل کر دیا جائے۔

اس رات آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سُلا دیا اور رات کے وقت حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے۔

کفار آنحضرتؐ کے پاؤں کے نشانات کی مدد سے غار کے دروازے پر پہنچ گئے لیکن جب انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ رسول اکرمؐ نے تین شبانہ روز غار میں قیام کیا اس دوران حضرت ابوبکرؓ کا غلام (عامر بن فہرہ) غذا لاتا رہا۔ حضرت علیؑ نے ان کے لئے لوازمِ سفر آمادہ کئے پھر تین دنوں کے بعد آنحضرتؐ تین افراد کے قافلہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (تفسیر المیزان و در منثور)

کچھ سوال و جواب

سوال۔ کیا حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت آنحضرتؐ کی جان کے دفاع کے لئے تھی؟

جواب۔ بھلا ایک بوڑھا شخص مشرکین کی پوری جماعت کے مقابلہ میں کیا دفاع کر سکتا تھا؟

سوال۔ حضرت ابوبکرؓ کیلئے لفظ ''صَاحِب'' استعمال ہوا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آنحضرتؐ کی جانشینی کی صلاحیت رکھتے تھے؟

جواب۔ لفظ صاحب کا معنی باصلاحیت فرد نہیں ہے بعض اوقات ایسے دو افراد بھی ایک دوسرے کے مصاحب بن جاتے ہیں جن کا فکر اور نظریہ ایک نہیں ہوتا مثلاً ارشادِ خداوندی ہے (**قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ**) (کہف/ ۳۷) (اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا) حالانکہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق تھا۔ ایک مسلم تھا اور دوسرا مشرک تھا۔

سوال۔ تمام اصحاب میں سے صرف حضرت ابوبکر کو ہی رسولِ اکرمؐ کی دورانِ ہجرت رفاقت کا شرف حاصل ہوا تو کیا یہ ان کی بہت بڑی فضیلت نہیں ہے؟

جواب۔ اس رات حضرت علیؑ رسولِ خدا کے بستر پر سوئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اپنے فریضہ کی ادائیگی کیلئے آنحضرتؐ کے ساتھ تھے اس رات دونوں افراد نے اپنے اپنے فریضہ کو سرانجام دیا تھا۔

سوال۔ حضرت ابوبکرؓ کا خوف اپنی ذات کیلئے تھا یا رسولِ خدا کی ذات کے لئے تھا؟

جواب۔ اگر بالغرض ان کا خوف رسولِ خداؐ کے لئے تھا تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خطرہ کے وقت اپنے رہنما کی جان کا زیادہ احساس کرے۔

سوال۔ اصحابِ کساء (پنجتن پاک) کی بڑی فضیلت ہے جب کہ وہ چادر میں آنے والے پانچ افراد تھے اور ادھر اصحابِ غار صرف دو تھے کیا یہ خصوصی فضیلت شمار نہ کی جائے گی؟

جواب۔ اصحابِ کساء کے لئے آنحضرتؐ نے دعا کی تھی (اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں ادھر غار میں آپ نے یہ جملہ نہیں کہا تھا) اصحاب کساء کی شان اتنی بلند ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نماز کی تشہد میں ان پر درود پڑھے علاوہ

ازیں ہر مسلمان کو چاہئے کہ دن رات آنحضرتؐ پر درود پڑھے اور جب بھی کوئی مسلمان آنحضرتؐ پر درود پڑھے گا تو آپ کے ساتھ آپ کی آلؑ پر بھی درود بھیجے گا۔ لہذا اصحاب کساء اور اصحاب غار میں بڑا فرق ہے۔ (اصحاب کساء درود میں شامل ہیں جبکہ اصحاب غار اس میں شامل نہیں ہیں۔

سوال۔ رسولِ اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ لفظ کہے تھے "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جب کہ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے کہ اللہ متقین و محسنین کے ساتھ ہے۔ کیا اس آیت سے یار غار کا متقی اور محسن ہونا ثابت نہیں ہوتا؟

جواب۔ انسان جب تک احسان وتقویٰ کے دائرے میں رہے تو اسے خدا کی معیّت شامل رہتی ہے اور جب انسان اس دائرے سے ہٹ جاتا ہے تو خدا کی معیّت سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ غدیر کے بعد یار غار کا ردِعمل کیا ہوا تھا؟

سوال۔ آیتِ غار میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے "سَكِينَه" یعنی تسکین نازل فرمائی تھی۔ تو کیا ان پر سکینہ کا نزول ان کا خاص امتیاز نہیں ہے؟

جواب۔ اس آیت میں پانچ ضمائر ہیں سب کا مرجع حضرت رسولِ خداؐ کی ذات ہے ان میں سے حضرت ابوبکر بھی کسی ضمیر کا مرجع نہیں ہیں۔

پیام

۱۔ اسلام ہماری حمایت کا محتاج نہیں ہے اسلام کا مددگار خداوند عالم ہے لہذا ہمیں نصرتِ اسلام پر مغرور نہیں ہونا چاہئے۔ (اِلَّا تَنْصُرُوْهُ)

۲۔ اللہ نے (اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ) کے الفاظ کے ذریعے سے تبوک کی فتح کی ضمانت دی ہے۔

۳۔ مسلمانوں کی کامیابیاں قدرت الٰہی کا نمونہ ہیں۔ (عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ... اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ)

۴۔ پیغمبر نے ازخود ہجرت نہیں کی تھی کفار کے سخت دباؤ کی وجہ سے وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ (اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا)۔

۵۔ خدا چاہے تو اشرف الخلوق (رسول خدا) کی حفاظت "اَوْهَنَ الْبُيُوْت" (مکڑی کے جالے) سے بھی کرا سکتا ہے۔ (اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ)

۶۔ اطمینان و سکون ایک ایسا خدائی تحفہ ہے جو مادی ساز و سامان سے میسر نہیں آتا۔ (فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ)

۷۔ اللہ کے حکم سے ملائکہ مومنین کی مدد کرتے ہیں۔ (وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا)

۸۔ ہجرت اسلام کی عزت اور کفر کی ناکامی کی دلیل ہے۔ (اَخْرَجَهُ ... وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا)

۹۔ اللہ کا ارادہ ہر کسی کے ارادوں پر غالب ہے۔ (وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا)

۱۰۔ استکباری قوتیں اپنے تمام تر جدید آلات کے باوجود خدا کی طرف سے تسکین پانے والے مومنین کو شکست نہیں دے سکتیں (اس آیت میں سورۃ انفال کی آیت ۳۰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) جب کافر آپ کے متعلق چال چل رہے تھے۔ (وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى)

۱۱۔کلمہ الٰہی کی عزت و سر بلندی اور کفار کے منصوبوں کی ناکامی سے خدا کی عزت و حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔(فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ...وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)

آیت نمبر 41

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(جنگ و جہاد کی طرف) کوچ کرو ہلکے ہو کر اور بوجھل ہو کر (خواہ تمہارے لئے سفر آسان ہو یا مشکل) اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرو اگر علم رکھتے ہو تو یہی تمھارے لئے بہتر ہے۔

نکات

"خِفَافًا اور ثِقَال" سے حسبِ ذیل متقابل معانی مراد ہیں کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے۔

۱۔اللہ کی راہ میں نکلو خواہ کنوارے ہو یا شادی شدہ

۲۔اللہ کی راہ میں نکلو خواہ غریب ہو یا دولت مند

۳۔اللہ کی راہ میں نکلو خواہ پیدل ہو یا سوار

۴۔اللہ کی راہ میں نکلو خواہ عیال کم ہیں یا زیادہ

۵۔اللہ کی راہ میں نکلو خواہ بے فکر ہو یا متفکر

۶۔اللہ کی راہ میں نکلو خواہ تاجر ہو یا کاشت کار

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "خِفَافًا وَّثِقَالًا" سے جوان اور بوڑھے مراد ہیں (بحار الانوار جلد ۹۷/ ۴۸)

☆تفسیر "فی ظلال القرآن" میں مرقوم ہے کہ ابوایوب انصاری، مقداد، ابوطلحہ جیسے بزرگ صحابہؓ جب پیرانہ سالی میں جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو لوگوں نے کہا کہ آپ مت جائیں آپ بوڑھے ہیں تو جواب میں انہوں نے یہ آیت پڑھی تھی۔

پیام

۱۔جب عمومی لام بندی کا حکم صادر ہو جائے تو پھر بہانے مت تراشو(اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا) (کیونکہ مشکلات زندگی جہاد سے تخلف کا بہانہ نہیں ہیں۔

۲۔کبھی دشمن کے مقابلہ کے لئے تمام افراد کی لام بندی ضروری ہو جاتی ہے اگر چہ جنگی سامان کم ہی کیوں نہ ہو۔ (اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا)

۳۔دین مکتب جان و مال سے زیادہ قیمتی ہے دین پر مال و جان کو قربان کیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے (بِاَمۡوَالِکُمۡ اَوۡ اَنۡفُسِکُمۡ) نہیں فرمایا بلکہ (بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ) فرمایا ہے۔

۴۔مفلس افراد پر صرف جانی جہاد فرض ہے جب کہ دولت مند افراد پر مالی اور جانی جہاد فرض ہے (بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ)

۵۔اخلاصِ عمل ہی عمل کی جان ہوتا ہے۔ (فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ)

۶۔جہاد سمیت جتنے بھی اسلامی احکام ہیں ان سب میں انسانوں کی صلاح وفلاح مضمر ہے (ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ)

۷۔حقیقی اقدار کا حصول علم و معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 42

لَوۡ کَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡکَ وَ لٰکِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَیۡہِمُ الشُّقَّۃُ ؕ وَ سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَکُمۡ ۚ یُہۡلِکُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ۚ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ○

اگر غنیمت نزدیک اور (جہاد کے لئے) سفر تھوڑا ہوتا تو منافقین ضرور آپ کے پیچھے چلتے لیکن ان کا راستہ دور اور دشوار ہے (وہ اس بہانے کی وجہ سے نہیں آئیں گے) اور وہ خدا کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو تمہارے ساتھ (جنگ کے لئے) ضرور باہر آتے۔ (اس طرز عمل سے) وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں خدا جانتا ہے کہ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

نکات

☆اس آیت کا تعلق غیب کی پیشین گوئیوں سے ہے اس میں واقعہ کے پیش آنے سے قبل اس کی خبر دی گئی ہے۔ اس کا تعلق جنگِ تبوک سے ہے تبوک کا علاقہ بہت زیادہ فاصلے پر واقع تھا اور وہ حجاز کی سرحد پر واقع ہے۔

☆امام محمد باقرؑ کا فرمان ہے کہ،،عرضاً، قاصدً سے نزدیکی غنیمت مراد ہے۔

پیام

۱۔دنیا کا مال و دولت سب کا سب فانی ہے (عَرَضًا)

۲۔جنگ انسان کی آزمائش کا بہترین معیار ہے (لَوۡ کَانَ عَرَضًا ... لَّاتَّبَعُوۡکَ)۔

۳۔منافقین کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرنا بڑا ضروری ہے۔ (لَوۡ کَانَ عَرَضًا ... لَّاتَّبَعُوۡکَ)

۴۔منافق مادی فوائد کے حصول کے لئے کچھ جنگوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ (لَوۡ کَانَ عَرَضًا ... لَّاتَّبَعُوۡکَ)

۵۔ہمیشہ فائدہ منداور آرام دہ کاموں کا انتخاب رشد وایثار کی علامت نہیں ہوتا۔ (لَّاتَّبَعُوۡکَ)

۶۔مسلمانی اور تن پروری اور فاہ طلبی کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہے۔(بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ)
۷۔جھوٹ اور منافقت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے منافقین ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔(سَيَحۡلِفُوۡن)
۸ جھوٹی قسم کھانا منافقانہ عمل ہے۔(سَيَحۡلِفُوۡن)
۹ ترکِ جہاد کے آثار کی تلافی جھوٹ اور غلط توجیہ سے ناممکن ہے اس کے برعکس یہ قطعی ہلاکت اور شقاوت ہے(يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ)
۱۰۔جنگ سے فرار کے برے نتائج فرار کرنے والوں کو بھگتنے ہوں گے۔(يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُم)

آیت نمبر 43

عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ○

خدا آپ کا بھلا کرے آپ نے سچ بولنے والوں اور جھوٹوں کو جانے بغیر انہیں پہلے (گھر رہنے کی) اجازت کیوں عطا کی ہے؟

نکات

☆ کچھ منافق کسی عذر کے بغیر آنحضرتؐ کے پاس آئے اور جنگِ تبوک میں شرکت سے معذرت کی۔آنحضرتؐ نے انہیں گھر میں رہنے کی اجازت دے دی۔اس آیت میں ضمنی طور پر اس اجازت دینے پر عتاب کیا گیا ہے کہ آپ حقیقی مجبور افراد کو اجازت دیتے بہانے سازوں کو اجازت دینے کی کیا ضرورت تھی؟

☆بعد والی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے منافقین سے جنگ میں شرکت کی توفیق ہی سلب کر لی (كَرِهَ اللّٰهُ انۡۢبِعَاثَهُمۡ...) لہذا پیغمبر کی طرف سے جنہیں گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت ملی تھی یہ وہی لوگ تھے جن کا میدان میں جانا خدا کو نا پسند تھا اور عتاب اس بات پر کیا گیا ہے کہ اتنی جلدی انہیں اجازت کیوں دے دی گئی۔

☆اسی سورت کی ۴۷ویں آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ میں منافقین کی شرکت اسلام کے مفادات کے لئے نقصان دہ ہے لہذا آنحضرتؐ کی طرف سے انہیں رخصت کا دیا جانا نہ تو پیغمبرؐ کا گناہ ہے اور نہ ہی آپ کی انتظامات سنبھالنے کی صلاحیت کی کمی کی علامت ہے۔

پیام

۱۔مدیریت اور انتظام سنبھالنے کے اطوار کو خدا سے سیکھنا چاہئے کی اس نے اس آیت میں اپنی عفو و رحمت کا تذکرہ بھی کیا اور اس میں اپنے عتاب کا اظہار بھی کیا۔(عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُم)

۲۔ جب جنگ سر پر ہو تو کسی کو رخصت نہیں دینی چاہئے۔(لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ)
۳۔ بہانہ سازی کے راستے منافقین پر بند کر دینے چاہئیں۔(لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ)
۴۔ جنگ میں شرکت نہ کرنے کیلئے رہبر کی اجازت کی ضرورت ہے۔(لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ)
۵۔ افراد کی صحیح پہچان کے لئے جنگ ایک مناسب وسیلہ ہے۔(حَتّٰى يَتَبَيَّنَ)
۶۔ ہر مقام پر عیب پوشی مناسب نہیں ہے کبھی افشا گری کی بھی ضرورت ہے(حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ... وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ)
۷۔ منافقین کی پہچان کے لئے ان کی جنگی کارکردگی کا جائزہ لینا چاہئے(وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ)
۸۔ اسلامی معاشرہ صداقت پر اس قدر استوار ہونا چاہئے کہ اس میں منافق رُسوا ہو جائیں(حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ... وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ)
۹۔ منافقین کا جنگ میں شریک ہونا قابلِ افتخار نہیں ہے جب کہ ان کا میدان سے فرار ان کی رسوائی کا موجب ہے(وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ)

آیت نمبر 44

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○

وہ لوگ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال و جان سے جہاد کرنے کے لئے آپ سے رخصت طلب نہیں کرتے اللہ پرہیزگاروں کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔

نکات

حقیقی مومن جہاد و شہادت کا مشتاق ہوتا ہے اسے موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا اور وہ جہاد سے رخصت حاصل کرنے کی درخواست نہیں کرتا۔ چنانچہ رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے سچے مجاہد بھی موجود تھے جو آنحضرتؐ سے گڑگڑا کر درخواست کرتے تھے کہ انہیں میدانِ جنگ میں ساتھ لے جائیں اور جب رسولِ اکرمؐ نے یہ کہہ کر انہیں ساتھ لے جانے سے معذرت کی کہ میرے پاس تمہارے لئے سواریاں ہیں اور نہ ہی سامانِ جنگ ہے تو وہ لوگ رونے لگ گئے۔(توبہ/ ۹۲)

رسولِ خداؐ نے جنگِ تبوک کے لئے روانگی کے وقت حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا لیکن حضرت علیؑ کو مدینہ میں رہنا پسند نہیں تھا اس کی بجائے آپ جہاد کے خواہش مند تھے۔

رسولِ خداؐ نے جب ان کے یہ جذبات دیکھے تو آپؐ نے ان سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو کہ ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی۔

پیام

۱۔مومن کام سے فرار نہیں کرتا (لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ)

۲۔جنگِ تبوک سے تخلف کرنے والے ایمان سے خالی افراد تھے۔(لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ)

۳۔مبدا اور معاد پر ایمان،تقویٰ،شہادت طلبی اور جنگ میں شرکت کا محرک ہے(یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ)

۴۔حقیقی مومن جان ومال سے جہاد کرنے سے ہرگز نہیں ہچکچاتے۔(بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ)

۵۔تقویٰ،جانی ومالی جہاد کے تخلف سے روکتا ہے۔(اَنْ یُّجَاهِدُوْا ...وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ)

۶۔خدا کے علم کا عقیدہ جہاد میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔(اَنْ یُّجَاهِدُوْا ...وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ)

۷۔متقی کی پہچان گھر اور ایام صلح کی بجائے میدان جنگ میں ہوتی ہے (وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ)

آیت نمبر 45

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ○

(جنگ میں نہ جانے کی) اجازت تو آپ سے بس وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک آچکا ہے اور وہ اپنے شک میں سرگردان ہیں۔

نکات

حضرت علیؑ کا فرمان ہے جو شک وشبہ میں گرفتار رہتا ہے اسے شیاطین اپنے پنجوں میں روند ڈالتے ہیں۔(نہج البلاغہ حکمت ۳۱)

پیام

۱۔عقیدہ وایمان کی صداقت کی پہچان میدان جنگ میں ہوتی ہے (یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ)

۲۔منافقین کو ہدف پر ایمان نہیں ہے اسی لئے وہ گھر میں رہنے کے حیلے بہانے ڈھونڈتے ہیں (لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ)

۳۔میدان جنگ میں پامردی سے لڑنے اور فرار کرنے کی بنیاد ایمان اور عدم ایمان پر ہے۔(یُؤْمِنُوْنَ... لَا یُؤْمِنُوْنَ)

۴۔شک ایک برائی ہے لیکن شک پر قائم رہنا اس سے بھی بڑی برائی ہے (فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ)

آیت نمبر 46

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ○

اگروہ (منافقین) جنگ میں جانے کے خواہش مند ہوتے تو یقیناوہ اس کی تیاری کرتے لیکن خدا کو ان کا میدان میں جانا (ان کی کور دلی اور نالائقی) کی وجہ سے ناپسند ہے اسی لئے خدا نے انہیں (جنگ میں شامل ہونے سے) روک دیا ہے اور کہا گیا کہ تم دوسرے خانہ نشینوں (بچوں، بوڑھوں اور بیماروں) کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔

نکات

☆ میدان جہاد میں روکنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے ان سے توفیق سلب کر لی ہے اس سے عملی ممانعت مراد نہیں ہے۔

پیام

۱۔ منافقین جنگ میں جانے کے خواہش مند ہی نہیں ہیں۔ (وَلَوْ اَرَادُوا... لَاَعَدُّوْا)

۲۔ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ (وَلَوْ اَرَادُوا... لَاَعَدُّوْا)

۳۔ مومن ہر وقت جہاد میں شامل ہونے کا منتظر ہوتا ہے وہ اس سے لا پرواہ نہیں ہوتا (لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً)

۴۔ جہاد میں شرکت خدائی توفیق ہے جسے نا اہل افراد سے سلب کر لیا جاتا ہے۔ (فَثَبَّطَهُمْ)

۵۔ تارکین جہاد کی تحقیر کی جانی چاہیئے (اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ)

آیت نمبر 47

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

اگر (منافقین) تمہارے ساتھ جنگ کے لئے باہر آتے تو پھر تمہارے درمیان فساد (شک، بے چینی) کے علاوہ اور کوئی اضافہ نہ کرتے اور تمہارے درمیان رخنہ ڈالتے تاکہ فتنہ برپا کریں۔ جب کہ تمہارے درمیان ان سے متاثر افراد بھی ہیں جو ان کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں۔ اللہ ظالموں کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

نکات

"خَبَال" اضطراب اور شک کو کہا جاتا ہے۔ اور "خَبَل" جنون کو کہا جاتا ہے اور "خَبْل" فساد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
"اَوْضَعُوْا" کا مصدر "اِيْضَاع" ہے جس کا معنی ہے حرکت ونفوذ میں جلدی کرنا۔ "فِتْنَة" یہاں تفرقہ اور گمراہی کے معنی میں ہے۔ "سَمَّاع" جاسوس کے معنی میں ہے جو دشمن کے مفادات کے لئے باتیں پھیلاتا ہو۔

پیام

۱۔ اسلامی لشکر برگزیدہ اور مخلص افراد پر مشتمل ہونا چاہیئے اس کے لئے افراد کی کمی بیشی معیار نہیں ہے (لَوْ خَرَجُوْا... مَّا

زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا)
۲۔اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تسلی دی ہے کہ وہ منافقین کے تخلف سے پریشان نہ ہوں(لَوۡ خَرَجُوۡا ۔۔ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا)
۳۔جنگ میں منافق اگر شرکت کریں تو لشکرِ اسلام میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔(وَّلَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ)
۴۔منافقین کی حرکات تیز رفتاری پر مبنی ہوتی ہیں(وَّلَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ)
۵۔تمام مسلمان منافقین کے خطرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔کچھ سادہ لوح مسلمان بہت جلدی سے ان کی باتوں کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔(سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ)
۶۔منافق ظالم ہیں اللہ نے انہیں تنبیہ کی ہے(وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ)

آیت نمبر 48

لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ○

(منافقین)اس سے پہلے بھی فتنہ گر تھے اور وہ آپ کے سامنے معاملات کو الٹا کر کے پیش کرتے تھے یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا فرمان واضح (جاری) ہو گیا جب کہ وہ ناخوش تھے۔

پیام

۱۔منافقین ہمیشہ فتنہ گری کی تلاش میں لگے رہتے ہیں (ابۡتَغَوُا)
۲۔جب کبھی معاشرے میں فتنہ اور تفریق جنم لے تو پھر منافقین کی سرگرمیوں کی جستجو کرنی چاہئے(ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ)
۳۔جن لوگوں نے صحیح توبہ نہیں کی ان کے ماضی پر نظر رکھنی چاہئے (مِنۡ قَبۡلُ)
۴۔رہبر کے سامنے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا منافقانہ عمل ہے۔(وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ)
۵۔امتِ اسلامی کے رہبر کو ہوشیار ہونا چاہئے ہر اطلاع کو درست نہ سمجھے۔(وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ)
۶۔فتنہ گری اور تفرقہ پیدا کرنا منافقین کا قدیمی شیوہ ہے۔اور حق کی مکمل فتح تک وہ اپنی کارروائیوں سے باز نہیں آتے۔(ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ ۔۔۔ حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ)
۷۔خدا کی غیبی امداد منافقین کے منصوبوں کو برباد کر دیتی ہے۔منافقین اسلام کے خلاف جتنی بھی سازشیں کرتے ہیں۔اسلام کو اتنی ہی ترقی نصیب ہوتی ہے۔(جَآءَ الۡحَـقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ)
۸۔منافق دل میں اسلامی نظام کو کبھی بھی قبول نہیں کرتے۔(كٰرِهُوۡنَ)

آیت نمبر 49

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ‌ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا‌ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ‏ ○

اور ان میں کچھ ایسے (ڈرپوک اور بہانہ ساز) بھی ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیں (میں گھر بیٹھا رہوں اور جنگ میں شرکت نہ کروں) اور مجھے فتنہ (گناہ) میں مت ڈالیں۔ آگاہ رہو کہ یہ لوگ فتنہ (اور گناہ) میں گر چکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

نکات

بنی سلمہ کا ایک سردار منافق تھا (اور اس کا نام جد بن قیس تھا) جنگِ تبوک کے موقع پر وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے وہاں جانے سے معذور (رکھیں) کیونکہ میں حسن پرست انسان ہوں اور جب میری نگاہ رومی لڑکیوں پر پڑے گی تو میں فریفتہ ہو جاؤں گا اور یوں گناہ کی وادی میں جا گروں گا۔

آنحضرتؐ نے اسے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آیت مجیدہ میں اسے جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار اور فتنہ میں گرا ہوا انسان قرار دیا گیا۔

رسول اکرمؐ نے اسے قبیلہ کی سرداری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ بُشر بن براء کو قبیلہ کا سردار مقرر کیا وہ سخی اور خوش اخلاق انسان تھا۔ (تفسیر نمونہ)

پیام

۱۔ آنحضرتؐ جہاں خدا کے پیغمبر اور اُمت کے رہبر تھے وہاں آپ سالارِ لشکر بھی تھے۔ (وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ)

۲۔ بے ادب منافق آنحضرت کو فتنہ کا متحرک سمجھتے تھے۔ (ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ)

۳۔ منافقین جہاد کو آزمائش اور مصیبت تصور کرتے تھے (وَلَا تَفۡتِنِّىۡ)

۴۔ جنگ مجسم آزمائش ہے۔ (وَلَا تَفۡتِنِّىۡ)

۵۔ کچھ منافق دینداروں کو فریب دینے کے لئے مذہبی مسائل سے استفادہ کرتے تھے (وَلَا تَفۡتِنِّىۡ) ایک منافق نے تو حیلہ سازی کی حد کر دی اور کہا میں رومیوں کی حسین و جمیل لڑکیوں کو نہیں دیکھنا چاہتا مبادا ان کے حسن کے سحر میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ اس طرح سے اس منافق نے اللہ اور رسولِ خدا کے فرمان کو پامال کیا تھا۔

۶۔ جو لوگ جنگ کو فتنہ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں وہ اس سے بڑے فتنہ میں جا گرتے ہیں (اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا)

۷۔ خدا کی آزمائش سے فرار ناممکن ہے (اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ) کیا لوگ یہ سمجھتے

ہیں کہ وہ (ہم ایمان لائے) کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے۔ اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ مگر اس کے باوجود انہوں نے کہا آزمائش میں گرفتار ہوئے۔(فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا)

۸۔ منافقت پر مبنی بہانہ سازیاں کفر کی علامت ہیں۔(ائْذَنْ لِّي ... بِالْكٰفِرِيْنَ)

۹۔ دوزخ نے کافروں کا اس لئے (احاطہ کیا ہے کہ ان کے وجود کے گرد گناہوں کا احاطہ ہے (لَمُحِيْطَةٌ) (مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ) (سورۃ البقرۃ/۸۱) جو کوئی برائی کرے اور اس کی خطائیں اس کا احاطہ کر لیں تو وہ دوزخی ہیں۔

آیت نمبر 50

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ○

اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچے (اور تو کامیابی حاصل کرے) تو منافقین کو وہ ناگوار گزرتی ہے اور اگر تجھے مصیبت تکلیف پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا چارہ پہلے ہی سوچ لیا تھا (اور ہم نے اس کی پیش بینی کر لی تھی) اور وہ خوش ہو کر لوٹ جاتے ہیں۔

پیام

ا۔ پیغمبر اور رہبر اسلامی نظام اور امت کا نمائندہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیت میں "تُصِبْكُمْ" کی بجائے "تُصِبْكَ" کے الفاظ آئے ہیں۔

۲۔ دوسروں کی کامیابی دیکھ کر جلنے والا شخص حسد اور منافقت میں مبتلا ہوتا ہے۔(اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ)

۳۔ تلخ حوادث اور سختی کے وقت دوست دشمن کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔(اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ...)

۴۔ رسولِ خدا کو غزوات میں کبھی فتح نصیب ہوتی تھی اور کبھی شکست سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔(حَسَنَةٌ ... مُصِيْبَةٌ)

۵۔ منافق ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے متعلق اپنے فہم و ذکا کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں پہلے سے یہ اسی بات کا اندازہ تھا۔(اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ)

آیت نمبر 51

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○

آپ کہہ دیں کہ ہمارے لئے ہمارے پروردگار نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں ملے گا وہی ہمارا سرپرست ہے اہلِ ایمان کو اللہ پر توکل کرنی چاہئے۔

پیام

۱۔ رہبر اور اُمت دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی آیت میں ''تُصِبۡكَ'' کے الفاظ ہیں اس آیت میں ''يُّصِيۡبَنَا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۲۔ ہم تکلیف شرعی بجالانے کے پابند ہیں اور نتیجہ کے ضامن نہیں ہیں۔ ہمارا کام جہاد کرنا ہے جبکہ تقدیر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا)

۳۔ حقیقی مومن جنگ کی سختیوں کو بھی اپنے لئے فائدہ مند خیال کرتے ہیں (كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا)

۴۔ انسان کی تقدیر پہلے سے لکھی جا چکی ہے۔ (كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے جو کچھ مقدر میں لکھا ہے وہ بہتر ہی بہتر ہے کیونکہ آقا اپنے غلام کے لئے برائی نہیں لکھتا۔ (كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوۡلٰىنَا)

۶۔ مومن ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کی زیرِ ولایت سمجھتا ہے (هُوَ مَوۡلٰىنَا)

۷۔ عقیدہِ توحید کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ ہر طرح کی تقدیر کے فیصلوں کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے (هُوَ مَوۡلٰىنَا)

۸۔ ہمیشہ خدا پر ہی بھروسہ رکھنا چاہئے (وَعَلَى اللّٰهِ)

۹۔ خدا پر توکل رکھنا ایمان کی شرط ہے (فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ)

آیت نمبر 52

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ۝

(پیغمبر! آپ منافقین سے) کہیں کیا تم ہمارے لئے دو نیکیوں (فتح یا شہادت) کے منتظر ہو؟ جب کہ ہم تمھارے متعلق اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ خدا یا تو اپنی طرف سے تم پر عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے تمھیں عذاب دے پس تم انتظار کرو ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کررہے ہیں۔

نکات

☆ اس آیت میں پہلی آیت کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ ہی ہم اہلِ ایمان کا سرپرست ہے اور خدا کی شان یہ ہے کہ وہ بھلائی کے

علاوہ اور کچھ نہیں لکھتا۔ حد یہ ہے کہ اگر وہ ہمارے مقدر میں شہادت بھی لکھتا ہے تو وہ بھی خیر وخوبی پر مبنی ہے۔

☆ امام باقرؑ نے ''اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے راہِ خدا میں موت یا امام زمانؑ کے ظہور کا پالینا مراد ہے۔ (الکافی جلد ۸ /۲۸٦)

پیام

١۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ ''اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ'' کے عقیدہ کی دوست اور دشمن کے سامنے تبلیغ کی جائے (قُلۡ)

٢۔ کامیابی کے متعلق مومن اور منافق کے طرزِ تفکر میں فرق پایا جاتا ہے (اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ) اہلِ ایمان کی نظر میں مقصد پر کار بند رہنا زیادہ اہم ہے ان کی نظر میں فتح اور شہادت دونوں ہی کامیابی کی شکلیں ہیں۔

٣۔ منافق اگر اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں تو بھی دوزخی ہیں اور اگر جنگ کے بغیر طبعی موت مریں پھر بھی دوزخی ہیں۔ ان پر عذاب ہر شکل میں آنا ہے خواہ اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے آئے یا براہِ راست خدا کے عذاب میں گرفتار ہوں۔ (مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا)

٤۔ مومن کو ہدف اور نتیجہ کا یقین ہوتا ہے (فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ)

آیت نمبر 53

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ○

وہ منافق جو میدانِ جنگ میں قدم رکھے بغیر مالی امداد دینے کے خواہش مند ہیں آپ ان سے کہیں کہ تم خواہ شوق سے دولت خرچ کرو یا مجبور ہو کر کرو تمہاری طرف سے یہ انفاق ہرگز قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔

نکات

☆ تفاسیر کے بیان کے مطابق کہ جو منافق جنگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ وہ کچھ مالی مدد کر دیں اور اس طرح سے اپنے آپ کو کامیابی میں شریک تصور کریں۔

☆ منافقین سے انفاق کے غیر مقبول ہونے کا یا تو یہ مقصد ہے کہ دنیا میں ان کی مالی امداد نہ کی جائے گی۔ یا پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں آخرت میں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

پیام

١۔ انفاق فی سبیل اللہ سے غریب انسان کا صرف پیٹ ہی بھرنا انفاق کرنے والے شخص کی روحانی اصلاح بھی ہوتی ہے اور اسے رُشدِ معنوی بھی حاصل ہوتی ہے۔ (اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا)

٢۔ انسان کی نیت اور اس کی باطنی کیفیت پر ہی اعمال کی قدر و قیمت کا انحصار ہے منافقین کا باطن خباثت سے بھرا ہوا ہے وہ

مسلمانوں کی کامیابی پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کی تکلیف پر خوشیاں مناتے ہیں اسی خباثتِ باطنی کی وجہ سے ان کے اعمال بے فائدہ ہیں (اَنۡفِقُوۡا ۔۔۔لَّنۡ یُّتَقَبَّلَ)

۳۔منافقین کی ظاہری خدمات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے (اَنۡفِقُوۡا ۔۔۔لَّنۡ یُّتَقَبَّلَ)

۴۔ہمیں مدد لینے کے لئے محتاط ہونا چاہئے اور ہر کس و ناکس کی مدد قبول نہیں کرنی چاہئے ۔(لَّنۡ یُّتَقَبَّلَ مِنۡکُمۡ)

۵۔تقویٰ اور دل کی پاکیزگی قبولیتِ اعمال کی اہم شرط ہے اور سیاسی اجتماعی ،عبادی اور اخلاقی مسائل ایک دوسرے سے مربوط ہیں ۔(لَّنۡ یُّتَقَبَّلَ۔۔ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ)

۶ نفاق قبولیتِ اعمال میں بڑی رکاوٹ ہے۔ (اِنَّکُمۡ ۔۔۔فٰسِقِیۡنَ)

آیت نمبر 54

وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ○

اور ان کے خرچ کئے ہوئے مال کی قبولیت میں بس یہی رکاوٹ ہے۔ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور نماز کے لئے آتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ اور راہِ خدا میں بادلِ نخواستہ ہی خرچ کرتے ہیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ اگر بالغرض منافق اللہ کی راہ میں خوش دلی سے خرچ کریں یا بادل نخواستہ خرچ کریں۔ ان کا خرچ کرنا قابلِ قبول نہیں ہے۔ جبکہ اس آیت میں صورت واقعی کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ منافقین اگر کبھی انفاق فی سبیل اللہ کریں بھی تو بھی وہ بادل نخواستہ ایسا کرتے ہیں۔ وہ کبھی بھی خوشدلی سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتے۔

☆ اسلامی حکومت کے پاس خمس، زکوۃ، صدقات، اور انفاقات کی جو رقم جمع ہوتی ہے۔ وہ حسبِ ذیل خصوصیت کی حامل ہوتی ہے۔

۱۔لوگ اپنے ارادہ و انتخاب اور دینی وجدان کی بنیاد پر رقم جمع کراتے ہیں۔

۲۔مخیر افراد کسی خوف کے بغیر قربت الٰہی کے جذبہ سے رقم جمع کراتے ہیں۔

۳۔وہ اپنے عطیات کو ذخیرہ آخرت کا درجہ دیتے ہیں۔

۴۔مخیر افراد مال لینے والے کو عالم عادل سمجھتے ہیں۔

۵۔مخیر افراد اپنے عطیات کے مصارف پر نظر رکھتے ہیں۔

۶۔مخیر افراد رقم حاصل کرنے والے کے لئے سادہ زندگی کو شرط سمجھتے ہیں۔ اور عطیات جمع کرانے کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

پیام

۱۔کفر، کاہلی، اور سستی کے تحت بجالائے گئے اعمال نا قابل قبول ہیں۔(وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ)
۲۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر منافقین کو کافر کہا ہے۔(اَنَّهُمْ كَفَرُوْا)
۳۔جنگ تبوک سے تخلف کرنے والے اگرچہ بظاہر مسلمان تھے لیکن اندرونی طور پر کافر تھے۔(اَنَّهُمْ كَفَرُوْا)
۴۔اعمال کی قدرو قیمت نیت، خوش اور عشق سے ہے۔نیت عمل کا اہم ترین محرک ہوتی ہے جبکہ طبیعی حرکات کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا ۔(انسانی اعمال میں نیت کے کردار کو اس واقع سے سمجھیں ۔عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے بدکاری کی نیت سے تمام دروازے اپنے ہاتھ سے بند کئے۔پھر اس نے یوسفؑ سے فعل حرام کا تقاضا کیا۔یوسفؑ اس شر سے بچنے کے لئے دوڑے اور زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑی ظاہری طور پر دونوں دوڑ رہے تھے۔لیکن ان میں سے ہر ایک کی نیت جدا تھی۔یوسفؑ گناہ سے بچنے کے لئے دوڑ رہے تھے جبکہ زلیخا گناہ کی نیت سے دوڑ رہی تھی)(كُسَالٰى ... كٰرِهُوْنَ)
۵۔اسلام انفاق کے ذریعہ سے رشد و معنوی کا متقاضی ہے۔کیونکہ منافقین کے انفاق سے چند افراد کی شکم سیری ہوسکتی تھی لیکن خرچ کرنے والوں کو معنوی رشد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔(كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ..وَهُمْ كٰرِهُوْنَ)
۶۔کسالت کے ساتھ نماز پڑھنا اور بادل نخواستہ راہ خدا میں خرچ کرنا منافقت کی علامت ہے۔(كٰرِهُوْنَ)

آیت نمبر 55

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ○

منافقین کے اموال اور اولاد کہیں آپ کو فریفتہ نہ کردیں۔اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ انہیں اس وسیلہ سے دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور جب ان کی جان نکلے تو کفر کی حالت میں ہی نکلے۔

نکات

☆(تَزْهَقَ) کا معنی ہے۔حسرت و افسوس کے ساتھ نکلنا۔
☆ نبی اکرمؐ منافقین کے اموال و اولاد سے ہرگز متاثر ہونے والے نہیں تھے۔آیت میں احتیاطی طور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔
☆ نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے موت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا۔

”مرنے کے وقت جو چیز اس کے سامنے کھل کر آئی تو وہ ندامت سے ہاتھ کاٹنے لگا اور عمر بھر جن چیزوں کا طلبگار رہا تھا اب ان سے کنارہ ڈھونڈتا اور یہ تمنا کرتا ہے کہ جو اس مال کی وجہ سے اس پر رشک و حسد کیا کرتے تھے(کاش کہ) وہی اس مال کو سمیٹتے نہ وہ اب موت کے تصرفات اس کے جسم میں اور بڑھے یہاں تک کہ زبان کے ساتھ ساتھ کانوں پر بھی موت چھا گئی۔گھر والوں کے

سامنے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔ وہ زبان سے بول سکتا ہے۔ اور نہ کانوں سے سن سکتا ہے۔ آنکھیں گھما گھما کران چہروں کو تکتا ہے۔ اور ان کی زبان کی جنبشوں کو دیکھتا ہے۔ لیکن بات چیت کی آوازیں نہیں سن پاتا۔ پھر اس سے موت لپٹ گئی۔ کہ اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جس طرح سے اس کے کانوں کو بند کیا تھا۔ اور روح اس کے جسم سے مفارقت کر گئی۔ اب وہ اپنے گھر والوں کے سامنے مردار کی طرح پڑا ہوا ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۷ سے اقتباس)

☆ دولت بجَندِ وجوہ انسان کے لئے عذاب کا باعث بنتی ہے۔

۱۔ دولت کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

۲۔ دولت کو چوری، جلنے اور حاسد افراد سے بچانے کے انتظامات کرنا پڑتے ہیں۔

۳۔ موت کے وقت دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ روانہ ہونا پڑتا ہے۔

۴۔ قیامت کے دن دولت کے متعلق دو سوالوں کا جواب دینا پڑے گا کہ یہ دولت کہاں سے کمائی تھی؟ اور اسے کہاں خرچ کیا تھا؟

پیام

۱۔ زمانہ پیغمبر کے اہل ایمان منافقین کی بہ نسبت مالی طور پر کمزور تھے۔ (فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ)

۲۔ بہت سی ظاہری نعمات ایسی بھی ہیں جو حقیقت میں مصیبت ہیں۔ اور اکثر اوقات رزق کی فراوانی، بدبختی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔ (لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا)

۳۔ خدا کی سنت ہے۔ کہ وہ دولت مند منافقین کو ذلیل کرتا ہے۔ (لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا)

۴۔ عذاب الٰہی صرف آخرت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ دنیا میں بھی خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ (فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا)

۵۔ موت جسم و جان کی جدائی کا نام ہے۔ فنائے مطلق کا نام نہیں ہے۔ (تَزۡهَقَ)

۶۔ منافق کی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ (تَزۡهَقَ)

۷۔ دولت مند منافق کی جان بڑی مشکل سے نکلتی ہے۔ (وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ)

۸۔ منافقین کی مال و دولت اور ان کی اولاد ان کے کافر ہو کر مرنے کی زمین ہموار کرتے ہیں۔ (فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ ... وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ)

۹۔ معاملات کے انجام پر نظر رکھنی چاہئے ظاہری چکا چوند پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ (فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ ... وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ)

آیت نمبر 56

وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰـكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ○

منافقین خدا کی قسمیں کھا کر (تمھیں یقین دلاتے ہیں) کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں جبکہ (وہ جھوٹے ہیں) وہ تم میں سے نہیں

ہیں۔وہ ایسا گروہ ہیں جو (تم سے) ڈرتے ہیں۔(ان کے دل اورزبان میں تضاد پایا جاتا ہے)

نکات

"یَفْرَقُوْنَ" سخت خوف رکھتے ہیں کے معنی میں ہے۔ان کے دل خوف سے لرزتے رہتے ہیں۔

پیام

ا۔جھوٹی قسم منافقین کا ہتھیار ہے۔(یَحْلِفُوْنَ)

۲۔منافق کی توبہ کی قبولیت اوراس کے دعویٰ کوتسلیم کرنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ وہ پیشہ ور جھوٹے ہیں(وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ)

۳۔منافقین کی نشاندہی ضروری ہے۔(وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ)

۴۔منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ بزدل اور ڈرپوک ہوتا ہے۔(قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ)

آیت نمبر 57

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ○

اگرانہیں (منافقین کو) کوئی پناہ گاہ یا غار یا بھاگنے کی کوئی جگہ میسر آجائے تو وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے۔

نکات۔حل لغات

''مَلْجَا'' پناہ گاہ ''مَغَارَات'' (مَغَارَة) کی جمع ہے جو کہ غار کو معنی میں ہے''مُدَّخَل'' پوشیدہ راستے اورسرنگ کو کہا جاتا ہے۔لفظ ''یَجْمَحُوْن'' کا مصدر ''جماح'' ہے جس کے معنی میں کہ کوئی ایسی تیزی سے دوڑ کر جائے کہ اسے پکڑنا مشکل ہو اسی لئے تیز رفتار گھوڑے کو ''جُمُوْح'' کہا جاتا ہے۔

☆ منافقین کے اظہار ایمان کی وجہ خوف ہے یا مال ومنصب حاصل کرنے کی آرزو ہے اس آیت مجیدہ میں پہلے گروہ کی نشان دہی کی گئی ہے(تفسیر اطیب البیان)

پیام

ا۔منافق موجودہ صورتِ حال سے پریشان اور گھبرایا رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح سے اس صورتِ حال سے نجات پائے(لَوْ يَجِدُوْنَ)۔

۲۔اسلامی معاشرے کا ماحول منافقین کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔(لَوْ يَجِدُوْن)(منافقین بے قید وبند زندگی چاہتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ انہیں مجبور ہو کر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے)

۳۔اسلامی معاشرے میں منافقین مال ودولت اوراولاد رکھنے کے باوجود بھی اپنے آپ کو رنج واذیت میں مبتلا سمجھتے ہیں اور یہ ان کے دنیاوی عذاب کا ایک نمونہ ہے اس سے دو آیات پہلے کی آیت میں اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے (لِيُعَذِّبَهُمْ) اللہ اس ذریعے سے

انہیں دنیاوی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے) جب کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا۔(لَوۡ یَجِدُوۡنَ)

۴۔منافق جنگ اور اہلِ ایمان سے گریز میں بڑے تیز رفتار ہوتے ہیں۔(یَجۡمَحُوۡنَ)

آیت نمبر 58

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ یُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ یَسۡخَطُوۡنَ○

اور کچھ منافق ایسے ہیں جو صدقات (تقسیمِ زکوٰۃ) کے متعلق آپ پر عیب گیری کرتے ہیں اور اگر اس (مال) میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں (اور آپ کو عادل شمار کرتے ہیں) اور اگر انہیں کچھ نہ دیا جائے تو وہ اچانک ناراض ہو جاتے ہیں (اور وہ آپ پر ناانصافی کی تہمت لگاتے ہیں)۔

نکات۔حل لغات

☆کسی کے روبرو ہو کر عیب لگانے کو ''لمز'' کہا جاتا ہے اور پسِ پشت عیب جوئی کو ''ھمز'' کہا جاتا ہے۔

☆جنگ حنین سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کی تقسیم پر ایک شخص نے آپ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا تھا ''محمد'' عدالت کر۔ یہی شخص بعد میں خوارج کا رہبر بنا تھا۔آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ بھلا مجھ سے بڑا عادل اور کون ہو سکتا ہے؟

حضرت عمرؓ نے اس کی اس گستاخی اور جسارت کی وجہ سے اسے قتل کرنا چاہا تھا اس پر رسولِ خداؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے ایسے پیروکار ہوں گے جو اتنا زیادہ عبادت کریں گے۔کہ تم اپنی عبادات کو ان کی عبادت کے سامنے حقیر تصور کرو گے۔(آپ نے یہ اشارہ ان کی خشک اور ولایت سے خالی عبادت کی طرف کیا تھا)۔اور اپنی تمام تر عبادت کے باوجود وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

وہی اعتراض کرنے والا شخص جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں سے واصلِ جہنم ہوا تھا۔

پیام

۱۔منافق اتنا بڑا منہ پھٹ ہوتا ہے کہ رسولِ خدا کی ذات بھی اس کے نیش زنی سے محفوظ نہیں ہوتی۔(یَلۡمِزُكَ)

۲۔منافقین کے تند و تیز حملوں کا نشانہ رہبر ہوتا ہے۔(یَلۡمِزُكَ)

۳۔رسولِ اکرمؐ کے تمام اصحاب عادل نہیں تھے (وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ) لہٰذا ''اَلصَّحَابَةُ کُلُّهُمۡ عَدُوۡل'' کہ تمام صحابہ عادل ہیں کا نظریہ خلافِ قرآن ہے)(وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ)

۴۔نظامِ اسلامی کے ذمہ دار افراد کو منافقین کی عیب جوئی سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔(وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ)

۵۔اموالِ عمومی کی تقسیم اتنی حساس ہے کہ کبھی رسولِ خداؐ پر بھی بے عدالتی کی تہمت لگائی گئی ہے۔(یَّلۡمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ)

۶۔کچھ انحرافات کا آغاز رہبر کی بے ادبی سے ہوتا ہے۔اور اس ناجائز جسارت کا سرچشمہ خود خواہی ہوتا ہے (جیسا کہ شان نزول سے واضح ہوتا ہے)

۷۔بعض اوقات اعتراضات کا سرچشمہ ذاتی منفعت ہوتی ہے نہ کہ ہمدردی۔(فَاِنۡ اُعۡطُوۡا)

۸۔اسلامی معاشرے میں مالیات و اقتصادیات کی پالیسی براہِ راست رسولِ خدا کے ہاتھ ہوتی ہے یا پھر رہبر کے ہاتھ میں ہوتی ہے(فَاِنۡ اُعۡطُوۡا)

۹۔منافق اپنے حق پر قناعت نہیں کرتا وہ ہمیشہ خود خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔اور غیر معقول ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔(فَاِنۡ اُعۡطُوۡا)

۱۰۔کچھ لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر ان کے ذاتی مفادات پورے نہ ہوں تو وہ کینہ اور دشمنی اور ناحق الزامات پر اتر آتے ہیں۔(امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ دوتہائی افراد ایسے ہی ہوتے ہیں (الکافی جلد ۲ / ۲۲۴)(وَاِنۡ لَّمۡ یُعۡطَوۡا) (جی ہاں کچھ غلط تجزیے اندرونی محرکات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

آیت نمبر 59

وَلَوۡ اَنَّہُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰـہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَرَسُوۡلُہٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوۡنَ ۝

جو کچھ انہیں خدا اور خدا کے رسول نے دیا ہے اگر وہ اس پر راضی ہوجاتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ (اللہ کی عطاء) ہمارے لئے کافی ہے اور عنقریب خدا اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں عطا کریں گے اور اپنے اللہ سے رغبت رکھتے ہیں اور اسی سے امید وابستہ رکھتے ہیں (اگر وہ ایسا کہتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا)۔

نکات

اس آیت میں چار مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔اللہ کی تقدیر کے سامنے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا۔(رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ)

۲۔اس تسلیم و رضا کا زبان سے اظہار کرنا (قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہ)۔

۳۔خدا کے فضل و کرم کی اُمید رکھنا۔(سَیُؤۡتِیۡنَا...)

۴۔دنیا سے بے توجہی اور خدا سے اُمیدیں وابستہ رکھنا۔(اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوۡنَ)

پیام

۱۔منافق نہ تو خدا سے اور نہ ہی اس کے تقدیر سے راضی ہوتے ہیں۔(وَلَوۡ)

۲۔ بیت المال کی تقسیم اور مالی معاملات خدا، رسول اور امت اسلامی کے رہبر سے مربوط ہیں۔(اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ)

۳۔ صرف مالی پریشانیوں پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہئے روشن مستقبل کی بھی اُمید کرنی چاہئے۔(سَيُؤْتِيْنَا)

۴۔ اللہ کے یقینی وعدوں اور نعمات بہشت پر یقین رکھنے سے دنیا کی تلخ زندگی بھی شیریں محسوس ہوتی ہے۔(سَيُؤْتِيْنَا)

۵۔ خدا ہمارا مقروض نہیں ہے وہ ہمیں جو کچھ بھی عطا کرتا ہے وہ خالصتاً اس کا کرم اور فضل ہے۔(فَضْلِهٖ)

۶۔ اللہ کی مہربانیاں انبیاء اور اولیاء کی معرفت ہم تک پہنچی ہیں۔(فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ)

۷۔ خدا کی محبت، صبر و رضا اور قناعت کے لئے زمین ہموار کرتی ہے۔(اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ)

آیت نمبر 60

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

صدقات، زکوۃ ضرورت مندوں اور مساکین اور صدقات کے کام کرنے والوں کے لئے ہیں اور ان کیلئے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو اور غلاموں کی آزادی اور قرض داروں کی بحالی اور اللہ کی راہ میں اور ان مسافروں کے لئے ہیں جن کا رستے میں زادِ راہ ختم ہو گیا ہو یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حکم ہے اللہ خوب جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔

نکات۔ حل لغات

☆ لفظ ''صدقه،، اور صِداق ''لفظ'' صِدق '' سے بنے ہیں اور صدق سچائی کو کہتے ہیں اور صدقہ کو اس لئے صدقہ کہتے ہیں کہ اس سے ایمان باللہ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے اور حق مہر کو عربی زبان میں ''صِداق '' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر کی وہ رقم شوہر کی طرف سے اپنی بیوی سے محبت کی صداقت کی علامت ہوتی ہے۔

☆ اس آیت میں ''صدقه '' سے واجب زکوۃ مراد ہے۔

☆ ''فَقِير '' کا لفظ ''فَقر'' مصدر سے بنا ہے اور اسی سے لفظ ''فقار '' بنتا ہے اور ''فقار '' کمر کے مہروں کو کہا جاتا ہے لہذا فقیر وہ ہے کہ افلاس نے جس کی کمر توڑ دی ہو۔

☆ ''مسکین '' کا لفظ ''مسکن '' سے لیا گیا ہے اس لفظ سے ایسا مفلس شخص مراد ہے جو غربت و افلاس کی وجہ سے خانہ نشین ہو چکا ہو بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ فقیر اس نادار کو کہتے ہیں جو لوگوں سے نہیں مانگتا لیکن ''مسکین '' وہ شخص ہے جو اپنے افلاس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہو (تفسیر المیزان)

عرض مترجم

بندہ کو لفظ مسکین کی تعریف سے اختلاف ہے قصہ موسیٰؑ و خضرؑ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑ نے اور عیب دار بنانے کی یہ توجیہ پیش کی تھی (اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ) کہف/ ۷۹) وہ کشتی کچھ مساکین کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے کشتی کے مالکوں کو بھی ''مسکین'' کہا گیا ہے جب کہ وہ نہ تو خانہ نشین تھے اور نہ ہی بھیک مانگتے تھے لہذا مسکین کی درج بالا تعریف صحیح نہیں ہے۔(من المترجم عفی عنه)

☆ سابقہ آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافقین نے رسولِ خدا کے تقسیم اموال پر اعتراض کیا تھا (یلمزك فی الصدقات) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ بیان کئے ہیں اور واضح کیا ہے کہ ان آٹھ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ کو اور کہیں خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

☆ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ منافقین مالدار ہوتے ہوئے بھی مال زکوٰۃ پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

☆ (العملین علیها) عاملین زکوٰۃ کی تنخواہ اور اجرت زکوٰۃ فنڈ سے ادا کی جائے گی اور عاملین زکوٰۃ وہ ہیں جو زکوٰۃ جمع کرتے ہیں اور اسکا حساب رکھتے ہیں اور زکوٰۃ کی جمع آوری کے لئے زحمتیں اُٹھاتے ہیں۔

مؤلفة القلوب۔ وہ ہیں جن کے پاس اسلام کی طرف جھکاؤ کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور زکوٰۃ کی کچھ رقم دے کر ان کے لئے ایمانی راستے کو ہموار کیا جاتا ہے یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح سے لوگوں کو رقم دے کر مسلمان بنایا جا رہا ہے اس سے صرف ایمان کے ادراک کی راہ ہموار کی جاتی ہے (یتالفهم و یعلمهم کی ما یعرفوا ----)

اس کا مقصد تعلیم و معرفت کے لئے الفت کا ایجاد کرنا ہے۔

الغارمین

مصارف زکوٰۃ میں سے یہ بھی ایک مصرف ہے اس سے مراد ایسے مقروض ہیں جو کسی کوتاہی کے بغیر قرض کے زیرِ بار ہو جائیں مثلاً جو لوگ آتش زدگی، سیلاب، یا کشتی کے ڈوبنے یا کسی اور قدرتی آفات کا شکار بن کر اپنا سرمایہ کھو بیٹھیں اور مقروض ہو جائیں ایسے لوگوں کا قرض ادا کرنے کے لئے انہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے۔''ایما مومن او مسلم مات و ترك دینا و لم فی فساد ولا اسراف فعلی الامام ان یقضیه'' (تفسیر کنز الاقائق) جب کوئی ایسا مسلم یا مومن مرجائے اور وہ مقروض ہو اور یہ قرضہ برائیوں میں خرچ کرنے اور فضول خرچی کی وجہ سے نہ ہو تو امام (حاکم) کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرض کو ادا کرے۔

☆ فی سبیل اللہ اس سے وہ تمام کام مراد ہیں جن سے خدا خوش ہوتا ہے اور اس میں دینی تبلیغات اور رفاہِ عامہ کے ایسے کام شامل ہیں جن سے مسلمانوں کی مشکلات کو کم کیا جا سکتا ہو اکثر تفاسیر میں اس سے جہاد مراد لیا گیا ہے۔

☆ ابنِ السبیل' سے وہ مسافر مراد ہے جو اپنے وطن میں خوشحال ہو لیکن سفر میں اس کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہو۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا حکم مکہ میں نازل ہوا تھا لیکن مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کی اکثریت انتہائی مفلس افراد پر مشتمل تھی اس لئے صاحبانِ نصاب خود اپنی طرف سے زکوٰۃ دیا کرتے تھے۔ اور ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوئی تو زکوٰۃ کا باقاعدہ محکمہ بنا دیا گیا اور عاملین زکوٰۃ مقرر کئے گئے۔ اور باقاعدہ بیت المال قائم کیا گیا۔ جو کہ براہِ راست حاکمِ اسلام کے کنٹرول میں تھا۔ (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً) (توبہ/ ۱۰۳) آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں۔

☆ زکوٰۃ صرف اسلام سے مخصوص نہیں ہے۔ سابقہ ادیان میں بھی زکوٰۃ کا حکم موجود تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں یہ الفاظ فرمائے تھے۔ (أَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ) (مریم/ ۳۲) خدا نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں فرمایا۔ (وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ) (البقرہ/ ۴۲) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

جملہ انبیائے کرامؑ کے متعلق ہم یہ پڑھتے ہیں۔

(وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ) (انبیاء/ ۷۳)

☆ اور ہم نے انہیں رہنما مقرر کیا جو کہ ہمارے فرمان کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیاں بجالانے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی تھی۔

☆ قرآن کریم میں زکوٰۃ کو حسبِ ذیل چار قسم کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى) (البقرہ/ ۷۷) خدا کی محبت میں رشتہ داروں کو مال عطا کرے۔

۲۔ صدقہ۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً) (توبہ/ ۱۰۳)

ان سے اموال سے صدقہ وصول کریں۔

۳۔ انفاق۔ (يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا) ابراہیم/ ۳۱) نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

۴۔ زکوٰۃ۔ (يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ) (المائدہ/ ۵۵) نماز قائم کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

☆ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر زکوٰۃ کو صلاۃ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور روایات میں بیان ہوا ہے کہ نماز کی قبولیت کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی شرط ہے۔ نماز سے انسان کا خدا سے رابطہ ہوتا ہے اور زکوٰۃ سے عوام الناس کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے قرآن میں نماز کے ساتھ جتنی بار زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے اتنا اور کسی اسلامی فریضہ کو بیان نہیں کیا گیا۔

☆ سادات پر زکوٰۃ حرام ہے بنی ہاشم کے ایک گروہ نے رسولِ خداؐ سے درخواست کی تھی کہ انہیں جانوروں کی زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے عامل زکوٰۃ مقرر کیا جائے تا کہ عاملین زکوٰۃ کی تنخواہ وصول کر سکیں۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھ پر اور تم پر زکوٰۃ حرام ہے۔ (تفسیر نور الثقلین۔ الکافی ۵۸ / ۴) البتہ سید دوسرے سید کی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

☆ زکوٰۃ کے قانون کو اس لئے فرض نہیں کیا گیا کہ اس سے کچھ دولت مندوں سے تھوڑی سے دولت حاصل کر کے مفلس افراد کو شدید

غربت سے بچایا جائے۔اس کے برعکس زکوۃ معاشرتی اوراجتماعی مسائل کا حل ہے۔مالی امداد کی ضرورت معاشرے کے تمام افراد کو پڑسکتی ہے۔ایک مفلس تو ویسے ہی مالی امداد کا حق دار ہوتا ہے بعض اوقات ثروت مند افراد بھی چوری،ڈاکہ زنی،آگ اور سیلاب جیسی آفات کی وجہ سے مالی امداد کے مستحق قرار پاتے ہیں۔اسی لئے اسلام نے اپنے پاس زکوۃ کا نظام رکھا ہے۔کہ ہر ضرورت مند کی اس سے امداد کی جاسکے۔

☆ کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے۔کہ اللہ نے غرباء کی مالی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر زکوٰۃ مقرر کی ہے۔اور اگر غرباء کی ضروریات زیادہ ہوتیں۔تو اللہ زکوٰۃ کا حصہ بڑھا دیتا۔اور اگر لوگ دیانت داری سے زکوٰۃ دینے لگ جائیں تو معاشرے میں کوئی مفلس نہ رہے۔اگر اغنیاء زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی بھی فقیر دکھائی نہ دیتا۔(الوسائل جلد/ ۴ /۶)

☆ کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام دولت کے لئے ایک حد مقرر کرتا ہے۔جب کہ ایسا نہیں ہے۔اسلام دولت کی حد بندی نہیں کرتا اس کا صرف یہی پیغام ہے۔کہ دولت سے غریبوں کو حصہ ملنا چاہئے۔

☆''فی سبیل اللہ'' کے مصرف کے لئے فقر شرط نہیں ہے جہاں بھی اسلام کی حاکمیت کو مدد ملتی ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔(تفسیر روح المعانی)

☆ معاشرہ کو شریر افراد کے شر سے بچانے کے لئے بھی زکوٰۃ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔اور یہ عمل ''وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ'' کے مصرف میں شمار کیا جائے گا۔(تفسیر روح المعانی)

☆ اگر کسی شخص کے ذمہ دیت (خون بہا) ہو اور وہ اسے ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کی بھی مالی زکوٰۃ سے امداد کی جاسکتی ہے۔(تفسیر مراغی) اور یہ مصرف (وَالْمُؤَلَّفَةِ) کے ضمن میں شمار کیا جائے گا۔

(فِي الرِّقَابِ) کے مصرف کے تحت شاید قیدیوں کو چھڑانا یا ان کے گھروں کی دیکھ بھال کرنا بھی شامل ہے۔

☆ مذکورہ بالا آٹھ مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ کو برابر تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے۔یہ حاکمِ اسلامی کی صوابدید پر موقوف ہے وہ ضرورت و احتیاج کے تحت تقسیم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

☆ زکوٰۃ سے ثروت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے

☆ زکوٰۃ خدا کی عطا کردہ دولت کا عملی شکر ہے۔

☆ زکوٰۃ سے امیر غریب کے طبقاتی فاصلوں میں کمی واقع ہوتی ہے اور غریبوں اور امیروں میں پایا جانے والا کینہ بھی کم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ سے انسان میں سخاوت اور رحمدلی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔اور دنیا طلبی اور مادیات سے وابستگی میں کمی واقع ہوتی ہے۔

زکوٰۃ سے محروم افراد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اس سے فقیر کو پیغام ملتا ہے کہ پریشان نہ ہو زکوٰۃ سے مسکین کو پیغام ملتا ہے اور زیادہ محنت کرو۔اور مسافر کو پیغام ملتا ہے کہ راستے میں بے زاد ہونے سے نہ گھبراؤ۔اور عاملین زکوٰۃ کو پیغام ملتا ہے کہ تیرا حصہ محفوظ ہے اور غلامی کی چکی میں پسنے والوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ تیری آزادی کا انتظام ہو رہا ہے اور اس سے الٰہی خدمات کے بازار کو رونق ملتی

ہے اوراغیار کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔
یاد خدا سے غفلت اور لوگوں سے کنارہ کشی، اورنفرت کا منبع سنگدلی، عیاشی اور کثرت طلبی اور ثروت اندوزی ہے جب کہ زکوٰۃ اس بیماری کا علاج ہے۔ زکوٰۃ سے جہاں محرومیاں ختم ہوتی ہیں وہاں اسلام سے محبت پیدا بھی ہوتی ہے اگر محبت پیدا نہ بھی ہوتو کم از کم انسان دشمنانِ اسلام سے تعاون سے باز آجاتا ہے جیسا کہ روایات میں منقول ہے کہ کبھی کچھ افراد کمزور ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں اور مالی امداد سے وہ لوگ اسلام کے قریب آسکتے ہیں اوران کے ایمان میں مضبوطی پیدا ہوسکتی ہے (تفسیر نور الثقلین)
زکوٰۃ نظام اسلام کا مظہر ہے اس سے عدالت اجتماعی، فقر کا خاتمہ، کارکنوں کا معاش، بین الاقوامی محبوبیت، غلاموں کی آزادی، کو یقینی بنایا جاسکتا ہے اس سے مسلمانوں کے آئین وقانون کی حفاظت ہوتی ہے اورعمومی خدمات میں توسیع پیدا ہوتی ہے

پیام

۱۔ زکوٰۃ اظہار ایمان کی صداقت کی دلیل ہے (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ)
۲۔ زکوٰۃ کی تقسیم وحی کی بنیاد پر ہے اس میں ذاتی صوابدید کا عمل دخل نہیں ہے منافقین کی عیب جوئی کے جواب میں فرمایا (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ۔۔۔)
۳۔ اس آیت میں بیان کردہ آٹھ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ کو اور کسی مد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ۔۔۔)
۴۔ عدالت اجتماعی کا قیام جبھی ممکن ہے جب لوگ فکر معاش سے آزاد ہوں اور محروم طبقات کی کفالت ہورہی ہو (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ)
۵۔ انسان اپنی پوری کمائی کا خود مالک نہیں ہے دوسرے بھی اس میں حصہ دار ہیں (لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ)
۶۔ زکوٰۃ دینے والوں کو غریبوں پر احسان نہیں جتلانا چاہیئے کیونکہ زکوٰۃ خود غرباء کی ملکیت ہے (لِلْفُقَرَآءِ)
۷۔ نظامِ اسلامی میں افلاس سے متاثرہ افراد کی خبر گیری بنیادی فریضہ ہے (فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ) اور اس فرض کی ابتداء (لِلْفُقَرَآءِ) سے کی گئی ہے دوسرے مصارف بعد میں بیان کئے گئے ہیں
۸۔ جو لوگ اسلامی فرض کی بجا آوری میں مصروف ہوں ان کی معاشی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہے (وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا)
۹۔ ہر کام کی کچھ نہ کچھ قدر قیمت ہوتی ہے اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت ضرور ملنی چاہیئے خواہ وہ ضرورتمند ہو یا دولتمند ہو (وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا)
۱۰۔ قاضی کو معقول تنخواہ ملنی چاہیئے تاکہ رشوت سے محفوظ رہے اوراسی طرح عاملین زکوٰۃ کو بھی معقول تنخواہ ملنی چاہیئے تاکہ مال زکوٰۃ میں خیانت نہ کریں (وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا)
۱۱۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عاملین زکوٰۃ کا تقرر کرے (وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا)
۱۲۔ مادی اور معنوی مسائل ایک دوسرے سے مربوط ہیں (وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ)

۱۳۔جھوٹے استعمارگروں کے برعکس اسلام معاشرے کی مشکلات کوحل کرتا ہےاوردور رہنے والوں کواپنے حسن عمل سے قریب لاتا ہےاوردلیل وبرہان کے تحت اپنے نظریات کوتوسیع دیتا ہے (وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ)

۱۴۔اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دولت سے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مبذول کرے (وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ)

۱۵۔اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے اپنے بجٹ میں اس کا حصہ مقرر کیا ہے (وَفِي الرِّقَابِ)

۱۶۔مال زکوٰۃ کی جمع آوری کا خرچہ حکومت کو برداشت نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ خرچ زکوٰۃ فنڈ سے ہی ادا کیا جاتا ہے (وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا)

۱۷۔حکومت اسلامی کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں سے زکوۃ وصول کر کے مستحقین میں تقسیم کرے تا کہ مستحقین کو خود دولت مندوں کے دروازوں پر نہ جانا پڑے اور ان میں احساس کمتری پیدا نہ ہو جیسا کہ ایک اور آیت میں خداوند عالم نے فرمایا (وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا)

۱۸۔جہاداور اسلامی سرزمین کے دفاع کے لئے زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے دفاع کا خرچ براہِ راست عوام پر عائد ہوتا ہے (وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ)

۱۹۔دولت کوقرب خداوندی کا ذریعہ بننا چاہئے۔(وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ)

۲۰۔اسلام نے سیاحت وتجارت کے سفر میں زکوٰۃ کا حصہ مقرر کر کے سیاحت کی حوصلہ افزائی کی ہے (وَابْنِ السَّبِيْلِ)

۲۱۔زکوۃ کا قانون علم وحکمت کی اساس پر وضع کیا گیا ہے (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ...فَرِيْضَةً...عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ)

۲۲۔اسلام صرف عبادت کا دین ہی نہیں اسلام کے دامن میں اقتصادی قوانین بھی موجود ہیں (فَرِيْضَةً)

آیت نمبر 61

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اوران میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو نبی کواذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نرے کان ہیں (وہ ہر شخص کی باتیں سن کراس پر اعتماد کر لیتے ہیں) آپ کہہ دیں کہ اس کا کان لگا کر سننا تمہارے فائدہ میں ہے۔وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اہلِ ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔اورتم میں سے جو بھی ایمان لائے ہیں ان کے لئے سراپا رحمت ہے اور جولوگ رسولِ خدا کواذیت دے رہے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نکات

☆ لفظ "مِنۡهُمۡ" سے یا تو منافقین کا گروہ مراد ہے یا اس سے کچھ ایسے ضعیف الایمان افراد مراد ہیں جنہوں نے جنگ میں شرکت نہ کی تھی اور پھر حیلے بہانے بنانے لگ گئے تھے۔

☆ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسولِ خداؐ حضرت علیؑ پر ہمیشہ شفقت کیا کرتے تھے اور ان سے طویل سرگوشی کیا کرتے تھے اسی لئے کچھ منافقین نے آنحضرتؐ پر یہ الزام لگایا کہ یہ تو بس نرے کان ہیں اور آپ لوگوں کی باتوں میں جلد از جلد آ جاتے ہیں (تفسیر نور الثقلین)

رسولِ اکرمؐ نے اپنی عترت کے متعلق فرمایا (من اذانی فی عترتی فعلیه لعنة الل ه) جس نے میری عترت کے متعلق مجھے ایذا پہنچائی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

آپ نے حضرت فاطمہؑ کے متعلق فرمایا "من اذاها فقد اذانی" جس نے اسے اذیت دی تو اس نے مجھے اذیت دی۔ (ملحقات احقاق الحق جلد ۹ ۴۳۹، ۵۸، ۱۸/۴)۔

پیام

۱۔ایک گروہ آنحضرتؐ کو مسلسل اذیت دیا کرتا ہے کیونکہ (يُؤۡذُوۡنَ) فعل مضارع ہے جو کہ تسلسل اور استمرار کی علامت ہے۔

۲۔رسولِ مقبول کے جملہ اصحاب عادل نہیں تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو آپ کو ایذائیں دیا کرتے تھے (يُؤۡذُوۡنَ)۔

۳۔اُمت کا رہبر لوگوں کی ایذا رسانیوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرائض کو ادا کرتا ہے (يُؤۡذُوۡنَ النَّبِيَّ)۔

۴۔پیغمبر کو اذیت پہنچانا کفر ہے (تفسیر المنار) کیونکہ (الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ) کے الفاظ (الذين امنوا) کے مدِ مقابل ہیں۔

۵۔منافق اتنے خراب تھے کہ رسولِ خدا کے خلاف بھی پروپیگنڈا کرنے سے نہیں چوکتے تھے (وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ)

۶۔اللہ تعالیٰ منافقین کی سات پردوں میں بھی کی جانے والی گفتگو سے آنحضرت کو مطلع کرتا تھا (وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ)

۷۔انسان کو چاہئے کہ وہ تمام لوگوں کی باتیں سنے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ میری تو بات ہی نہیں سنی گئی خواہ اس وجہ سے لوگ کسی کو سادہ لوح ہونے کا طعنہ ہی کیوں نہ دیں۔(وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ)

۸۔سننے کے آداب میں یہ چیز شامل ہے کہ انسان پورے وجود کے ساتھ کسی کی گفتگو سنے چنانچہ لفظ "اذن" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سراپا کان ہوتے تھے۔

۹۔اُمت کے مفاد کے لئے کچھ سنی ہوئی باتوں سے تغافل بھی کرنا چاہئے (اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ)۔

۱۰۔بعض اوقات تربیتی، معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کے تحت خاموش رہنا کسی ردِعمل کے اظہار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ (اُذُنُ)

۱۱۔ایک اچھے رہبر کیلئے ضروری ہے کہ وہ وسیع القلب ہو اور تمام گروہوں کی باتوں کو دل جمعی سے سنے اور پردہ نشینی سے بھی کام لے (قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ)۔

۱۲۔ رہبر کو چاہیئے کہ وہ کشادہ روئی اور خیر خواہی کے جذبات سے لوگوں کی باتوں کو سنے (اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ)۔

۱۳۔ ہر بات سننے کے بعد خاموشی رضامندی کی دلیل نہیں ہے (اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ)۔

۱۴۔ اذیت شدہ شخص کی حمایت کرنی چاہیئے کیونکہ یہ آیت کریمہ بیان کرتی ہے کہ دشمنوں نے آنحضرت کو (اُذُنٌ) کہہ کر آپ کو اذیت دی اس کے جواب میں خدا نے چار الفاظ سے آنحضرت کو تسلی دی۔

۱۔ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ　۲۔ يُؤْمِنُ بِاللهِ　۳۔ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ　۴۔ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

۱۵۔ اگر کوئی مومن خبر دے تو اس کی تصدیق کرنی چاہیئے (وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ)۔

۱۶۔ رسولِ خدا اگر تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں مگر اہلِ ایمان اس رحمت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں (وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)۔

۱۷۔ رسولِ خدا کو اذیت دینے والوں کو خدا کے دردناک عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ (لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)

آیت نمبر 62

يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ

وہ (منافق) تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر وہ مومن ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول اس امر کے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے۔

پیام

۱۔ منافق ہمیشہ خوف واضطراب میں رہتا ہے اور اس کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ قسمیں کھا کر لوگوں کے عقائد سے ناجائز استفادہ کرے اور ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے۔ (يَحْلِفُوْنَ ... لَكُمْ)

۲۔ مسلمانوں کے لئے اس میں یہ پیغام ہے کہ ہر قسم کے دھوکے میں مت آئیں کیونکہ بہت سے نامقدس افراد مقدس اشیاء کی قسمیں کھایا کرتے ہیں (يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ)

۳۔ مومن کا ہدف رضائے خداوندی ہوتا ہے وہ لوگوں کی پسند اور ناپسند کی طرف متوجہ نہیں ہوتا (وَاللهُ ... اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ)

۴۔ رضائے رسول دراصل رضائے الٰہی ہے اس سے ہٹ کر کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آیت میں "اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ" کے الفاظ آئے ہیں "اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ" کے الفاظ وارد نہیں ہیں (یہ بات بھی ممکن ہے کہ "يُّرْضُوْهُ" کے الفاظ اسی لئے نہ لائے گئے ہوں کہ اس سے بتانا مقصود ہو کہ کائنات کی کوئی چیز حتی کہ پیغمبر اکرمؐ بھی خدا سے مساوی نہیں ہیں)۔

۵۔ جو شخص مخلوق کی رضا کو خالق کی رضا پر ترجیح دے تو وہ شخص منافق ہے اسے یہ بتانا چاہیئے کہ مخلوق کی رضا کو تلاش نہ کرے اس کے برعکس خدا اور اسکے رسول کی رضا کی جستجو کرے۔ (وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ)

آیت نمبر 63

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّہٗ مَنۡ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خَالِدًا فِیۡہَا ؕ ذٰلِکَ الۡخِزۡیُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۶۳﴾

کیا انہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھے اس کا انجام دوزخ کی آگ ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بہت بڑی رُسوائی ہے (جو کہ مخالفین کے مقدر میں ہے)۔

نکات۔حل لغات

لفظ "یُّحَادِدِ اللّٰہَ" یا تو اس کا معنی خدا کی قدرت کو محدود قرار دینا ہے گویا یہ سمجھ لینا کہ خدا ان پر اپنا قہر و غضب نازل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یا یہ کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ "حدد" سے مشتق ہے جس کے معنی شدید مخالفت کے ہیں اور لفظ "مُحَادَہ" یا تو خدائی قوانین سے تجاوز کرنے کے معنی میں ہے یا پھر اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا مدِ مقابل قرار دیتے ہیں۔

پیام

۱۔ رہبر حق کے ساتھ مخالفت دراصل خدا سے مخالفت کے مترادف ہے۔ (مَنۡ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ)۔

۲۔ جھوٹی قسم کھا کر اپنی آبرو کی حفاظت خدا سے شدید دشمنی کی علامت ہے۔ (یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ۔۔ مَنۡ یُّحَادِدِ اللّٰہَ)

۳۔ جان بوجھ کر دین خداوندی کے مدِ مقابل دشمنی کا انجام آتشِ دوزخ ہے (اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا۔۔ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ)

۴۔ دوزخ کی یاد اتنی مؤثر ہے کہ اس سے خدا دشمنی میں رکاوٹ پیدا کی جا سکتی ہے۔ (فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ)

آیت نمبر 64

یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ بِمَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ قُلِ اسۡتَہۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰہَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ

منافقین اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ کہیں سورۃ نازل ہو کر ان کے دلوں کی کیفیت سے آگاہ کر دے۔ آپ کہہ دیں (جتنا چاہو) مذاق اڑا لو تم جن کیفیات کے آشکار ہونے سے ڈر رہے ہو خدا اسے آشکار کر دے گا۔

نکات

☆ آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ جنگ تبوک سے واپسی پر منافقین نے یہ منصوبہ بنایا کہ راستے میں

ایک پہاڑ کی ڈھلوان کے پاس (وادی عقبہ) میں رسولِ خدا کے اونٹ کو ڈرائیں گے جس سے وہ اونٹ بدک جائے گا اور آنحضرتؐ اس سے گر کر شہید ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو ان کے منصوبہ سے آگاہ کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر اور حذیفہ بن الیمان آنحضرتؐ کے اونٹ کے آگے پیچھے اس کی حفاظت کر رہے تھے الغرض رسولِ خداؐ کا اونٹ اس وادی کے ڈھلوان پر پہنچا تو منافقین نے حملہ کر دیا۔ رسولِ خداؐ نے انہیں پہچان لیا اور آپ نے حذیفہ کو سب کے نام بتائے۔ حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کے قتل کا حکم صادر کیوں نہیں کرتے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہنے لگ جائیں کہ جب محمدؐ کو حکومت ملی تو اس نے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا (ملاحظہ فرمائیں۔ المیزان، فی ظلال القرآن، مجمع البیان، تفسیر کبیر رازی اور نمونہ)

☆ منافقین آنحضرتؐ کے پس پشت بیٹھ کر یہ مذاق کیا کرتے تھے کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ ان کے لئے شام کے محلات و قصور مسخر کر دئے جائیں گے!

اس پر آیت نازل ہوئی اور انہیں تہدید کی گئی اور اس سے انہیں رُسوائی اُٹھانی پڑی (مجمع البیان)۔

آیات الٰہی کے ایک مجموعہ کو لفظ ''سورت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس لفظ کا اطلاق قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح صدر اسلام میں بھی رائج اور متداول تھی۔

پیام

۱۔ منافق کو ہر وقت اپنی اندرونی کیفیت کے فاش ہونے کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ (يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ)

۲۔ منافقین ہر وقت خوف زدہ اس لئے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ خدا ان کے اعمال و افعال سے آگاہ ہے اور یہ کہ رسولِ اکرم حق پر ہیں اور ان کا خدا سے رابطہ ہے اسی لئے انہیں یہ خوف بے چین کئے رکھتا تھا کہ کہیں کوئی سورت نازل ہو کر ان کی رُسوائی کا سامان فراہم نہ کر دے (يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ)

۳۔ قرآنی آیات تدریجی طور پر اور حسبِ ضرورت نازل ہوئی تھیں (اَنْ تُنَزَّلَ۔ سُوْرَةٌ)۔

۴۔ ٹھٹھہ اڑانا منافقین کا شیوہ ہے "اسْتَهْزِءُوْا" (ممکن ہے کہ استہزاء سے منافقت مراد ہو)۔

۵۔ اللہ تعالیٰ منافقین کی سرگرمیوں کی ہمیشہ طشت از بام کر دیتا ہے اسی لئے ہمیں منافقین کی وجہ سے زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے (اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ)

۶۔ اللہ کا ارادہ منافقین کی خواہشات پر غالب ہے۔ (يَحْذَرُ۔ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ)

۷۔ منافقین کو ہمیشہ ڈرانا دھمکانا چاہئے۔ (اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ)

آیت نمبر 65

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ﴿۶۵﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے (تم نے مذاق کیوں اُڑایا؟) تو وہ قطعی طور پر یہ کہیں گے کہ ہم محض مذاق اور کھیل تماشا کر رہے تھے (اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد نہیں تھا) آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا تمسخر اڑاتے ہو؟

نکات

عربی زبان میں "خَوض" کے معنی کیچڑ میں پاؤں کو داخل کرنا ہے قرآن کریم میں یہ لفظ غیر شائستہ افعال کے ارتکاب کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

یہ آیت جنگِ تبوک سے مربوط ہے منافقین نے تبوک سے واپسی پر آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر ہماری سازش پکڑی گئی تو پھر کیا کریں گے؟

دوسرے منافق نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ ہم تو بس مذاق کر رہے تھے یہ جواب "عذر گناہ بدتر گناہ" کا مصداق تھا (تفسیر مجمع البیان)

پیام

۱۔اپنے غلط اعمال کی جھوٹی توجیہ پیش کرنا منافقین کا پرانا شیوہ ہے (وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ)

۲۔جب منافقین کا بھانڈہ پھوٹ جائے تو وہ پسپائی کرتے وقت دروغ گوئی کا سہارا لیتے ہیں (لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ)

۳۔اللہ نے منافقین کی مستقبل کی توجیہ کی پہلے سے خبر دے کر انہیں رُسوا کیا ہے۔ (لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ)

۴۔منافق اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی خطرناک سازشوں کو کھیل کود کا نام دیتے ہیں چنانچہ (لَیَقُوۡلُنَّ) میں لام حرف قسم اور (اِنَّمَا) کلمہ حصر ہے۔

۵۔پیغمبر منافقین کو توبیخ کرنے پر مامور تھے (قُلۡ اَبِاللّٰہِ)۔

۶۔مقدسات اسلامی کا مذاق اُڑانا ناجائز ہے (قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ)۔

آیت نمبر 66

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَۃٍ مِّنۡکُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَۃً

بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ۠﴿۶۶﴾

(بلاوجہ) بہانے مت تراشو تم لوگ اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم نے تمہارے ایک گروہ (توبہ کی غرض سے یا ان کی پہلی غلطی سمجھ کر) سے درگذر کریں تو ہم دوسرے گروہ کو ان کے سابقہ جرائم کی وجہ سے عذاب دیں گے۔

نکات

منافقین کے کس گروہ کو بارگاہِ الٰہی سے معافی مل سکتی ہے؟ اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

الف۔ جو توبہ کریں گے۔

ب۔ ایسے منافق جو منافقین کے سرداروں کے دم چھلا بنے ہوئے تھے اور منافقت میں پوری طرح سے پختہ نہیں تھے (تفسیر کبیر فخر الرازی)۔

ج۔ ایسے منافق جن کو معاف کرنا نظام حکومت کی مصلحت میں ہو (تفسیر المیزان)

د۔ کچھ منافق روز اول سے ہی منافق تھے اور ان میں منافقت کی جڑیں گہری تھیں ان کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسے منافق تھے جو منافقت کا طویل تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کی بخشش کی امید کی جاسکتی ہے جب کہ پکے منافقین ہر صورت لائق عذاب ہیں (كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ)

پیام

۱۔ دروغ گو اور مسخرہ باز افراد کا عذر ہمیشہ قابل قبول نہیں ہوتا (لَا تَعۡتَذِرُوۡا)۔

۲۔ ارتداد کی وجہ سے تمام عذر نا قابلِ قبول بن جاتے ہیں (قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ)۔

۳۔ ہمیں موجودہ ایمان پر مغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ برے انجام اور (ارتداد) کے خطرات موجود ہیں (قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ)۔

۴۔ اللہ، رسول اور آیات الٰہی کا استہزاء اور توہین موجب کفر ہے (تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ... كَفَرۡتُمۡ)۔

۵۔ منافق درحقیقت کافر ہوتا ہے (كَفَرۡتُمۡ)۔

۶۔ سازشی منافقین اور مخالفین کو تنبیہ کرتے وقت تمام راستوں کو بند نہیں کرنا چاہئے (نَّعۡفُ)۔

۷۔ کچھ منافق قابل معافی ہیں اگر وہ توبہ کرلیں تو انہیں معافی مل سکتی ہے (اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ)۔

۸۔ جن منافقین کو عذاب دیا جائے گا تو اس کے دو اسباب ہونگے ۱۔ وہ کافر ہیں۔ ۲۔ وہ قدیمی مجرم ہیں (كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ)۔

آیت نمبر 67

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۶۷﴾

منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے ہیں (ایک ہی قماش کے ہیں) یہ منکر (برائی) کا حکم دیتے ہیں اور "معروف" (نیکی) سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو (انفاق وبخشش سے) بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کو فراموش کر دیا ہے۔ اللہ نے بھی انہیں فراموش کر دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ منافق ہی فاسق (بدکار) ہیں۔

نکات

☆ صدر اسلام میں منافقت صرف مردوں تک ہی محدود نہیں ہے عورتوں میں بھی یہ مرض پایا جاتا تھا اور وہ بھی فساد پھیلانے میں اہم برابر کا کردار ادا کر رہی تھیں۔

سوال۔ اللہ تعالیٰ پر نسیان (بھول چوک) طاری نہیں ہوتا چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم / ۶۴) تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے جبکہ اس آیت میں خدا نے فرمایا کہ منافقین نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی ان کو بھلا دیا۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔ اللہ کی طرف فراموشی کی نسبت مجازی ہے مقصد یہ ہے کہ خدا ان کے ساتھ فراموش شدہ افراد کی مانند سلوک کرے گا۔ نہ یہ کہ انہیں فراموش کر دے گا۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت کو فراموش کرے تو اس کی جزاء یہ ہے کہ وہ خود کو فراموش کر دے گا (تفسیر نور الثقلین)۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ کے فراموش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اسے بھلائی سے محروم کر دیتا ہے (تفسیر برہان)۔

پیام

۱۔ معاشرے کی اصطلاح اور مفاد میں مرد و عورت دونوں کا کردار ہوتا ہے۔ (اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ)۔

۲۔ کچھ منافق مرکزی کردار ادا کرتے ہیں اور کچھ ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ (بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ) (نفاق کے کئی درجے ہیں)۔

۳۔ اہلِ نفاق کے اگرچہ بہت سے درجے ہیں لیکن ان سب کا کردار مساوی ہوتا ہے۔ (بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ)۔

۴۔ منافقین اگرچہ قسمیں کھا کر یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں لیکن ان پر اعتماد نہ کرو وہ ایک دوسرے سے ہیں۔ (بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ)

۵۔ برائیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کی دعوت اور بھلائیوں سے روکنا منافقت کی علامت ہے۔ (يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ)

۶۔منافقین کا آپس میں گہرا ارتباط ہوتا ہے (بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ)
۷۔منافقین کی لعنت میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے الفاظ ہی سرے سے موجود نہیں ہوتے۔ (يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ)۔
۸۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور انفاق فی سبیل اللہ کو ترک کرنا خدا فراموشی کی دلیل ہے (نَسُوا اللّٰهَ)
۹۔اللہ کے کرم سے محرومی اور رحمت الٰہی سے فراموش شدہ ہونا خدا فراموشی کا نتیجہ ہے (فَنَسِيَهُمْ)
۱۰۔اعمال اوران کی جزاء میں بڑی مناسبت پائی جاتی ہے (نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ)
۱۱۔منافقین لوگوں کی رضامندی کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ خدا کی رضامندی کے (نَسُوا اللّٰهَ)
۱۲۔منافقت اور دوغلا پن "فِسق" ہے (هُمُ الْفٰسِقُوْنَ)

آیت نمبر 68

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے آتشِ دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ (دوزخ) ان کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے (اور اپنے لطف وکرم سے انہیں دور کردیا ہے) ان کے لئے مستقل عذاب ہے۔

پیام

۱۔تکالیف الٰہی (احکام شرعی) میں مرد وعورت مساوی ہیں (الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ)۔
۲۔خدا کی طرف سے ملنی والی جزاء سزا ہمارے اپنے اعمال کی نتیجہ ہوتی ہے اور عمل اور جزاء میں گہری مناسبت پائی جاتی ہے۔اس سے قبل ۶۵ ویں آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافق مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اس آیت میں اللہ نے 'وَعَدَ'' اور ''حَسْبُهُمْ '' کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ بہ ظاہر بھلائی کے وعدو اور تسلی بخش کفایت کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔اسی طرح سے خدا نے منافقین کا ایک طرح سے مذاق اُڑایا ہے اور ان کی تحقیر کی ہے۔
۳۔دوزخ کے وعدہ کی ابتداء منافقوں سے کی گئی اس کے بعد کافروں کا ذکر کیا گیا (وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ)
۴۔منافقین اس دنیا میں اگرچہ اپنے آپ کو اہلِ ایمان جماعت کا فرد بتلاتے نہیں تھکتے لیکن قیامت کے دن وہ کفار کی جماعت میں شامل ہونگے (الْمُنٰفِقِيْنَ... وَالْكُفَّارَ)
۵۔دوزخ ہر طرح کے رنج والم کا مرکز ہے لہذا وہ منافقین اور کفار کی سزا کے لئے کافی ہے (هِيَ حَسْبُهُمْ)

آیت نمبر 69

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹

(تم منافقین کا حال بھی) ان لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زیادہ طاقت ور اور اموال اور اولاد میں تم سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے اپنے حصے کے خوب مزے لوٹے پس تم بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح لوٹ رہے ہو جس طرح تم سے پہلوں نے اپنے حصے کے مزے لوٹے جس طرح وہ باطل بحثیں کرتے تھے تم بھی کرتے رہتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا وآخرت میں برباد ہو گئے اور یہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

نکات

اس آیت میں لفظ ''خَلَاق'' مطلقاً حصہ کے معنی میں آیا ہے اگر چہ لغت میں یہ لفظ ان اخلاق و اخلاقیات کے لئے استعمال ہوتا ہے جنھیں انسان اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

دارِ دنیا میں منافقین کے اعمال کا حبط ہو جانا شاید ان کے حقیقی چہرے کی نشاندہی کے لئے ہے مقصد یہ ہے کہ ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

پیام

۱۔ اقوام و ملل کی تاریخ اور سرنوشت میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ (كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ)

۲۔ ہر دور میں کفر اور نفاق موجود رہا ہے۔ اور خدائی روش بھی ہر دور میں یکساں رہی ہے۔ (كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ)

۳۔ فوجی قوت (قُوَّةً) اور اقتصادی وسائل (اَمْوَالًا) اور افرادی اور انسانی قوت (اَوْلَادًا) قہر الٰہی سے رکاوٹ ثابت نہیں ہو سکتی۔

۴۔ منافقین اور کفار اپنی قوت اور مال و اولاد پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَ...)

۵۔ دنیاوی منافع کے حصول کے لئے ایمان شرط نہیں ہے۔ دنیاوی منافع کفار و منافقین کو بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ (فَاسْتَمْتَعُوْا)

۶۔ دنیاوی کامیابیاں اور کامرانیاں جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ (فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِم)

۷۔انبیاء کے مخالفین کی دنیاوی کامیابی ان کی کدکاوش کی مرہونِ ہے۔ (فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ)

۸۔ ہر کامیابی اور کامرانی کو رضائے الٰہی کی دلیل نہیں سمجھنا چاہئے۔ (فَاسْتَمْتَعُوْا...حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ)

۹۔حق کے منحرف افراد کو بھی اللہ دنیاوی نعمات کا حصہ عطا کرتا ہے۔ (بِخَلَاقِهِمْ) جب کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ (أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ) (آل عمران/۷۷) ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا)

۱۰۔بگاڑ اور مفاد میں ڈوبے رہنا اور دین سے جنگ کرنا سقوط کا موجب ہوتا ہے۔ (خُضْتُمْ. خَاضُوْا) جب کہ گناہ کے بعد توبہ سے نجات کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

۱۱۔کفر ونفاق کا حبط اعمال کا موجب ہوتا ہے۔ (حَبِطَتْ)

آیت نمبر 70

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

کیا ان تک ان سے پہلی اقوام قوم نوح، عاد ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور زیر وزبر شدہ شہروں کے حالات نہیں پہنچے۔ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر گئے تھے۔ (لیکن انہوں نے ضد بازی کی تباہ ہو گئے۔) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے تھے۔

نکات

☆ قوم نوح غرق ہوئی تھی قوم عاد (حضرت ہود کی قوم) پر سرد اور زہریلی ہوا کا عذاب آیا تھا قوم ثمود (حضرت صالح کی قوم) زلزلہ سے تباہ ہوئی تھی۔قوم مدین (حضرت شعیب کی قوم) آگ برسانے والے بادلوں سے ہلاک ہوئی اور قوم لوط کی زمین کو الٹ کر ہلاک کیا گیا۔

٠مُؤْتَفِكَات کا لفظ "اِئْتِفَاف" سے مشتق ہے جس کے معنی زیر وزبر ہونے کے ہیں اور یہاں قوم لوط کے عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پیام

۱۔خدا کی روش ہے کہ وہ مجرمین کو دنیاوی سزا دیتا ہے۔ (اَلَمْ يَاْتِهِمْ) اور تمھارے متعلق بھی خدا کی وہی روش ہے۔جو اس نے سابقہ اقوام سے روا رکھی تھی۔

۲۔جس کے پاس جتنا علم زیادہ ہوتا ہے۔اتنا ہی اس کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔(اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ)رسولِ اکرم کے دور کے افراد گذشتہ اقوام کی سرنوشت سے آگاہ تھے۔

۳۔گذشتہ اقوام کی تاریخ وواقعات کا علم انتہائی اہم اور فائدہ مند ہے۔(نَبَاُ)اہم اور فائدہ بخش خبر کو "نَبَاُ" کہا جاتا ہے۔

۴۔جو تاریخ سے عبرت حاصل نہ کرتا ہوا سے توبیخ کرنی چاہئے۔(اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ)موجودہ زندگی کے لئے گذشتہ تاریخ سے عبرت حاصل کرنا بہترین درس ہے۔

۵۔اتمامِ حجت کے بعد ہی خدا کا قہر نازل ہوتا ہے۔(اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ)

۶۔خدا کے احکام سے انحراف کرنا اپنے اوپر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔(اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ)

۷۔انسان صاحبِ اختیار ہے اور وہ ہر طرح کے حالات میں فیصلہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔(اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ۔۔۔وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ)

۸۔ظلم کی روش پر قائم رہنا عذابِ الٰہی کے نزول کا موجب ثابت ہوتا ہے۔(کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ)

آیت نمبر 71

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۘ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیۡعُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ سَیَرۡحَمُہُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ○

اہلِ ایمان مرد و عورتیں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔وہ معروف (بھلائیوں) کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں (منکرات) سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔عنقریب خدا انہیں اپنی رحمت میں شامل کرے گا۔بے شک اللہ غالب اور حکیم ہے۔

نکات

☆اس سے قبل ۶۷ ویں آیت میں منافقین کے باہمی ارتباط کو (بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔اس آیت میں اہلِ ایمان کے باہمی ارتباط کو (بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ) کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔شاید الفاظ کے اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ منافقین کا اگرچہ مشن ایک ہے۔لیکن ان میں اہل ایمان کی سی عمیق وحدت اور سرپرستی کا رابطہ موجود نہیں ہے۔منافقین کو صرف اپنے ذاتی اغراض سے سروکار رہتا ہے۔اور ان کا اتحاد صرف شکل وصورت کا اتحاد ہی ہوتا ہے۔بالفاظ قرآن "تَحۡسَبُہُمۡ جَمِیۡعًا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ شَتّٰی" (حشر/۱۴) آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ متحد ہیں جبکہ ان کے دل جدا ہیں۔

☆امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسرے واجبات کی ادائیگی کا ذریعہ ہیں اسی لئے انہیں نماز اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادات پر انہیں مقدم رکھا گیا ہے۔(تحف العقول۔ص ۲۳۷)

پیام

۱۔معاشرے کی اصلاح کے لئے مرد وعورت دونوں کا کردار اہم ہوتا ہے۔(وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ)

۲۔اسلامی معاشرے میں اہل ایمان ایک دوسرے کے لئے محبت سے لبریز جذبات رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک دوسرے پر حق ولایت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے لاتعلق نہیں ہوتے۔ (بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ)

۳۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا خدائی فریضہ ہے۔جو تمام اہلِ ایمان مرد وزن پر فرض ہے۔اور اس کا سرچشمہ ایک دوسرے پر حق ولایت کا رکھنا ہے۔(بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ۔۔۔يَنْهَوْنَ)

۴۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پوری قوت سے سرانجام دینا چاہیئے۔ نہ کہ کمزوری سے (يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ)

۵۔امر ونہی محبت وولایت کے زیرِ سایہ قابل اجراء ہے۔ (بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ)

۶۔عبادی امور کے ساتھ ساتھ محرومین کی مدد اور اہلِ افلاس کی مکمل بحالی بھی مومنین کے فرائض میں شامل ہے۔(يُقِيْمُوْنَ، وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ)

۷۔معاشرے کی صلاح وفلاح میں ایمان اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ)

۸۔امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نماز کا قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اہلِ ایمان کے دائمی فریضہ میں شامل ہے۔(يَاْمُرُوْنَ، يَنْهَوْنَ، يُقِيْمُوْنَ، يُؤْتُوْنَ، يُطِيْعُوْنَ)

۹۔دوسروں کو نیکی کی تبلیغ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود باعمل ہوں۔(يَاْمُرُوْنَ، يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ۔۔۔)

۱۰۔خدا اور رسول کی اطاعت پورے ذوق وشوق سے ہونی چاہیئے۔(يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) لغت میں شوق ومحبت سے پیروی کرنے کو اطاعت کہا جاتا ہے

۱۱۔تمام عبادی امور میں خدا اور رسول کی جس طرح سے اطاعت فرض ہے ایسا ہی حکومتی امور میں بھی خدا اور رسول خدا کی اطاعت فرض ہے۔ (يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ)

۱۲۔انسانی اعمال رحمتِ الٰہی کے لئے زمین ہموار کرنے کا سبب بنتے ہیں۔(يَاْمُرُوْنَ، يَنْهَوْنَ، يُقِيْمُوْنَ، يُؤْتُوْنَ، يُطِيْعُوْنَ، سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ)

۱۳۔رحمتِ الٰہی کے لئے مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔رحمت کے استحقاق میں دونوں مساوی ہیں۔ (الْمُؤْمِنُوْنَ

وَالْمُؤْمِنٰتُ ....سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ)

آیت نمبر 72

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

اللہ نے اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں سے (بہشت کے) باغات کا وعدہ کیا ہے۔جن کے (درختوں) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ قیام گاہیں ہیں۔اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو ان سب سے بڑھ کر ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے (سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ) فرما کر اہلِ ایمان پر رحم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔جب کہ اس آیتِ مجیدہ میں اس رحمت کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ روایات میں بیان ہوا ہے۔ کہ (جَنّٰتِ عَدْنٍ) بہشت کا بہترین حصہ ہے۔اور جنت کے اس حصہ میں انبیاء،صدیقین اور شہداء قیام پذیر ہوں گے۔اور اس میں اتنی نعمات ہوں گی جو کہ چشم تصور سے بھی کہیں زیادہ ہوں گی۔(تفسیر کنز الدقائق)

اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کا موازنہ۔

سورہ توبہ کی آیات ۶۷،۶۸،۷۱،۷۲ کے مطالعہ سے اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کے حسب ذیل خصوصیات کھل کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔منافق کا کردار (يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ) ہے۔وہ برائی کا حکم کرتا ہے۔اور نیکی سے منع کرتا ہے۔ جبکہ مومن کا کردار یہ ہے۔کہ وہ (يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے۔اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔اور برائی سے منع کرتا ہے۔

۲۔منافق خدا فراموش ہوتا ہے۔(فَنَسُوا اللّٰهَ) جب کہ اہل ایمان (وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ) وہ نماز قائم کرتے ہیں کے مصداق ہوتے ہیں۔

۳۔اہلِ نفاق (يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ) کے تحت بدترین کنجوس ہوتے ہیں۔جب کہ اہلِ ایمان (وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ) پر عمل کرتے ہوئے زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

۴۔منافق (بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ) ہیں جبکہ اہلِ ایمان (بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ) ہیں۔

۵۔منافق (فَاسِقُوْنَ) ہیں جبکہ مومن (يُطِيْعُوْنَ اللهَ) ہیں

۶۔اہلِ نفاق سے (نارِ جهنم) کا وعدہ کیا گیا ہے۔جب کہا اہلِ ایمان سے (جنات اور مساکنِ طیبہ) کا وعدہ کیا گیا ہے۔

۷۔منافقین کے لئے خدا نے (لعنهم الله) کہا ہے۔اور اہلِ ایمان کے لئے (رضوان من الله) کہا ہے۔

۸۔منافق (عذاب مقيم) اور مومن (فوزِ عظيم) کے حقدار ہیں۔

پیام

۱۔خدا کی طرف سے ملنے والی جزاء میں اہلِ ایمان مرد وعورت مساوی ہیں۔ (وَعَدَ اللهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ)

۲۔جنت کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اہلِ جنت وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں کی نعمات بھی جاودانی ہوں گی۔

۳۔آخرت کی زندگی صرف روحانی اور معنوی نہیں ہوگی۔وہاں کی زندگی مادی اور جسمانی ہوگی۔ (جَنّٰتٍ، مَسٰكِنَ طَيِّبَةً)

۴۔اچھی رہائش کی قدر و قیمت کے لئے اس کا اچھے ماحول اور مقام میں ہونا بھی ضروری ہے۔(مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ)

۵۔پانی، سرسبزی، باغ و بوستان اور خوبصورت رہائش گاہ انسان کی فطری خواہش ہے۔یہ فطری خواہش معنویت پر ایمان لانے سے پوری ہوسکتی ہے۔(وَعَدَ اللهُ۔۔۔جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ)

۶۔معنوی لذات جنت کی مادی لذات سے بلند و برتر ہیں۔ (وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَرُ)

۷۔جنت کے بھی کئی مدارج ہیں (جَنّٰتٍ تَجْرِيْ، جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَرُ)

۸۔اللہ کی رضا اور اخروی کامیابی کا حصول ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ)

آیت نمبر 73

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔اور وہ بہت بری سرنوشت ہے۔

نکات

☆جب تک منافق مسلمانوں سے باقاعدہ جنگ نہ کریں اور کافر حربی نہ بنے ہوں تو اس وقت تک ان کے ساتھ زبان سے جہاد کیا جائے گا۔(تفسیر المنار)

☆اس آیت کے نزول سے قبل آنحضرتؐ منافقین کے ساتھ نرم برتاؤ کیا کرتے تھے۔لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے ان سے سخت برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔(تفسیر فی ظلال القرآن)

پیام

۱۔جہاد مسلمانوں کے رہبر کے فرمان اور نظریہ کے مطابق ہونا چاہیئے ۔ (یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ)

۲۔نظام اسلامی میں رہبر ہی سپہ سالار ہوتا ہے ۔ (یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ)

۳۔اسلام جہاد اور کفر ونفاق کے خلاف مبارزہ کا دین ہے۔(جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ)

۴۔ہمیں چاہیئے کہ اندرونی دشمنوں کے خلاف جنگ کریں۔(جَاهِدِ الْكُفَّارَ)

۵۔مسلمانوں کے رہبر کو استکبار کے خلاف مضبوط قوت ارادی کا مالک ہونا چاہیئے۔(یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ... وَاغْلُظْ)

۶۔رسول اکرمؐ اگرچہ پیکر رحمت تھے لیکن کفر ونفاق رکھنے والے دشمنوں سے آپ کو سختی برتنے کا حکم دیا گیا۔(وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ)

۷۔کفار اور منافقین سے جہاد ان کے لئے دنیاوی عذاب ہے۔اور آتش دوزخ ان کے لئے اخروی عذاب ہے۔(وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ)

۸۔منافق کا انجام برا ہوتا ہے۔(وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ)

آیت نمبر 74

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۷۴﴾

(منافقین) خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے (کفر آمیز بات) نہیں کی جب کہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے۔اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔اور انہوں نے ایسے کام (قتل پیغمبر) کا ارادہ کیا جسے وہ حاصل نہ کر سکے اور انہیں اس بات پر غصہ ہے۔کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو مالا مال کر دیا ہے۔پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔

نکات

☆اس سے قبل ۶۶ ویں آیت میں پیغمبر اکرمؐ کی زبانی یہ قول نقل ہوا ہے۔کہ" آپ نے منافقین سے،، کہا کہ (كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ) تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو۔جب کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے لئے فرمایا۔(كَفَرُوْا بَعْدَ

اِسْلَامِهِمْ) انہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کیا ہے۔
رسولِ خدا نے لفظ "اِیمَان" استعمال کیا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "اِسْلَام" استعمال کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ظاہری حالت دیکھ کر انہیں مومن تصور کیا تھا جب کہ اللہ دل میں چھپے ہوئے رازوں کو بہتر جانتا ہے۔اسی لئے انہیں مسلمان کہا ہے۔مومن نہیں کہا۔(تفسیر المیز ان)
☆ یہ آیتِ مجیدہ ان تمام سازشوں کو ظاہر کرتی ہے۔ جو منافقین نے رسولؐ اور اسلام کے خلاف کی تھیں جب کہ بہت سی شیعہ وسنی تفاسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت سے (لیلۃ العقبہ) کی سازش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
منافقین نے تبوک سے واپسی پر رسول اکرمؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ جب آنحضرتؐ کی اُونٹنی گھاٹی سے گذرنے لگے تو ہم وہاں گھات لگا کر اُونٹنی کو ڈرائیں گے جس کے نتیجہ میں وہ بدک جائے گی اور آنحضرتؐ وہاں گر پڑیں گے اور ہم ان کا کام تمام کردیں گے۔لیکن ان کا منصوبہ ظاہر ہوگیا اور وہ اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے۔(وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا)
☆ رویات میں بیان ہوا ہے۔کہ رسولِ خداؐ تبوک میں خطبہ دے رہے تھے کہ ایک منافق نے جس کا نام "حلّاس" تھا کہا کہ پیغمبر سچ کہہ رہا ہے تو پھر ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں۔
رسولِ خداؐ کے ایک صحابی عمر بن قیس نے اس کا جملہ سنا اور آنحضرتؐ کے گوش گذار کیا آنحضرتؐ نے اسے بلایا اور اس سے باز پرس کی۔اس نے الزام کی صحت سے انکار کردیا۔عامر بن قیس کا اصرار تھا کہ اس نے یہ نازیبا گفتگو کی ہے۔نبی اکرمؐ نے دونوں سے فرمایا کہ منبر کے پاس آکر اپنی اپنی صداقت کی قسم کھائیں چنانچہ دونوں نے قسمیں کھا کر اپنی اپنی صداقت کا یقین دلایا۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو "حلّاس" نامی منافق کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔(تفسیر المیز ان)

پیام

۱۔جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا منافق کی علامت ہے۔(يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ)
۲۔منافق نمک حرام تھے۔اسلام کی وجہ سے مالا مال ہوئے تھے اس کے باوجود آنحضرتؐ کا شکوہ کرتے تھے (وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ)
۳۔غنی بنا دینے کے فعل میں رسولِ خدا کا نام اللہ کے نام کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ کسی کام کی دونوں کی طرف نسبت دینا شرک نہیں ہے۔(اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ)
۴۔فضل کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے (مِنْ فَضْلِهٖ) یہاں (مِنْ فَضْلِهِمَا) نہیں کہا گیا۔اس کی نظیر اس سورہ کی ۶۲ ویں آیت میں بھی دکھائی دیتی ہے۔جہاں یہ فرمایا گیا ہے۔(وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ) اس آیت میں (يُّرْضُوْهُمَا) نہیں کہا گیا۔
۵۔اسلام نے صرف فکری اور اخلاقی تربیت ہی نہیں کی لوگوں کی مادی زندگی کو بہتر بنایا (اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ)
۶۔توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔حد یہ ہے۔کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہیں بھی توبہ

کی دعوت دی گئی ہے۔ (فَاِنۡ یَّتُوۡبُوۡا)

۷۔ دنیا میں علل واسباب کا نظام صدق پر مبنی ہے۔ اسی لئے منافقین کو دنیا میں سزا ملتی ہے۔ (یُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیۡمًا فِی الدُّنۡیَا) اصولِ کائنات یہی ہے کہ گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے۔ اور جَو سے جَو پیدا ہوتا ہے۔

۸۔ دنیا میں وحشت واضطراب، بے پناہی اور سرگردانی منافقین کے لئے عذاب ہے ہمیشہ مضطرب رہتے ہیں۔ (یُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیۡمًا فِی الدُّنۡیَا)

اس کی نظیر سورہ منافقن کی چوتھی آیت میں یوں ملتی ہے۔ (یَحۡسَبُوۡنَ كُلَّ صَیۡحَةٍ عَلَیۡهِمۡ)

(وہ ہر آواز کو اپنے خلاف تصور کرتے ہیں)

۹۔ منافقین کا انجام یہ ہے کہ وہ بے یارو مددگار ہو جائیں گے انہیں ہر طرف سے حقارت کا سامنا کرنا پڑے گا انہیں نہ تو عوام کی حمایت ملے گی اور نہ ہی حکومتیں ان کی سرپرستی کریں گی۔ (مَا لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ)

آیت نمبر 75-76

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝۷۵
فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝۷۶

اوران میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا تھا کہ اگر خدا نے اپنے فضل سے نوازا تو ہم ضرور صدقہ (زکوۃ) دیں گے اور ضرور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور (عہد سے) پشت کر کے روگردانی کرنے لگے۔

نکات

☆ ثعلبہ بن حاطب مدینہ کا ایک غریب مسلمان تھا اس نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کی آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ خدا مجھے دولت مند بنادے۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ تھوڑا رزق جس میں شکر ادا کرو اس سے زیادہ رزق سے کہیں بہتر ہے جس کا تم شکر ادا نہ کرسکو۔

ثعلبہ نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر خدا نے مجھے دولت عطا کی تو پھر میں تمام واجب حقوق ادا کروں گا۔

آنحضرتؐ نے دعا فرمائی۔ اُس کے پاس اتنی دولت آ گئی کہ اس نے جمعہ جماعت میں شرکت چھوڑ دی۔

آنحضرتؐ کی طرف سے عامل زکوۃ اس سے زکوۃ لینے گیا تو اس نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں جزیہ نہیں دیں گے۔ (تفسیر نور الثقلین)

فخر رازی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس انکار کے بعد پشیمان ہوا۔ اور زکوۃ کا مال لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن آنحضرتؐ نے زکوۃ لینے سے انکار کر دیا۔

جی ہاں انسان کو اپنے نفع ونقصان کا صحیح علم نہیں ہے اس لئے وہ بعض اوقات ایسی چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کے حق میں نقصان دہ

ہوتی ہے بہتری اس میں ہے کہ انسان خدا کے عطا کردہ رزق پر قانع رہے۔

☆ خدا سے ایسی ہی بدعہدی کی مثال سورہ اعراف میں بھی ملتی ہے۔ (دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّہُمَا لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ. فَلَمَّآ اٰتٰـہُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ) (اعراف/۱۸۹۔۱۹۰)

میاں بیوی دونوں نے اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم بچہ دیدیا تو ہم ضرور تیرے شکر گذاروں میں سے بنیں گے۔ اور جب خدا نے انہیں سالم بچہ دے دیا تو دونوں اس کی عطا میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگے۔

پیام

۱۔ انسان ناسپاس اور عہد شکن ہے۔ (عٰہَدَ اللّٰہَ ۔۔۔ لَنَصَّدَّقَنَّ ۔۔۔ بَخِلُوۡا بِہٖ)

۲۔ فقر اور مجبوری کے وعدے کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ (فَلَمَّآ اٰتٰہُمۡ ۔۔۔ بَخِلُوۡا)

۳۔ نالائق اور کم ظرف شخص کے لئے نعمت بھی عذاب بن جاتی ہے۔ اگر دولت باعث سقوط نہ بنے تو وہ قابل قدر ہے۔ (اٰتٰہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۔۔۔ تَوَلَّوۡا وَّہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ)

۴۔ مالِ دنیا سے دل لگانے سے انسان بدبخت بن جاتا ہے۔ اور جو بھی زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی میں بخل کرے تو آہستہ آہستہ دین سے روگردانی اختیار کر لیتا ہے۔ (بَخِلُوۡا ۔۔۔ وَّہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ)

آیت نمبر 77

فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ﴿۷۷﴾

پس اللہ نے ان کے دلوں میں اپنے حضور پیشی کے دن تک نفاق کو باقی رکھا۔ کیونکہ انہوں نے خدا سے وعدہ کرنے کے بعد بدعہدی کی ہے اور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کرنے اور محرومین کے لئے بخل کرنے سے انسان کی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔ (بَخِلُوۡا بِہٖ ۔۔ فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا)

۲۔ نفاق کے مختلف مدارج ہیں۔ ۱۔ زبان سے منافقت کرے ۲۔ عمل سے منافقت ۳۔ دل سے منافقت کرے۔ (فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ)

۳۔ منافقت کبھی وقتی ہوتی ہے اور کبھی مستقل اور پائیدار ہوتی ہے۔ (حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ (یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ) روزِ قیامت مراد ہے۔ (بحار جلد ۹۰/۱۳۲)(اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ)

۴۔ پیمان شکنی اور دروغ گوئی سے روحِ نفاق پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ گناہ کو ہی جنم دیتا ہے۔ (فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا ۔۔۔ بِمَاۤ

اَخۡلَفُوا ۔۔۔وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ)

۵۔انسان اپنی تمام تر بدبختیوں کا خود ہی ذمہ دار ہے۔(بِمَآ اَخۡلَفُوا ۔۔۔وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ)

آیت نمبر 78

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۷۸﴾

کیا انہیں نہیں معلوم کہ اللہ ان کے باطن اور سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیبوں کو جانتا ہے۔

نکات

ممکن ہے کہ لفظ "سِر" سے منافقین کا باطنی کفر مراد ہو۔ "نَجۡوٰىهُمۡ" سے ان کی سازشیں اور "اَلۡغُيُوۡبِ" سے ان کے اہداف اور نیتیں مراد ہوں۔(تفسیر فرقان)

پیام

۱۔منافق اپنے منصوبوں کو حدامکان تک پوشیدہ رکھتے ہیں جب کہ خدا ان کے ارادوں سے باخبر ہے اور انہیں خبردار کرتا رہتا ہے۔(اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا)

۲۔ناقص معرفت ہمیشہ ناقص عمل کا سبب ہوتی ہے۔(اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ۔۔۔لَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا۔۔۔)

۳۔جی ہاں اگر انسان یہ جان لے کہ اللہ اس کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تو اس سے اس کے تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے۔اور اس یقین کی وجہ سے منافقت ختم ہوجاتی ہے اور انسان سرزنش سے بچ جاتا ہے۔

آیت نمبر 79

اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○

منافقین جو کہ ان مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں جو (صدقات واجبہ کے علاوہ) مستحب صدقات رضا ورغبت سے دیتے ہیں اسی طرح سے وہ (تہی دست) اہلِ ایمان پر بھی عیب لگاتے ہیں جنہیں انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اپنی محنت ومشقت کے سوا کچھ بھی میسر نہیں ہے۔اللہ کا مذاق اڑانا (انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نکات

رسول خداؐ نے لوگوں سے مالی امداد طلب کی جس کے جواب میں دولت مند افراد نے دل کھول کر امداد کی اور غریب افراد نے اپنی

حیثیت کے مطابق امداد جمع کرائی منافقین نے زیادہ امداد دینے والوں پر ریا کاری کا الزام لگایا اور کم امداد کرنے والوں کا مذاق اڑایا (یَلۡمِزُوۡنَ) کا معنیٰ طعنہ زنی کرنا ہے یہ دولت مند اہل ایمان کے لئے ہے اور (فَیَسۡخَرُوۡنَ) کا معنیٰ مذاق اڑانا ہے اور یہ تہی دست اہل ایمان کے لئے ہے(بحار ۳/۳۱۹

رسول خداؐ کے ایک صحابی ابوعقیل انتہائی مفلس تھے انہوں نے لشکر اسلام کی امداد کے لئے کچھ کھجوروں کی مقدار پیش کی منافقین نے ان کا مذاق اڑایا اور کہا کہ ایک مٹھی کھجوروں سے رومی سلطنت کو شکست دی جاسکتی ہے!)

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے زیادہ مال دولت کا مالک ہونا شرط نہیں ہے اس کے لئے ،اخلاص ،ایمان ، اور سخاوت کی ضرورت ہے۔اس سے قبل ایت ۷۹ میں ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ ثعلبہ کے پاس بے پناہ دولت تھی اس نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ہے۔ابوعقیل انصاری ایک مفلس مزدور تھے انہوں نے مٹھی بھر کھجوروں سے لشکر اسلام کی مدد کی تھی۔

امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ (سَخِرَ اللّٰهُ) کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کے تمسخر کی ان کو سزا دے گا۔(بحارج ۳/۳۱۹)

پیام

۱۔انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کا مذاق اُڑانا منافقانہ عمل ہے کیونکہ منافقین خود عمل نہیں کرتے تھے اور جو مدد کرتے تھے ان کا مذاق اُڑاتے تھے(اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ)

۲۔اہل ایمان رضا رغبت سے مال خرچ کرتے ہیں (الۡمُطَّوِّعِیۡنَ)

۳۔جنگ کے لئے مالی مدد کرنے والوں کے جذبات کو سرد کرنا حرام اور منافقانہ عمل ہے(یَلۡمِزُوۡنَ...الۡمُطَّوِّعِیۡنَ...وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ)

۴۔منافقین کے مذاق اُڑانے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے اہل ایمان کے جذبات کو ٹھنڈا کریں (یَلۡمِزُوۡنَ...فَیَسۡخَرُوۡنَ) چنانچہ سورہ منافقین کی ساتویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (هُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا)

۵۔منافقین کی نظر میں مال کی مقدار کو اہمیت حاصل ہے جذبات واخلاص کی کوئی قدر قیمت نہیں ہے اس لئے وہ غریب مومنین کی امداد دیکھ کر اس پر فقرے کستے تھے(یَلۡمِزُوۡنَ...وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ)

۶۔معاشرے میں ضروریات کی کفالت کے لئے تمام قسم کے امکانات سے استفادہ کرنا چاہیئے (جُهۡدَهُمۡ)

۷۔ہر شخص کی ذمہ داری اس کی حیثیت کے مطابق ہے(لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ)

۸۔ہمیں اپنے فرائض سے عمل کرتے رہنا چاہیئے اور دشمن کے تمسخر اور استہزاء کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے (لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ) منافقین کے تمسخر پر خدا انہیں سزا دے گا۔(سَخِرَ اللّٰهُ)

۹۔عمل اور جزا میں تناسب ہونا چاہیئے۔(فَیَسۡخَرُوۡنَ...سَخِرَ اللّٰهُ)

آیت نمبر 80

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ○

آپ منافقین کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں) اور اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں تو بھی خدا ہرگز انہیں معاف نہ کرے گا۔ یہ قہر الٰہی اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور اللہ فاسق گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات

ستر ..۷۰.. کا عدد کثرت کا اشارہ ہے اس سے مخصوص تعداد مراد نہیں ہے مقصد آیت یہ کہ خواہ کتنی بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کریں وہ بے اثر رہے گی۔ یہ مقصد نہیں کہ اگر اکہتر بار استغفار کی گئی تو وہ مؤثر ہوگی۔

یہی وجہ کہ سورہ منافقون کی چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ فرمایا ہے (سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ) ان کے لئے برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں خدا انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس آیت میں خداوند نے تعداد مقرر نہیں کی۔ اگر میں جانتا کہ ستر سے زیادہ بار استغفار سے ان کی بخشش ہوسکتی ہے تو میں اس سے زیادہ بار استغفار کرتا (تفسیر مجمع البیان)

بعض اوقات انسان اتنا گر جاتا ہے کہ کوئی بھی چیز اسے نجات نہیں دلا سکتی۔ مثلاً اگر کسی بیمار کی روح پرواز کر جائے تو دنیا بھر کے ڈاکٹر اسے شفا نہیں دلا سکتے۔

پیام

۱۔ دین کا مذاق اڑانا اتنا بڑا جرم ہے کہ پیغمبر کی استغفار بھی ایسے شخص کے لئے غیر مؤثر ہو جاتی ہے (فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ؕ ... فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ)

۲۔ جب تک انسان اپنے اندر تبدیلی نہ لائے تب تک دعائے رسول بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتی۔ (فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ... كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ)

۳۔ ضدی منافق کے لئے ہمدردی بے فائدہ ہے۔ (اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ ... فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ)

۴۔ اللہ تعالیٰ ہدایت میں بخل نہیں کرتا لیکن منافقین ہدایت کے ظرفِ قابل سے محروم ہیں (كَفَرُوۡا)

۵۔ کفر مغفرت میں رکاوٹ ہے اور فسق ہدایت میں رکاوٹ ہے۔ (كَفَرُوۡا ... الۡفٰسِقِيۡنَ)

آیت نمبر 81

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ○

(غزوہ تبوک میں) پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ کا ساتھ دیئے بغیر بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔انہوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے کہ اس گرمی میں مت نکلو آپ کہہ دیں کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے کاش وہ سمجھ پاتے۔

نکات

یہ آیت جنگ تبوک کے پسِ منظر میں نازل ہوئی تھی اس آیت میں منافقین کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

(الف) جنگ میں شرکت نہ کرنے پر پشیمان ہونے کی بجائے وہ خوش ہیں۔

(ب) ان کے لئے جان مال سے جہاد کرنا نہایت بھاری ہے۔

(ج) وہ خود بھی جنگ میں نہ گئے تھے اور دوسروں کو بھی جنگ سے روکتے تھے۔

سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ راہ اسلام میں لوگوں کو مال خرچ کرنے سے منع کرتے تھے اور اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ لوگوں کو جہاد میں شامل ہونے سے روکتے تھے۔

پیام

۱۔فرمان پیغمبرؐ کی مخالفت کر کے جنگ میں شرکت نہ کرنا منافقت کی علامت ہے(فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ)

۲۔جنگ میں عدم شرکت سے بڑھ کر گناہ یہ ہے کہ رہبر کے تقدس کو پامال کر کے اس کے فرمان سے تخلف کیا جائے (بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا (بِمَقْعَدِهِمْ عَنِ الْجِهَاد)

۳۔رسول خدا کی اطاعت میں چوں چرا کی ہرگز اجازت نہیں ہے(بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ)

۴۔ایک بزدل مومن منافق سے بدرجہ افضل ہے کیونکہ وہ دولت خرچ کرتا ہے اور جہاد میں جانے کا دلی طور پر بھی خواہش مند ہوتا ہے جب کہ منافق نہ تو دولت کی قربانی دیتا ہے اور نہ ہی میدان جنگ میں جانا پسند کرتا ہے(كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا)

۵۔منافقین لوگوں کو جہاد سے روکنے کے لئے ایسی تبلیغات کرتے تھے کہ ان کا جذبہ جہاد ٹھنڈا پڑ جائے اور وہ موسم کی گرمی کے حیلوں سے لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے(قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ)

۶۔ ہمیں ہمیشہ جنگ کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے تاکہ منافقین کی جذبات سرد کرنے والی باتوں کو بے اثر بنایا جائے (وَقَالُوا ۔۔۔ قُل)

۷۔ جب دشمن کی تبلیغات کا جواب دینا مقصود ہو تو دشمن کی اصطلاحات سے استفادہ کرنا چاہیئے (الْحَرِّ ۔۔ اَشَدُّ حَرًّا)

۸۔ یاد معاد میں اتنا اثر ہے کہ اس سے انسان جہاد میں شریک ہونے پر آمادہ ہوسکتا ہے (قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ) حقیقی مومن موسم کی سختیوں کو جہاد میں رکاوٹ نہیں جانتے۔

۹۔ منافق کی نظر صرف ظاہر تک محدود ہوتی ہے اور گہری معرفت سے عاری ہوتے ہیں (لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ)

آیت نمبر 82

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۲﴾

انہوں نے جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کمائی کی اس کی سزا یہ ہے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔

نکات

اگر منافقین کو یہ علم ہو جائے کہ انہوں نے جہاد میں شریک نہ ہو کر بڑی غلطی کی ہے اور اس غلطی کی وجہ سے وہ کتنے عظیم انعام سے محروم ہوئے ہیں تو وہ زیادہ روئیں گے اور کم ہنسیں گے۔

جنگ میں عدم شرکت کی وجہ سے انہیں دوزخ کا عذاب نصیب ہوگا اس وقت وہ ہمیشہ روئیں گے اس لئے ان کی بہتری اسی میں ہے کہ خوشیاں منانے کی بجائے ساری عمر گریہ کریں

پیام

۱۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی دنیاوی سزا یہ ہے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں (فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ ۔۔۔ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءً)

۲۔ جزا عمل کے عین مطابق ہے منافقین نے جنگ میں نہ جانے کی وجہ سے خوشیاں منائیں تھیں لہذا اس لئے حکم دیا گیا کہ روؤ زیادہ اور ہنسو کم (فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ ۔۔۔ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا)

۳۔ منافق کی چندروزہ خوشیاں ان کی ابدی حسرت اور طولانی گریہ کا سبب ہیں (فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ ۔۔۔ وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا)

آیت نمبر 83

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ

الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

اگر اللہ تعالیٰ آپ کو (اس جنگ کے بعد) منافقین کے کسی گروہ کے پاس واپس لوٹائے تو اور وہ کسی اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ ہرگز جنگ کے لئے نہ نکلو اور میرے ساتھ شامل ہو کر کسی بھی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کرو تم پہلی بار گھر میں بیٹھ جانے پر راضی ہوئے تھے اب بھی ہمارے فرمان کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔

نکات

(الف) لفظ ,,خَالَفَ،، کے چند معانی ہیں اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جنگ سے پیچھے رہا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اس نے مخالفت کی اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ شخص بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے اور عاجزی کی وجہ سے جنگ میں جانے کے قابل نہیں ہے۔

(ب) جو کوئی سچی توبہ کرے اس کی توبہ قابل قبول ہے لیکن منافقین کی توبہ ظاہرداری اور ریاکاری پر مبنی ہے اس لئے ان کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔

(ج) اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ جنگ میں شرکت نہ کرنے والے منافقین کے پاس سے گزر کر جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تھے اور جنگ تبوک سے واپسی پر آپ کا وہاں سے گزر ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ یہ لوگ آپ کی صحیح سلامت واپسی پر آپ سے یہ درخواست کریں گے کہ آئندہ اگر کہیں جنگ کی ضرورت محسوس ہو تو ہمیں بھی اس میں شامل کر لینا اس طرح سے خدا نے منافقت کے چہرے کو واضح کیا اور انہیں رسوا کیا۔

پیام

۱۔ اگر کبھی منافق جہاد میں جانے کی درخواست کریں تو ہمیں چاہیئے کہ انہیں شمولیت سے روک دیں اور ان پر ہرگز بھروسہ نہ کریں۔ (فَاِنْ رَّجَعَكَ ... فَاسْتَاْذَنُوْكَ ... فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا) منافقین کا کردار یہ تھا کہ جب ضرورت تھی تو انہوں نے گھر میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دی تھی اور واپسی کے وقت وہ جنگ میں شرکت کی درخواست کر رہے تھے۔

۲۔ کل کے مداری آج مجاہد بننے کے خواہش مند تھے۔ لہذا انہیں اس شرف میں شریک نہیں کرنا چاہیئے۔ (لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا)

۳۔ ہمیں لوگوں کی سابقہ بداعمالیوں کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔ (رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ)

۴۔ منافقین کی تحقیر و تذلیل کرنی چاہیے۔ (فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ) رسولؐ کے ساتھ جہاد میں شرکت توفیق الٰہی ہے۔ منافقین نے جنگ سے دور رہ کر اپنے آپ کو توفیق الٰہی سے نااہل ثابت کیا تھا لہذا انہیں اس اعزاز سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھنا چاہیے۔ (لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ اَبَدًا)

آیت نمبر 84

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ﴿۸۴﴾

جب ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس پر نماز (جنازہ) نہ پڑھیں اور (دعا واستغفار کیلئے) اس کی قبر پر نہ کھڑے ہوں بلاشبہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور یہ مرے تو فاسق ہو کر مرے۔

نکات

☆ آنحضرتؐ کی عادت تھی کہ جب کوئی مسلمان اس جہانِ فانی سے رخصت ہوتا تو آپؐ اس کے مراسم تشیع وتدفین میں شرکت کرتے تھے آپ مرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھتے تھے اور اس کی بخشش کی دعا مانگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور اکرمؐ کو حکم دیا کہ وہ منافقین کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور اُن کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگیں۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ منافقین کے جنازے میں شریک ہوتے تو ان کی مغفرت کی دعا نہیں کرتے تھے۔اور چار تکبیر نمازِ جنازہ پڑھ دیتے تھے۔اور جنازہ کی پانچویں تکبیر نہیں کہتے تھے۔(تفسیر نور الثقلین۔الکافی جلد ۱۸۱/۳)

پیام

۱۔منافقین سے منفی انداز میں مبارزہ کرنا چاہئے۔(وَلَا تُصَلِّ...وَّلَا تَقُمۡ)

۲۔منافق کے جنازہ کی بھی تحقیر ہونی چاہیئے۔اس کے جنازہ کی مشایعت نہیں کرنا چاہیئے۔اور ان کی زیارت قبور کے لئے ہمیں ان کی قبروں پر نہیں جانا چاہیے۔(وَلَا تُصَلِّ..وَّلَا تَقُمۡ)

۳۔نمازِ جنازہ سے بائیکاٹ کی دھمکی سے منافقین کو تنبیہ کرنا چاہئے۔(لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ)

۴۔موت کے بعد نمازِ جنازہ اور زیارتِ قبور سے مومن کا احترام ظاہر ہوتا ہے۔اور خدا کی نظر میں یہ امر پسندیدہ ہے۔لیکن منافق کسی طرح کے احترام کے لائق نہیں ہوتا اسی لئے اس کے لئے یہ حکم ہے کہ نہ تو اس کا نمازِ جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑا ہونا چاہیے۔(وَلَا تُصَلِّ..وَّلَا تَقُمۡ)

۵۔منافق کافر اور فاسق ہوتا ہے۔(وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ)

۶۔اعمال کا دارومدار انجام پر ہے۔اگر کوئی شخص حالتِ فسق میں توبہ کئے بغیر مرجائے تو اس کے لئے بڑے خطرات ہیں (وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ)

آیت نمبر 85

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ○

منافقین کے اموال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ تو بس چاہتا ہے۔ کہ وہ منافقین کو اس سے دنیا میں عذاب دے اور جب وہ مریں تو کافر ہو کر مریں۔

نکات

☆ صدرِ اسلام کے منافق بڑے دولت مند اور صاحبانِ اولاد تھے جب کہ مخلص مسلمان ایسے نہیں تھے اور یہ خطرہ تھا کہ مسلمان ان کی صرفہ الحالی دیکھ کر کہیں ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں اس لئے اس آیت اور اس سے قبل ۵۵ ویں آیت میں مسلمانوں کو خبردار کیا گیا۔

''زھوق'' کا معنی سختی سے نکلنا اور حسرتِ وغم ہے (مقصد یہ ہے کہ منافقین کی جان سختی اور حسرت وغم سے نکلے گی)

پیام

۱۔ دوسروں کی مال و اولاد دیکھ کر ہمیں احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ (لَا تُعْجِبْكَ)

۲۔ کبھی دولت اور اولاد خوش بختی کی بجائے آزمائش اور عذاب کا باعث بن جاتی ہے۔ (يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا)

۳۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ دنیاوی نعمات کو ہی ذریعہ عذاب بنا دیتا ہے۔ (يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا)

۴۔ موت بدن سے روح نکلنے کا نام ہے نہ کہ روح کے فنا ہونے کا۔ (وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ)

۵۔ ناشکری اور معصیت کی زندگی کی وجہ سے انسان کی موت کفر پر واقع ہوتی ہے۔ (وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ)

۶۔ دنیا کی چند روزہ چمک دمک کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ نیک انجام اور خاتمہ بالخیر کی بڑی اہمیت ہے۔ (وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ)

آیت نمبر 86-87

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ○

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۝۸۷

جب کبھی ایسی سورت نازل ہوتی ہے۔ کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان (منافقین) کے صاحبانِ ثروت آپ سے (جنگ سے غیر حاضر رہنے کی) اجازت طلب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں دوسرے خانہ نشینوں کے ساتھ رہنے دیں۔

وہ اس بات پر راضی ہیں کہ پیچھے رہنے والے خانہ نشینوں کے ساتھ رہیں ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ وہ سمجھیں گے۔

نکات

☆ "طول" کے معنی ثروت ودولت ہے اور "أُولُوا الطَّوْلِ" سے دولت مند افراد ہیں۔
☆ آیات کے ایسے مجموعہ کو "سورت" کہا جاتا ہے۔ جس میں کسی مخصوص موضوع کو بیان کیا گیا ہو۔ اس لئے "سورت" کے کچھ حصہ کو بھی سورت کہا جاتا ہے۔

پیام

۱۔ جہاد ایمان باللہ کا لازمہ ہے۔ (اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا)
۲۔ حق و باطل کی غزوات میں رسول اکرم ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ (مَعَ رَسُوْلِهٖ)
۳۔ جہاد ایک منظم عمل ہے۔ اور یہ عمل رہبر مسلمین کے حکم اور اس کے ساتھ سرانجام دیا جاتا ہے۔ (جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهٖ)
۴۔ اپنی کمزوری اور منافقت کو چھپانے کے لئے جہاد سے رخصت کے عنوان پیش نہ کریں۔ (اسْتَأْذَنَكَ)
۵۔ تن پرور مرفہ الحال افراد جہاد سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ ہمیں ایسے افراد سے امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہیں۔ (اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ)
۶۔ منافقین مردہ دل افراد ہیں۔ (طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ)
۷۔ دنیا طلبی، رفاہ زدگی اور منافقانہ رویوں کی وجہ سے انسان حقائق کی پہچان سے دور ہوجاتا ہے۔ (لَا يَفْقَهُوْنَ)

آیت نمبر 88

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(رفاہ طلب اور جنگ سے گریز کرنے والوں کے خلاف) رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھیوں نے اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ ان کے لئے تمام نیکیاں اور بھلائیاں ہیں اور یہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

پیام

۱۔ حق و باطل کی جنگ میں اگر منافق اور ثروت مند افراد شرکت نہ کریں تو ہمیں ان کے اس طرزِ عمل سے پریشان نہیں ہونا چاہئے (لٰكِنِ الرَّسُوْلُ)
۲۔ منافقین یہ کبھی تصور نہ کریں۔ کہ ان کی عدم شرکت سے اسلام بے یار و مددگار رہوجائے گا۔ (لٰكِنِ الرَّسُوْلُ.....)
۳۔ جہاد کے وقت رہبر کو صفِ اول میں ہونا چاہیے۔ (الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ)
۴۔ رسول پر صرف ایمان لانا کافی نہیں ہے۔ رسول کی ہمراہی بھی ضروری ہے۔ (اٰمَنُوْا مَعَهٗ)
۵۔ جہاد تمام وسائل اور امکانات سے ہونا چاہیے۔ (جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ)

۶۔کامیابی اور کامرانی صرف ایمان اور جہاد کے زیر سایہ ہی ممکن ہے۔(اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)

۷۔مجاہدین کے لئے جنگ اور جہاد خیر وخوبی کا ذریعہ ہیں۔(اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ)

۸۔مجاہدین ظاہری فتح سے ہمکنار ہوں۔پھر بھی کامیاب ہیں اور اگر اس سے محروم رہیں پھر بھی کامیاب ہیں۔(جٰهَدُوْا، مُفْلِحُوْنَ)

آیت نمبر 89

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اللہ نے ان کے لئے بہشت کے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گی۔یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

پیام

۱۔مجاہدین کی جزا پہلے سے تیار کی جا چکی ہے۔(اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ)

۲۔بہشت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ اس وقت بھی موجود ہے۔(اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ)

۳۔رشد و ہدایت کے راستے کے لئے فطری خواہشات اور غرائز سے استفادہ کرنا چاہیئے (انسان فطری طور پر باغات اور نہروں کا دلدادہ ہے۔(جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ)

۴۔حقیقی اور سچی خوش نصیبی یہ ہے کہ انسان کو دائمی جنت میں رہائش نصیب ہو۔(الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ)

آیت نمبر 90

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور وہ بادیہ نشین جو (جنگ میں شرکت سے) معذور تھے (آپ کے پاس) آئے تاکہ انہیں (جنگ میں شرکت نہ کرنے کی) اجازت دی جائے۔لیکن وہ لوگ جنہوں نے خدا اور رسول سے جھوٹ کہا (جن کے پاس عذر موجود نہ تھا) اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔بہت جلد ان میں سے کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

نکات۔(حل لغات)

☆ لفظ "اَلْمُعَذِّرُوْنَ" کے متعلق دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ "اَلْمُعَذِّرُوْنَ" معنی میں ہو جس کا معنی حقیقی عذر خواہ کا ہے۔اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ عذر تراشی کرنے والوں کے معنی میں ہو۔(ادبیاتِ عرب کی اصطلاح کے تحت یہ لفظ یا تو باب

تفصیل سے اسمِ فاعل ہے جس کا معنی جھوٹا عذر تراشنے والا ہوتا ہے۔اور یا اس کا تعلق باب افتعال سے ہے۔جس کا معنی عذر رکھنے والے کا ہے۔۔۔تفسیر رہنما)

☆ کچھ لوگ حقیقی عذر رکھتے تھے اور وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے گھر میں رہنے کی درخواست کرتے تھے ان کے علاوہ بہت سے افراد ایسے بھی تھے جو کسی عذر کے بغیر جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔اور اس گروہ کے لئے خدا نے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔

☆''اعراب''صحرا نشین افراد کو کہا جاتا ہے۔جو صحراؤں اور بیابانوں میں زندگی بسر کرتے ہوں۔اور شہری تمدن سے کوسوں دور ہوں۔

پیام

۱۔جنگِ تبوک میں عام لام بندی کا حکم دیا گیا تھا اور جو شرکت سے معذور ہو اس کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ رسول اکرمؐ کے پاس آئے اور ان سے باقاعدہ اجازت حاصل کرے۔(جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ ۔۔۔لِيُؤْذَنَ لَهُمْ)

۲۔جہاد ایک منظم حکومتی عمل ہے۔یہ کوئی انفرادی عمل نہیں ہے۔لہذا جنگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے لئے رہبر مسلمین کی اجازت ضروری ہے۔جنگ میں شرکت کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ہم سابقی آیات میں یہ جملے پڑھ چکے ہیں (كَذَبُوا)

۳۔جو لوگ فریضہِ جہاد سے بے اعتنائی کرتے ہیں اور فرار کے درپے ہیں تو ان کے ایمان کا دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے(وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا)

۴۔جھوٹ کا تعلق صرف زبان سے ہی نہیں ہے۔بعض اوقات انسان کا عمل اس کے جھوٹے ہونے کی علامت بن جاتا ہے۔(وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا)

۵۔جھوٹے بیانوں سے جہاد چھوڑنے والوں کو عنقریب عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔(الْمُعَذِّرُوْنَ۔۔۔سَيُصِيْبُ۔۔۔عَذَابٌ اَلِيْمٌ)

آیت نمبر 91

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔کوئی گناہ نہیں،بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔نیک لوگوں پر کوئی سرزنش نہیں ہے۔اور اللہ بخشنے وال مہربان ہے۔

نکات

ایک نابینا شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نابینا ہوں میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے۔جو میرا ہاتھ پکڑ کر میدانِ جنگ میں لے جائے۔تو کیا میرا یہ عذر قابلِ قبول ہے۔؟

رسول اللہ یہ سن کر خاموش رہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔اسلام کے ایسے عاشقوں پر آفرین ہے جو بڑھاپے اور بینائی سے محرومی کے باوجود دین کی مدد کیلئے بے تاب رہتے ہیں اور جہاد سے عدم شرکت کے لئے آنحضرت سے اجازت طلب کرتے تھے۔

☆اس آیت میں ان لوگوں کو گھر میں رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔غالباً اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے خاندان کے واحد کفیل تھے اور اگر وہ جہاد میں شرکت کرتے تو ان کے اہل وعیال رزق روزی سے محروم ہوتے تھے۔(تفسیر راہنما)

☆اسلام کوئی ایسا حکم جاری نہیں کرتا جس پر عمل انسانی استطاعت سے باہر ہو۔اسلام حالات وواقعات پر نظر رکھتا ہے۔اور کسی بند گلی کا قائل نہیں ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جس کام کو بجالانے سے قاصر ہو اس کے لئے وہ مکلف ہی نہیں ہوتا۔اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی (تفسیر نور الثقلین۔الکافی جلد اول ۱۶۵/)

پیام

۱۔الٰہی تکالیف انسان کی قوت وطاقت کے مطابق ہیں۔(لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ...حَرَجٌ)

ضعیفوں اور بیمار وناتواں افراد اور وہ افراد جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔انہیں جہاد میں شرکت سے معافی دی گئی ہے۔

۲۔مجبوری اور معذوری کی شکل میں جہاد سے معافی مل سکتی ہے۔لیکن خیر خواہی سے معافی نہیں مل سکتی۔ضعیف،بیمار اور مفلس اگر جنگ میں شریک نہ ہوسکیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن انہیں چاہیئے کہ خدا اور رسول کے وفادار رہیں۔اور ان سے خیر خواہی کریں لہذا ایک بوڑھے نابینا کو چاہیئے کہ وہ مجاہدین اسلام کی کامیابی کے لئے دل وجان سے دعا کریں (اِذَا نَصَحُوْا)

۳۔وہ لوگ جو جہاد سے معذور ہوں لیکن مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں تو ایسے لوگ نیک وکار جماعت کے فرد ہیں۔(الْمُحْسِنِيْنَ)

۴۔لاچار اور کمزور افراد اگر جہاد میں شرکت نہ کریں تو وہ مواخذے کے لائق نہیں ہیں۔اور نہ ہی ان سے کوئی تاوان لیا جائے گا۔(مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ)

آیت نمبر 92

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں ہے جو کہ آپ کے پاس آئے اور آپ سے سواری کی درخواست کی تھی۔آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں ہے کہ تمہیں اس پر سوار کروں (یہ سن کر) وہ واپس گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم میں انسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں۔

نکات

☆سابقہ آیت میں ایسے افراد کی بات کی گئی تھی جن کے پاس جہاد کے لئے مالی وسائل نہیں تھے جب کہ اس آیت میں ایسے مفلس افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔جن کے پاس جنگ میں شرکت کے لئے سواری کے جانور موجود نہیں تھے۔وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس گئے اور انہوں نے آپ سے سواری کا مطالبہ کیا۔لیکن آنحضرتؐ کے پاس سواریاں موجود نہ تھیں۔وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور اپنی غربت و بے نوائی پر آنسو بہاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

☆ان لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا کہ جنگ میں عدم شرکت کی وجہ سے ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔یہ لوگ مجاہدینِ اسلام کے ثواب میں شریک ہوں گے۔چنانچہ حسن بصری سے منقول ہے۔کہ رسولِ خدا مجاہدین غزوہ تبوک سے فرماتے ہیں۔

تم نے جو مال خرچ کیا ہے۔اور جو تکالیف برداشت کی ہیں مدینہ میں رہنے والا گروہ اس اجر میں تمہارا شریک ہے کیونکہ وہ دل سے جنگ میں شامل ہونے کے خواہش مند تھے۔(تفسیر درِ منثور)

پیام

۱۔مجاہدین کو اسلحہ اور سواری فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔(أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ)

۲۔انسان کی قدر و قیمت اس کے ظاہری افعال و حرکات سے مربوط نہیں ہیں۔اس کے برعکس انسانی قدر و قیمت کا دارومدار اس کی نیت اور جذبہ پر ہے۔(أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ)

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔جن کے پاس مالی وسائل موجود نہیں تھے البتہ جوش و جذبہ سے لوگ سرشار تھے۔

۳۔مومن کو جہاد بہت عزیز ہوتا ہے۔اگر کسی وجہ سے وہ اس سے محروم رہے تو شدتِ غم سے روتا ہے۔(تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ)

آیت نمبر 93

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود آپ سے درخواست کرتے ہیں (کہ انہیں جہاد سے معاف رکھا جائے) انہوں نے گھر میں رہنے والی عورتوں میں شامل رہنا پسند کیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔لہذا وہ نہیں جانتے۔

نکات

☆سابقہ آیت اور موجودہ آیت میں مومن و منافق کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔چنانچہ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ مخلص مومن ایسے بھی تھے۔کہ جب وہ سواری نہ ملنے کی وجہ سے جہاد سے محروم ہوئے تو وہ اس پر زار و قطار رونے لگے۔(أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ)

اس آیتِ مجیدہ میں ہمیں دولت مند منافقین کے کردار سے آگاہ کیا گیا۔جنہوں نے جنگ میں شرکت سے معذوری کا اظہار کیا تھا اور

رسولِ خدا سے گھر میں رہنے کی اجازت طلب کی تھی۔!!

پیام

۱۔ جہاد ہر امیر اور غریب پر یکساں فرض ہے۔ کسی کی دولت جہاد کی عدم شرکت کی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ جہاد چھوڑنے کا عذر ہے۔(عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ)

۲۔ اپنی مسئولیت سے لاپرواہی برے انجام کا سبب ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ صحیح معرفت کے سلب ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔(طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ)

آیت نمبر 94

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○

جب تم جہاد سے واپس لوٹو گے تو (جنگ تبوک میں شامل نہ ہونے والے) تمہارے سامنے عذر تراشی کریں گی۔ آپ کہہ دیں کہ عذر مت تراشو۔ ھم تمہاری باتوں پر ہرگز اعتماد نہیں کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات و واقعات سے خبردار کردیا ہے۔ عنقریب خدا تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم لوگ غیب و شہود کے جاننے والے کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں ان اعمال کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

نکات

☆ اسی منافقین نے جنگِ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی جب رسول اکرمؐ جنگِ تبوک سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے لئے مختلف حیلے بہانے تراشے تھے۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان کی باتوں پر مت جائیں انہیں خدا کے سپرد کردیں۔

پیام

۱۔ مسلمانوں کو اتنا مضبوط ہونا چاہیئے کہ تخلف کرنے اپنے آپ کو عذر بہانے کرنے پر مجبور سمجھیں۔ (يَعْتَذِرُونَ)

۲۔ بہانے ساز منافقین سے دوٹوک گفتگو کرنی چاہیے۔(لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ)

۳۔ اللہ تعالیٰ غیبی طریقہ سے اپنے پیغمبر کو منافقین کے حالات اور لوگوں کے اعمال کی خبر دیتا ہے۔(قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ)

۴۔ جنگ کے بعد عذر بہانے شروع کردیئے جاتے ہیں۔(يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ)

۵۔ اللہ ہر ظاہر و باطن کے جاننے والا ہے۔ اس کے لئے غیب و شہود یکساں ہے۔ کائنات کی کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں

ہے۔(عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ)

۶۔قیامت کی یاد انسانی زندگی میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔(ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ)

۷۔انسان کو اپنے تمام اعمال کا جواب دینا پڑے گا۔ بدکار افراد کے لئے قیامت کا دن رسوائی کا دن ہوگا۔(فَيُنَبِّئُكُمْ)

آیت نمبر 95

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ○

جب تم جہاد سے لوٹ کر ان (منافقین) کی طرف جائیں گے تو وہ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے۔ تاکہ تم (ان کی سرزنش سے) چشم پوشی کرلو تم ان سے اعراض اور دوری اختیار کرو یقیناً یہ لوگ پلید ہیں۔ یہ جو کچھ کمائی کررہے ہیں۔ اس کی جزا میں ان کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔

نکات

☆اعراض یعنی منہ پھیرنے کی اساس کبھی تو بزرگواری پر ہوتی ہے اور کبھی قہر و بے اعتنائی پر ہوتی ہے۔

اس آیت میں دو مطالب موجود ہیں منافقین نے اپنی غلطیوں پر اعراض اور چشم پوشی کی درخواست کی اس کے جواب میں خدا نے قہر آمیز اعراض کا حکم نازل کیا۔(تفسیر کبیر فخر رازی)

☆رسول اکرمؐ نے جنگِ تبوک سے واپسی پر لوگوں کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ وہ (تارک) جہاد منافقین سے معاشرتی تعلقات ختم کردیں۔ (تفسیر مراغی)

☆سابقہ آیت میں ان کے عذر کو قبول نہیں کیا گیا اس آیت میں انہیں ضعف و ذلت میں قرار دیا اسی لئے انہوں نے قسموں کو وسیلہ بنایا ہے۔

پیام

۱۔ہر قسم لائق اعتبار نہیں ہوتی۔(سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ.. فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ)

۲۔منافقین مقدساتِ اسلام اور نام خداوندی کو اپنے غلط مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔(سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ)

۳۔مسلمانوں کو تولا اور تبرا پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔(أَعْرِضُوا عَنْهُمْ)

۴۔جو لوگ کسی معقول عذر کے بغیر جہاد سے قطع تعلقی کریں ان سے ہمیں بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کردینا چاہئے۔(أَعْرِضُوا عَنْهُمْ)

۵۔فاسد ماحول اور معاشرے سے دور رہنا چاہئے۔ کیونکہ منافقت اور دوسری خرابیاں دوسرے افراد میں سرایت کرسکتی ہیں۔

(فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰىهُمۡ)

۶۔نفاق ایک باطنی نجاست اور روحانی بیماری ہے۔(اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ)

۷۔دوزخ خدائی انتقام کی بجائے انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔(جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ)

آیت نمبر 96

يَحۡلِفُوۡنَ لَـكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ‌ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾

وہ تمہارے لئے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ (تمہیں جان لینا چاہیئے کہ) اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ فاسق گروہ سے راضی نہیں ہوگا۔

نکات

سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ منافق تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کرلو اور موجودہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ صرف چشم پوشی کی غرض سے قسمیں نہیں کھاتے وہ اس لئے بھی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم دل میں ان کے خلاف کوئی ملال نہ رکھو اور ان سے راضی ہو جاؤ۔(لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ)

☆ منافقین کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ مومن ان سے دلی طور پر خوش ہو جائیں وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح سے انہیں راضی کر کے ان کے سخت ردعمل سے محفوظ رہیں اور جہاں تک ممکن ہو معاشرے میں اپنی حیثیت کو محفوظ رکھیں۔

☆ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: جو لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر خدا کی رضا تلاش کرے تو اللہ اس سے راضی ہوگا اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کرا دے گا اور جو اللہ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر لوگوں کی رضا تلاش کرے تو اللہ اس سے ناراض ہوگا اور لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دے گا۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔منافقین کی نظر فقط لوگوں کے راضی کرنے تک محدود ہے انہیں خدا کی رضا اور حقیقی توبہ کی کوئی فکر تک نہیں ہے۔(لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ)

۲۔ہمیں ہمیشہ رضائے الٰہی کا طلبگار رہنا چاہیئے لوگوں کو راضی رکھنے پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے۔کیونکہ لوگوں کی خوشی اور ناراضگی کی کوئی حیثیت نہیں ہے جبکہ خدا کی رضامندی اور ناراضگی کی بڑی قدر و قیمت ہے۔(فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى)

۳۔اللہ منافقین سے ناراض ہے لہٰذا جو بھی منافقین سے راضی ہو تو اس نے اپنا راستہ خدا سے جدا کر لیا ہے۔(فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى)

۴۔جب تک کوئی فاسق اپنی حرکات سے باز نہ آجائے تب تک اس سے راضی نہیں رہنا چاہیئے۔(فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ

(لَا يَرْضٰى)

آیت نمبر 97

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

صحرائی عرب (تعلیم و تربیت سے دوری کی وجہ سے) کفر و نفاق میں انتہائی سخت ہیں اور یہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کی حدود کو سمجھ سکیں اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

نکات

☆."اعراب" بادیہ نشینوں کو کہا جاتا ہے اس کی واحد "اعرابی" ہے عرب نہیں ہے۔

☆اعرابی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دین و مکتبی تعلیم سے دور ہو۔ لفظ "اعراب" قرآن حکیم میں دس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر یہ لفظ مدح ہے نو مقامات پر قابل مذمت ہے۔

☆ حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ھے: (تَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ فَاِنَّهٗ مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ فِي الدِّيْنِ فهو اعرابی)

اپنے اندر دین شناسی پیدا کرو جس میں دین کی گہری فہم نہیں ہے تو وہ اعرابی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہمیں یہ جملے دکھائی دیتے ہیں ہم بنی ہاشم ہیں ہمارے یار و مددگار عرب ہیں۔ باقی لوگ اعراب ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆عصر پیغمبرؐ کے لوگوں میں دو گروہ پائے جاتے تھے۔ ایک طبقہ شہر نشینوں کا تھا جبکہ دوسرا طبقہ صحرا نشینوں کا تھا۔ سابقہ آیات میں جنگ تبوک میں مسلمانوں کی کامیابی کو بیان کیا گیا ہے اسی لیئے عین ممکن ہے کہ خدا نے اہل ایمان کو اس آیت سے خبردار کیا ہو کہ تمہیں صرف شہری دشمنوں کا سامنا نہیں ہے ان کے ساتھ ساتھ صحرا نشین دشمنوں سے بھی ہوشیار رہو۔

پیام

۱۔ بادیہ نشینی دینی تہذیب و تعلیم سے دوری کا موجب ہوتی ہے۔ (اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا)

۲۔ ماحول اور معاشرہ افراد کی ترقی اور پسماندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا)

۳۔ علم و تہذیب سے ہٹے ہوئے افراد بعض اوقات کافروں اور منافقوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں اور وہ اصلی کافروں اور منافقوں سے کفر و نفاق میں بڑھ جاتے ہیں۔ (اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا)

۴۔۔ کفر و نفاق کے بھی کئی درجے ہیں۔ (اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا)

۵۔ لاعلمی بھی کبھی کفر و نفاق کا سبب بن جاتی ہے۔ (اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ... اَلَّا يَعْلَمُوْ)

۶۔ احکام دین کا جاننا ضروری ہے ورنہ ہم بھی اعرابی قرار پائیں گے۔ (يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ)

۷۔حدود الٰہی سے جاہل افراد خواہ شہروں میں ہی رہتے ہوں وہ بھی اعراب اور بادیہ نشینوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ)

آیت نمبر 98

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

ان بادیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو (اپنے نفاق یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے) کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اسے اپنے لیئے تاوان سمجھتے اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم پر گردشِ ایام آئے۔ بری گردش خود ان پر آئے اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نکات۔حل لغات

☆''مغرم'' (غرامت) سے مشتق ہے جس کے معنی چمٹ جانے کے ہیں اور ایسے قرض کو خواہ جو کہ جب تک مقروض دے قرض وصول نہ کرلے تب تک اسے نہ چھوڑے عربی زبان میں ''عزیم'' کہتے ہیں اور ایسے واجب الادا قرض کو ''مغرم'' کہا جاتا ہے۔

☆''دوائر'' جمع ہے اور اس کی واحد ''دائرہ'' ہے۔ایسے حوادث کو ''دوائر'' کہا جاتا ہے جو انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیں۔

پیام

۱۔منافق اور ہر وہ شخص جو حدود الٰہی اور اسلامی تمدن سے ناواقف ہو وہ ہمیشہ انفاق فی سبیل اللہ کو اپنے لیئے نقصان دِہ اور تاوان تصور کرتا ہے۔(یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا)

۲۔منافق ہمیشہ حاسد ہوتا ہے وہ دوسروں کے لیئے صرف مصیبت کا خواہاں ہوتا ہے۔(یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ)

۳۔جو دوسروں کے لیئے مصیبت کا تمنائی ہو وہ خود مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔(یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ)

۴۔اللہ تعالیٰ لوگوں کی باتوں اور ان کی خصلتوں سے بخوبی آگاہ ہے۔(وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ)

آیت نمبر 99

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○

اوران بدوؤں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ یہ ان کے لیئے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ عنقریب انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

پیام

۱۔ اگر ہم کسی گروہ کی مذمت کریں تو ان کے کچھ افراد میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں انہیں فراموش نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ آیات میں ''اعراب'' کی مذمت میں فرمایا۔ (اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا) اور وہ اعراب جو صاحبانِ ایمان تھے ان کی مدح میں یہ فرمایا گیا (وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ)

۲۔ نیک فطرت اور ہدایت جو افراد دیہاتوں اور بیابانوں میں رہ کر بھی باصلاحیت رہتے ہیں۔ صحرانشینی سے رشد و ہدایت کا انتخاب سلب نہیں ہو جاتا۔ (وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ)

۳۔ ایمان، انفاق فی سبیل اللہ اور تسکین قلب کے لیئے زمین ہموار کرتا ہے۔ (وَالۡيَوۡمِ ۔۔۔ يَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ)

۴۔ مالی وسائل سے ہمیں قربت الہی کا مقام حاصل کرنا چاہیئے۔ (يَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ)

۵۔ خالص نیت موجب قربت ہوتی ہے۔ ظاہری عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ انفاق منافقین نے بھی کیا تھا اہل ایمان نے بھی کیا تھا۔ منافقین کو کوئی اجر نہیں ملا۔ اہل ایمان کے لیئے فرمایا (اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ)

۶۔ رضائے رسولؐ کے لیئے کام کرنا توحید کے منافی نہیں ہے (اِنَّهَا قُرۡبَةٌ)

۷۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے کو رسول خدا دعا دیتے ہیں۔ (وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ)

۸۔ مومن رحمت الہی میں سرتا پاڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ (فِىۡ رَحۡمَتِهٖ) جبکہ منافق ناگوار حوادث میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے (عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ)

۹۔ صحرانشین افراد چونکہ اسلامی ماحول سے دور رہتے تھے اسی لیئے ان کے عمل کی خصوصی حوصلہ افزائی کی گئی ہے (اَلَاۤ ۔۔ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ)

آیت نمبر 100

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ○

اورمہاجرین وانصار میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے سبقت کی اور جو نیک چال چلن میں ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ابد تک باقی رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

نکات

☆اس آیت مجیدہ میں صدر اسلام کے مسلمانوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ وہ گروہ جس نے اسلام اور ہجرت میں سبقت کی۔

۲۔ وہ گروہ جس نے رسول خدا اور مہاجرین کی مدد میں سبقت کی۔

۳۔ بعد میں آنے والے افراد جو ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

☆امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مہاجرین اولین کا نام لیا پھر انصار کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ان کے پیروکاروں کا نام لیا اسی ترتیب کے مطابق جنت میں ان کے درجات مکمل کیئے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین۔ الکافی جلد ۲/۴۱)

☆ تمام مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ پہلی مسلمان خاتون تھیں اور تمام شیعہ اور بہت سے اہلِ سنت کے علماء کا بیان ہے کہ مردوں میں حضرت علیؑ مسلم اول تھے۔

تفصیل کے لئے الغدیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۰ تا ۲۴۰ اور احقاق الحق جلد ۳ صفحہ ۱۱۴ تا ۱۲۰ تک کا مطالعہ فرمائیں۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے مسلم اول ہونے کے متعلق مؤرخین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷۵ بحوالہ مستدرک حاکم) کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ دعوت اسلام کے وقت حضرت علیؑ کی عمر دس برس کی تھی اور آپؑ اس وقت بچے تھے۔ بھلا ایک بچے کے ایمان کی قدر و قیمت کیا ہوسکتی ہے؟ ایسے لوگوں کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بچپنے میں نبوت عطا کی تھی۔ اور ان کی نبوت کی قدر و قیمت کیا تھی۔

پیام

۱۔ نیک کام میں سبقت کرنے کی بڑی قدر و قیمت ہے اور ہر مقام پر ان کا خیال رکھنا چاہئے۔ (وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ)

۲۔ تمام مہاجرین و انصار رحمت الٰہی اور مدح قرآنی کے سزاوار نہیں ہیں یہ شرف ان میں سے کچھ افراد کو حاصل ہے۔ (مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ) میں کلمہ "مِنۡ" "بعضیت" پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ صرف پیروی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے نیکیوں اور فضائل میں پیروی کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ (اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ)

۴۔اگر مومن اللہ کی رضا پر راضی رہے تو اللہ بھی اس سے راضی رہتا ہے۔(رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ)
۵۔بہشت ،ایمان،سبقت،ہجرت،نصرت اور نیکی کے کاموں میں اتباع کے زیرِ سایہ ملتی ہیں۔(السّٰبِقُوْنَ۔۔۔وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰت)

آیت نمبر 101

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾

اورتمہارے گردوپیش کے بدوؤں میں منافق موجود ہیں اور خود اہلِ مدینہ میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔عنقریب ہم انہیں دگنا عذاب دیں گے پھر انہیں بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

نکات

☆''مردوا'' کے معنی پختہ ہونے کے ہیں۔☆منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ'' ہم انہیں دوبار عذاب دیں گے۔ان کے لیئے پہلا عذاب یہ ہے کہ انہیں لوگوں میں رسوا کیا جائے گا اور دوسرا عذاب یہ ہے کہ موت کے وقت ان کی جان سختی سے نکلے گی جیسا کہ سورہ انفال میں ارشاد خداوندی ہے(یضربون وجوھھم وادبارھم)(انفال/۵۰)فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر طمانچے ماریں گے۔یہ بھی ممکن ہے کہ دوبار عذاب سے جسمانی اور روحانی عذاب مراد ہو۔

پیام

۱۔ہمیں اپنے گردوپیش کے منافقین سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔(حَوْلَكُمْ)
۲۔صحرانشینوں کا کفرونفاق علی الاعلان ہے جبکہ شہریوں کا نفاق انتہائی خفیہ ہے۔(وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ)
۳۔منافقت کے بھی کئی مدارج ہیں۔منافقت کبھی عمومی انداز میں ہوتی ہے اور کبھی خاصی پیچیدہ شکل میں ہوتی ہے۔(مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ)
۴۔تعلیم الٰہی کے بغیر پیغمبر کی غیب تک رسائی نہیں ہے۔(لَا تَعْلَمُهُمْ)
۵۔۔وہ لوگ جو انحراف پر اصرار کرتے ہیں اور بہانے تراشا کرتے ہیں ان کے لیئے دوہرا عذاب ہے۔(مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ،سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ)
۶۔منافق دنیا وآخرت میں گرفتار بلا رہتا ہے اور اس کا ابتلا کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔(سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ)

آیت نمبر 102

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور (اعراب میں سے) کچھ دوسرے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے نیک عمل کے ساتھ دوسرے برے عمل کو مخلوط کیا ہے امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول کرے (اور ان پر دوبارہ اپنا لطف و کرم کردے) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات

☆ رسول خدا کے کچھ اصحاب نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی ان کی عدم شرکت منافقت کی وجہ سے نہ تھی انہیں دنیاوی زندگی سے پیار تھا اسی لیئے وہ جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ جب جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں تو انہیں اپنی غلطی پر پشیمانی لاحق ہوئی۔ اور انہوں نے توبہ کی غرض سے اپنے آپ کو ستونِ مسجد سے باندھ دیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور رسول اکرم نے ان کی رسیاں کھولیں اور انہیں معافی نصیب ہوئی۔

پیام

۱۔ رسول اکرم کے جملہ اصحاب عادل نہیں تھے ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ کچھ برائیاں بھی کی تھیں۔ (خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا)

۲۔ انسان کی نظر ہمیشہ اپنی نیکوں پر ہی مرکوز نہیں رہنی چاہیئے۔ اسے اپنی غلطیوں پر بھی نظر کرنی چاہیئے۔ اور ان کی تلافی کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ (اعْتَرَفُوْا، خَلَطُوْا)

۳۔ اپنے گناہوں کے اعتراف سے ہی توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ (اعْتَرَفُوْا، يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ)

۴۔ خدا نے اگرچہ بخشش کا وعدہ کیا ہے لیکن انسان کو چاہیئے کہ وہ امید اور خوف کے درمیان زندگی بسر کرے (عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ)

۵۔ پشیمان ہونے والے گناہ گار کو امید کی ضرورت ہے اور اسلام کی آغوش اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے (اعْتَرَفُوْا۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)

آیت نمبر 103

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ

سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

ان کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کریں تاکہ اس ذریعہ سے انہیں (بخل اور دنیا پرستی کی آلائش سے) پاک کریں اور بابرکت بنائیں اور ان کے حق میں دعا کریں۔ یقیناً آپ کی دعا ان کے لیئے مایۂ تسکین ہے۔ اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نکات

☆ یہ آیت مجیدہ ہجرت کے دوسرے سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی۔ رسول اکرم نے مُنادی کرائی کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی طرح سے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے۔ ایک سال بعد آپ نے مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

☆ زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر رسول خدا رحمت بھیجتے تھے (وصل علیهم) جب کہ اللہ تعالیٰ خاک وخون میں غلطان ہونے والے راہِ حق کے شہدا پر درود بھیجتا ہے۔ (البقرہ ۱۵۷)

پیام

۱۔ اسلامی حاکم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے۔ (خُذْ)

۲۔ اسلام انفرادی اور ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ (اَمْوَالِهِمْ)

۳۔ زکوٰۃ تمہاری دولت میں سے انتہائی تھوڑا سا حصہ بنتی ہے لہٰذا فراخ دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرو۔ (اَمْوَالِهِمْ)

۴۔ زکوٰۃ سے ایمانی اعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔

۵۔ زکوٰۃ کی وجہ سے انسان کی روح بخل، دنیا پرستی اور مال دوستی سے نجات حاصل کرتی ہے۔ (تُطَهِّرُهُمْ)

۶۔ زکوٰۃ سے فرد اور معاشرے میں اخلاقی فضائل پیدا ہوتے ہیں۔ (تُزَكِّيْهِمْ)

۷۔ افلاس وفقر سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں اور اگر زکوٰۃ سے ضرورت مندوں کی حاجات پوری ہوتی رہیں تو معاشرہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے (تُطَهِّرُهُمْ)

۸۔ رسول اکرم عام لوگوں کے لیئے دعائے رحمت کیا کرتے تھے اسی سے ان کی دلجوئی ہوتی تھی اور مزید نیکی بجالانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ (صَلِّ عَلَيْهِمْ)

۹۔ زکوٰۃ و مالیات دینے والے اور لینے والے میں محبت واخلاص کا رشتہ ہونا چاہیئے۔ (خُذْ صَلِّ)

۱۰۔ رسول خدا کی لوگوں کے حق میں دعا مستجاب ہے۔ (وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ)

۱۱۔ ہر جگہ مادی نعمات کی تشویق ہی مؤثر نہیں ہوتی بعض اوقات معنوی تشویق زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ (اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ)

۱۲۔ ہمیں زکوٰۃ وصول کرتے وقت یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ آخر کیا ہوا زکوٰۃ دینا اس کا فرض تھا ہم بھلا اس کے لیئے دعائے خیر کیوں کریں اور اس کا شکریہ کیوں ادا کریں۔ (خُذْ، صَلِّ عَلَيْهِمْ)

۱۳۔تشویق سے بھاری تکلیف بھی آسان دکھائی دینے لگ جاتی ہے۔(سَكَنٌ لَّهُمْ)
۱۴۔تمام احکام وقوانین کا سرچشمہ علم الٰہی ہے۔(وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ)

آیت نمبر 104

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○

کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات بھی وصول کرتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

نکات

☆ کچھ افراد جو جنگ تبوک میں شریک نہ تھے وہ آنحضرت کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ سے توبہ قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ توبہ قبول کرنا خدا کا کام ہے اس کے علاوہ کوئی اور توبہ قبول نہیں کرسکتا اور اسی طرح سے امام و نبی کو جو صدقات وزکوۃ دی جاتی ہے اس کا حقیقی وصول کنندہ بھی خداوند عالم ہے۔

☆زکوۃ ظاہری طور پر رسول مقبول لیتے تھے لیکن اللہ نے فرمایا کہ میں زکوۃ وصدقات وصول کرتا ہوں۔اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ آپ حکم خداوندی سے زکوۃ وصول کرتے تھے اسی لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ صدقات وصول کرتا ہے۔اس کی نظیر سورہ فتح کی دسویں آیت میں ان الفاظ سے ملتی ہے۔بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کررہے ہیں وہ دراصل اللہ کی بیعت کررہے ہیں۔☆امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ صدقہ ابھی فقیر کے ہاتھ میں قرار نہیں پکڑتا کہ وہ خدا کے ہاتھ میں قرار پکڑ لیتا ہے۔پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔(تفسیر برہان) ☆امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا زکوۃ کی وصولی آنحضرت کے ساتھ مخصوص تھی یا ان کے بعد یہ جاری رہے گی؟ آپ نے فرمایا۔جی ہاں یہ جاری رہے گی۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔توبہ قبول کرنے کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔پیغمبر خدا کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے نجانے اہل کلیسا نے یہ حق اپنے پادریوں کو کیوں دے دیا؟(هُوَ يَقْبَلُ التَّوَّابُ)
۲۔زکوۃ حقیقی توبہ کی مظہر ہے۔(يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ...وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ)
۳۔اندرونی انقلاب مادی امداد پر مقدم ہے(يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ...وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ)
۳۔توبہ صرف پشیمانی کا نام نہیں ہے اس کے بعد اصلاح اور عمل ضروری ہے۔(يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ،وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ)
۵۔صدقات وصول کرنے والا درحقیقت خدا ہے لہٰذا ہمیں پورے جوش وجذبہ کے ساتھ بہترین مال زکوۃ میں دینا چاہئے۔(أَنَّ

للہ ۔۔۔ یَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ)

۶۔ زکوٰۃ اسلام کا مالی نظام ہے جو کہ تقدس سے لبریز ہے کیونکہ اس کے وصول کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (یَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ)

آیت نمبر 105

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

اور آپ کہہ دیں (جو جی میں آئے) کرو۔ عنقریب اللہ اور اس کا پیغمبر اور مومنین تمہارے کام کر دیکھیں گے۔ اور تم بہت جلد غائب وحاضر کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے تم جو کچھ عمل کرتے رہے وہ تمہیں اس کی خبر دے گا۔

نکات

☆اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں اسی آیت کے تحت شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے اعمال اولیائے الٰہی کے سامنے پیش کیئے جاتے ہیں۔ اعمال پیش کیئے جانے کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ہمارے اعمال روزانہ پیش کیئے جاتے ہیں بعض روایات کے مطابق ہفتہ میں ایک بار اور بعض روایات کے مطابق مہینہ میں ایک بار اعمال پیش کیئے جاتے ہیں۔ اگر اولیائے الٰہی ہمارے نیک اعمال کو دیکھتے ہیں تو وہ ہم سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ہمارے برے اعمال کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہو جاتے ہیں۔ اعمال کے پیش کیئے جانے کے عقیدہ سے انسان میں روحِ تقوٰی اور روحِ حیا پیدا ہوتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ لوگو! اپنے گناہوں سے رسول خدا کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ (تفسیر کنز الدقائق) روایات میں بیان ہوا ہے کہ ''مومنون'' سے ائمہ معصومین مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمارے اعمال سے خبردار کرتا ہے۔ (تفسیر کنز الدقائق)

پیام

۱۔ انسان اپنے اعمال میں مجبور نہیں ہے آزاد ہے۔

۲۔ جب انسان یہ سوچتا ہے کہ خدا ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو گناہ کرنے سے حیا محسوس ہوتی ہے (سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ)

۳۔ جب اعمال کو دیکھنے والے زیادہ ہوں تو انسان کو غلط کاری سے حیا محسوس ہوتی ہے بالخصوص جب خدا اور اس کا رسول اور اہل ایمان عمل کو دیکھ رہے ہوں تو انسان کو بے حیائی سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ (فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ)

۴۔ عمل کی بڑی اہمیت ہے۔ عمل ہی تو ہے جو دنیا میں اولیائے الٰہی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہی عمل تو ہے جس کا قیامت میں حساب ہونا ہے۔ (اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ ۔۔۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

۵۔ اعمال انسان کے کچھ حقائق ہیں جو کہ قیامت کے دن واضح ہوں گے۔ (فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ ۔۔۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾

آیت نمبر 106

وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے امر کے ساتھ مربوط ہے وہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے ۔اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

نکات

☆''مرجون'' کا لفظ ''ارجا'' مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی تاخیر و توقف کے ہیں ''ارجا'' ایسی تاخیر کو کہا جاتا ہے جس میں ''رجا'' یعنی امید شامل ہو۔

☆اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تین طرح کے گروہوں کا تذکرہ کیا ہے:

الف: ایسے منافق جو کہ مدینہ میں چھپے ہوئے تھے اور ان کی پہچان نہیں ہوئی تھی ۔(آیت ۱۰۱)

ب: ایسے منحرف افراد جنہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا اور انہیں توبہ کی امید تھی ۔(آیت ۱۰۲)

ج: ایسے منحرف جنہوں نے گناہوں پر اصرار نہیں کیا اور توبہ بھی نہیں کی ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے ۔جیسا کہ موجودہ آیت میں بیان کیا گیا ہے

☆روایات کے مطابق اس آیت کے شان نزول کا تعلق حضرت حمزہ یا حضرت جعفر طیار کے قاتلوں کے ساتھ ہے وہ اپنے جرم پر پشیمان ہوئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا لیکن ابھی تک ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا کہ وہ قطعی بہشتی قرار پاتے ۔یا پھر اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی صرف اس پر پشیمان ہوئے تھے لیکن زبان سے اپنے گناہ کا اعتراف نہیں کیا تھا ۔(تفسیر نور الثقلین ، کافی جلد ۲ / ۴۰۷)

پیام

۱۔دست قدرت آزاد ہے چاہے تو عذاب دے چاہے تو معاف کر دے ۔(اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ اِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ)

۲۔مختلف قسم کے خطا کاروں کی تربیت کے لیئے مختلف طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے ۔ایک گروہ کو امید اور خوف کی درمیانی حالت میں رہنا چاہیئے (اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ)

۳۔خدائی قہر اور عذاب کا تعلق علم و حکمت سے ہے نہ کہ انتقام جوئی پر ۔(عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ)

آیت نمبر 107

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○

وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی جس کا مقصد ضرر رسانی اور کفر اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالنا ہے اور ان لوگوں کو ایک کمین گاہ فراہم کرنا ہے جو پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو فقط بھلائی کا ہی ارادہ کیا ہے جبکہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

نکات

☆اس آیت میں مسجد ضرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ منافقین نے اپنے مذموم مقاصد کے لیئے مسجد قبا کے مقابلہ پر ایک مسجد بنائی تھی اور یہ مسجد ان کے گھروں کے قریب تھی۔ اس مسجد کی تعمیر کے لیئے انہوں نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ ہم نے کمزور اور بیمار افراد کے لیئے یہ مسجد بنائی ہے اور بارش کے وقت بھی یہ مسجد کام دے گی۔ چنانچہ وہ رسول خدا کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ اس مسجد کا افتتاح کریں اور اس میں دو رکعت نماز ادا کریں۔ رسول خدا اس وقت تبوک کے لیئے تیاری کے مراحل میں تھے۔ چنانچہ آپ وہاں نہ گئے۔ پھر جب آپ تبوک سے تشریف لائے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور آیت میں ان کی منحوس نیت کو طشت از بام کیا گیا۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ اس نام نہاد مسجد کو نذر آتش کر دیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے اسے آگ لگا دی اور اس جگہ اروڑی بنا ڈالی (تفسیر مجمع البیان تفسیر المنار و نور الثقلین) کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مسجد ابو عامر کے حکم پر بنائی گئی اور یہ شخص (عاشق رسول) حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد تھا۔ وہ عیسائی عبادت گزار تھا اور اسے قبیلہ خزرج میں اثر رسوخ حاصل تھا۔ جب رسول اکرم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور اسلام کو فروغ ملا تو اس نے آپ کی مخالفت کی اور جنگ احد میں منافقانہ کردار ادا کیا۔ پھر وہ مکہ بھاگ گیا اور مکہ سے روم چلا گیا اور اس نے سلطان روم سے اسلام کی مخالفت کے لیئے کمک طلب کی۔ قدرت کے فیصلے بھی عجیب ہیں۔ ابو عامر منافقین کا رہبر تھا اور اس کا فرزند حضرت حنظلہ اسلام کا عاشق تھا اور جنگ احد میں شہید ہوا تھا اور اس کی لاش کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اسی لئے اسے "غسل الملائکہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆منافقین نے آنحضرت کو اپنی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنے کی دعوت دی اور اس کے لیئے تین وجوہات پیش کیں۔

۱۔ انہیں نماز جماعت سے محبت ہے۔

۲۔ انہیں بیماروں اور بوڑھوں سے محبت ہے۔

۳۔ انہیں رہبر اور ان کی نماز سے محبت ہے۔ مذکورہ بالا تینوں وجوہات غلط تھیں۔ یہ منافقت کا کردار ہے۔ حضرت موسیٰ کے خلاف

سامری نے سازش کی تھی ۔مسجد نبوی کے مقابلہ پر مسجد اموی تعمیر کی گئی اور حضرت علیؑ کے مقابلہ پر قرآن کو نیزوں پر بلند کیا گیا۔ حضرت موسیٰ نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ٹکڑے کر کے نذر آتش کیا تھا اسی طرح سے منافقین کی مسجد کو بھی نذر آتش کیا گیا۔تا کہ تاریخ کے لیئے درس بن جائے۔امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد یزید کی فتح کی خوشی میں کوفہ وشام میں کئی مساجد تعمیر کرائی گئی تھیں ہمارے ائمہ نے انہیں ''مساجد ملعونہ'' کہا ہے۔

☆اسلام میں ہر طرح کا ضرر اور نقصان پہنچانا ممنوع ہے۔اسلام کا مشہور قاعدہ ہے۔''لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ''اسلام میں نقصان دینا اور نقصان سہنا جائز نہیں ہے۔(الوسائل جلد ۲۶/ ۱۴) چنانچہ حسب ذیل کچھ ضرر بھی اس میں شامل ہیں۔ (الف)۔جانی نقصانات ''لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ''(البقرہ ۱۸۵) خدا تمہارے لیئے تنگی نہیں چاہتا۔(ب)۔لوگوں کو نقصان پہنچانا (لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ) (المائدہ/ ۲) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔(ج)۔بیوی کو نقصان پہنچانا۔''لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ''(طلاق/ ۶) انہیں تنگ کرنے کے لیئے تکلیف نہ پہنچاؤ۔(د)۔بچے کی وجہ سے ماں باپ کو نقصان پہنچانا۔''لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ''(البقرہ/ ۲۳۳) بچے کی وجہ سے نہ ماں کو تکلیف میں ڈالا جائے اور نہ باپ کو اس بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچایا جائے۔(ہ)۔وارثوں کو نقصان پہنچانا۔''مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ''(النساء/ ۱۲) یہ تقسیم میراث وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی بشرطیکہ ضرر رساں نہ ہو۔(و)۔نقصان دہ تعلیمات''يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ''(البقرہ/ ۱۰۲) وہ ایسی باتوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے جو انہیں نقصان دیتی تھیں اور انہیں فائدہ نہ دیتی تھیں۔(ز)۔معاملات اور قرض میں ضرر پہنچانا۔''وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ''(البقرہ/ ۲۸۲) کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے۔(ح)۔مذہب و اتحاد کو ضرر پہنچانا۔''اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ''وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کی غرض سے مسجد بنائی۔

پیام

۱۔دشمن مسجد اور مذہب کے ذریعہ سے مذہب کو نقصان پہنچانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔لہٰذا ہمیں خوش نما نعروں اور القابات سے فریب نہیں کھانا چاہیئے۔(اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا)

۲۔آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ سازشی عناصر نماز رسول سے بھی غلط مقاصد حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔

۳۔مسجد تعمیر کرنا اہم نہیں ہے بانیان اور متولیوں کی نیت کا خالص ہونا ضروری ہے۔(اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا)

۴۔اسلام میں ہر طرح کے ضرر رسانی کی ممانعت کی گئی ہے خواہ وہ مسجد کے عنوان سے ہی کیوں نہ ہو۔(اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا)

۵۔شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مسجد اسلام دشمنوں کے مفاد میں ہو تو اس کا احترام اور تقدس باقی نہیں رہتا۔

۶۔اللہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کا حامی ہے اسی لیئے اس نے بذریعہ وحی منافقین کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔(وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا)

۷۔ ہر وہ مسجد جو مسلمانوں میں تفرقہ کا ذریعہ ہو وہ مسجد، مسجد ضرار ہے۔
۸۔ منافق اپنے کردار سے کفار کے مفادات کی تکمیل کرتے ہیں (وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ)
۹۔ بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے وقت اندرونی دشمنوں کی سازشوں سے ہمیں لاتعلق نہیں رہنا چاہیئے۔ منافقین نے آنحضرت سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز پڑھ کر ان کی مسجد کا افتتاح کریں آپ کو تبوک جانے کی جلدی تھی لہٰذا آپ منافقین کی (چھاؤنی) میں نہ گئے آنحضرت نے حضرت علیؑ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا تھا۔ پھر جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس مسجد کو ویران کرنے کا حکم جاری کر دیا۔
۱۰۔ امت اسلامیہ میں افتراق پیدا کرنا کفر کے مترادف ہے۔ (كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)
۱۱۔ جھوٹی قسمیں کھانا منافقین کا شیوہ ہے۔ (لَيَحْلِفُنَّ)
۱۲۔ دشمن اپنے دعووں کو تبلیغات حق کے نام سے پیش کرے تو ہمیں اس کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔ (اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى)
۱۳۔ جھوٹ بولنا کفار و منافقین کا پرانا حربہ ہے۔ (اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ)

آیت نمبر 108

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸

آپ اس (مسجد ضرار) میں (نماز کے لیئے) ہرگز کھڑے نہ ہوں البتہ جو مسجد پہلے ہی دن سے تقوٰی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو صاف اور پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نکات

وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوٰی پر رکھی گئی ہے۔ وہ مسجد قبا ہے جو مدینہ میں ہجرت کے وقت تعمیر کی گئی تھی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ فخر رازی کہتے ہیں کہ اگر ایک مسجد تقوٰی کی بنیاد پر قائم ہو تو وہ لائق تعریف ہے اور اگر کوئی انسان پہلے دن سے ہی ایمان و تقوٰی سے متصف ہو تو اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ حضرت علیؑ روز اول سے ہی مومن تھے۔ لہٰذا آپ ان لوگوں سے کہیں بلند و برتر تھے جو کئی سالہ شرک کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

پیام

۱۔جو مسجد اسلامی نظام کے مخالفین کی کمین گاہ ہو وہاں ہمیں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔(لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا)
۲۔عبادت سیاست سے جدا نہیں ہے یہاں تک کہ نماز کے ذریعہ سے بھی باطل کو تقویت فراہم نہیں کرنی چاہیئے۔(لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا)(کیونکہ کفر و نفاق اور تفریق کی تائید حرام ہے)
۳۔رہبر دوسروں کے لیئے نمونہ عمل ہوتا ہے اسی لیئے پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ آپ اس مسجد میں مت جائیں جب آپ اس میں قدم نہ رکھیں گے تو دوسرے بھی اس میں نہیں جائیں گے اسی لیئے آیت کا خطاب پیغمبر سے ہے۔(لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا)
۴۔معاشرے کے رہبر کو ہر مقام پر پیش پیش ہونا چاہیے۔(لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا)
۵۔اگر ہم لوگوں کو بگاڑ اور فساد کے مراکز سے منع کریں تو پھر انہیں اصلاح کے مفید مقامات کی بھی نشان دہی کریں۔(لَا تَقُمْ، تَقُوْمَ) یہی وجہ ہے کہ مسجد ضرار سے جہاں منع کیا گیا وہاں مسجد قبا کی طرف راہنمائی کی گئی۔
۶۔ہر مکان کی قدر و قیمت کا تعلق اس کے بانی کی نیت پر موقوف ہوتا ہے۔(اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى)
۷۔مسجد جسمانی اور روحانی طہارت کے لیئے طبیعتوں کو ہموار کرتی ہے۔(فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا)
۸۔صالح افراد کی صحبت کی بڑی قدر و قیمت ہے۔(فِيْهِ رِجَالٌ۔۔۔)
۹۔کسی بھی مکان کی قدر و قیمت اس کے مکینوں سے ہوتی ہے ایک مسجد کی قدر و قیمت ان نمازیوں سے ہے جو وہاں نماز ادا کرتے ہیں۔گنبد و گلدستہ مسجد کی قدر و قیمت کا معیار نہیں ہے۔(لَمَسْجِدٌ۔۔۔اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا)
۱۰۔نماز و مسجد تہذیب و پاکیزگی کا وسیلہ ہے۔(مَسْجِدٌ فِيْهِ۔۔۔يَّتَطَهَّرُوْا)
۱۱۔کمال و پاکیزگی کو پسند کرنا بذات خود ایک کمال ہے۔(يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا)
۱۲۔پاکیزہ افراد سے خدا محبت کرتا ہے۔(يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ)

آیت نمبر 109

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضا طلبی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو چنانچہ وہ (عمارت) اسے لے کر آتش دوزخ میں جا گرے؟ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں مسجد قبا اور مسجد ضرار کا موازنہ پیش کیا گیا تھا جبکہ اس آیت میں دونوں مساجد کے بانیوں کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

"شَفَا" کنارے کو کہا جاتا ہے۔ "جُرُف" نہر یا دریا اور کنوئیں کے اس قریبی مقام کو کہا جاتا ہے جس کا اندرونی حصہ پانی نے خالی کر دیا ہو اور وہ تودہ بن کر کسی بھی وقت پانی میں گر سکتا ہو۔ "هَار" یعنی سست۔

پیام

ا۔ کام کی قدر و قیمت کا دارومدار نیت پر ہے نہ کہ عمل کے ظاہر پر۔ مسجد قبا خدا کے لیئے بنائی گئی تھی اور مسجد ضرار تفرقہ بازی کی نیت سے بنائی گئی تھی۔ (اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ)

۲۔ باطل کی عمارت جلد فنا ہو جاتی ہے۔ (بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ)

۳۔ اگر نیت خراب ہو تو مسجد بھی دوزخ میں ڈال دیتی ہے۔ (فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ)

۴۔ مذہبی مراکز اور افرادِ دین سے ناجائز مفاد حاصل کرنا ظلم ہے (الظّٰلِمِيْنَ)

آیت نمبر 110

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

ان لوگوں کی بنائی ہوئی یہ عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی (یہ اس کی یاد سے نجات نہ پائیں گے) مگر یہ کہ ان کے دل (نفاق سے) جدا ہو جائیں (یا موت کی وجہ سے پاش پاش ہو جائیں) اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

پیام

ا۔ منافقین کے عقیدہ کی عمارت بڑی کمزور اور مشکوک ہے۔ (بَنَوْا رِيْبَةً)

۲۔ کبھی روحانی و قلبی امراض مستقل خصلت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ان سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ (لَا يَزَالُ... بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ)

۳۔ قلبی اور روحانی امراض صرف توبہ کے ظاہری الفاظ سے ختم نہیں ہوتیں۔ (اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ)

۴۔ منافقت پر مبنی عمارت ٹوٹ بھی جائے تو بھی منافقت کے اثرات مرتے دم تک دلوں میں قائم رہتے ہیں (اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ)

۵۔ منافقین کے پاس مراکز موجود ہوتے ہیں۔ (بُنْيَانُهُمُ)

۶۔ منافق ہمیشہ بے قرار رہتا ہے۔ (رِيْبَةً)

۷۔ مسجد ضرار بنانے کے مقاصد کو خوب جانتا ہے۔ (عَلِيْمٌ)

آیت نمبر 111

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ یہ توراۃ، انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ پس تم نے اللہ سے جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

نکات

☆ دنیا ایک بازار ہے اور خریدار خود خدا ہے بکنے والی جنس جان و مال ہے اور قیمت جنت ہے اب اگر کوئی شخص اپنی جان و مال خدا کے ہاتھ بیچتا ہے تو وہ فائدہ میں رہتا ہے اور اگر کسی دوسرے کے ہاتھ کوئی اپنی جان و مال کو فروخت کرتا ہے تو سراسر گھاٹے میں رہتا ہے۔

☆ خدا کے ساتھ سودا کرنے میں کئی امتیاز پائے جاتے ہیں۔

۱۔ ہم، ہمارا تمام ترترکہ و جائیداد سب خدا کا عطا کردہ ہے۔ خدا کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ جان و مال فروخت کرنا نامناسب ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ معمولی عمل کا بھی خریدار ہے۔ ''فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ'' (الزلزال/۸) جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا۔

۳۔ خدا کی خریداری کا لطف یہ ہے کہ اگر جنس عیب دار ہو تو پھر وہ اس کی اصلاح کرتا ہے رُسوا نہیں کرتا۔

۴۔ ہماری معمولی جان و مال کو وہ جنت کے عوض خرید کرتا ہے اور اتنا بڑا نرخ کوئی اور سوداگر نہیں دے سکتا۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تمہاری جان کی قیمت جنت ہے لہٰذا اپنے آپ کو تھوڑی قیمت میں فروخت نہ کرو۔

پیام

۱۔ جب ہمارے سودے کو خدا خریدنا چاہتا ہے تو ہم کسی اور گاہک کو تلاش کیوں کریں؟ (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى)

۲۔ اللہ صرف اہل ایمان کے جان و مال کا خریدار ہے وہ منافق و کافر کی جان و مال کا خریدار نہیں ہے

۳۔ اللہ نے پہلے جان خریدی ہے پھر مال خریدار ہے۔ (اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ) اس کی وجہ یہ ہے کہ جان ہر کسی کے پاس ہوتی ہے لیکن بہت سے افراد مال سے محروم ہوتے ہیں۔

۴۔ جنت تلوار و جہاد کے زیر سایہ ہے اور اس کے لیئے جان و مال کو خدا کے لیئے قربان کرنا پڑتا ہے۔ (لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

۵۔جب ہدف خدا ہو تو پھر قتل ہو جانے یا بچ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔(یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ)

۶۔مومن ہمیشہ جہاد کے لیئے کمر بستہ رہتا ہے۔(یُقَاتِلُوْنَ)فعل مضارع ہے جو کہ تسلسل اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔

۷۔مومن اس لیئے جنگ کرتا ہے کہ وہ باطل اور اہل باطل کو نابود کرنا چاہتا ہے اور نتیجہ میں شہادت حاصل کرتا ہے۔(فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ)

۸۔اللہ کے ساتھ سودا کرنے میں یقینی منافع ہے جبکہ اوروں سے سودا کرنے میں خسارا ہی خسارا ہے۔

۹۔مجاہدین سے کیا گیا وعدہ صرف قرآن تک ہی محدود نہیں ہے یہ وعدہ تورات وانجیل میں بھی مرقوم ہے اور اگر ہمیں آج مذکورہ کتابوں میں یہ وعدہ دکھائی نہیں دیتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے۔(فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ)

۱۰۔اگر چہ خدا پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے لیکن خدا نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے کچھ حقوق اپنے ذمہ قرار دیئے ہیں۔(وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا)

۱۱۔معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے۔(وَعْدًا،حَقًّا،اَوْفٰی)

۱۲۔اللہ تعالیٰ نے مخلص اہل ایمان کو اس سودے کا دوسرا فریق قرار دیا ہے''بایعتم''فرمایا ہے۔اس کی بجائے''بعتم''نہیں کہا۔

۱۳۔مال وجان فانی ہے جبکہ آخرت باقی ہے اس سے بڑھ کر اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ خدا ہم سے فانی چیز لے کر باقی رہنے والی چیز عطا کر رہا ہے اگر انسان یہ سودا نہ کرے تو پھر سراسر گھاٹے اور نقصان کا سودا کرے گا۔(فَاسْتَبْشِرُوْا)

۱۴۔خدا نے جہاں سازشی منافقین کی مذمت کی ہے وہاں مومنین پر اپنے فضل وکرم کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ان کی جانفشانی کی قدر دانی کی ہے۔(فَاسْتَبْشِرُوْا)

۱۵۔خدا کے ساتھ خرید وفروخت کے معاملہ کو ہی کامیابی کہا جا سکتا ہے۔(ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ)

آیت نمبر 112

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

(یہ لوگ) توبہ کرنے والے،عبادت گزار،حمد کرنے والے،(راہ خدا میں) سفر کرنے والے،رکوع کرنے والے،سجدہ کرنے والے، نیکی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔آپ اہل ایمان کو خوش خبری سنا دیں۔

نکات

☆اس آیت مجیدہ میں جہاد کرنیوالے اہل ایمان کی نو صفات بیان کی گئی ہیں۔اللہ نے فرمایا کہ وہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔اور

اپنے آپ کو عبادت الٰہی کے مدار میں رکھتے ہیں اور وہ اپنی زبان سے اللہ کی حمد بجالاتے ہیں۔ پاؤں کو حرکت میں لاتے ہیں اور خدا کی راہ میں سفر کرتے ہیں اور اپنے بدن سے رکوع اور سجود بجالاتے ہیں اور اپنی کامل اصلاح کے بعد امر بالمعروف کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ماحول اور معاشرے کی اصلاح کرتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں سے منع کرتے ہیں اور وہ لوگ قوانین الٰہی کی سرحدوں سے باہر نہیں نکلتے۔ گناہ سے توبہ کی جائے تو اس سے عبادت کے راستے کھل جاتے ہیں اور انسان خدا کی ستائش کرنے والا بن کر جمود سے نکل کر حرکت میں آجاتا ہے۔ بعد ازاں خدا کے حضور رکوع سجود کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پیغام کو عام لفظ (التائبون) اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا کے ساتھ جان و مال کا سودا کرنے والے اپنے اندر اندرونی انقلاب لاتے ہیں اور ناروا کردار سے علیحدگی اختیار کر کے خدا کے ساتھ معاملہ کرنے کے میدان میں آ کر قدم رکھتے ہیں۔ جب ہم کربلا کے میدان کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں حُر اور زہیر کا ماضی اگرچہ تابناک نہیں تھا لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور خدا سے اپنی جانوں کا سودا کیا تو ان کا مستقبل روشن ہو گیا۔ ☆عُبّاد بصری نے امام سجاد علیہ السلام کو حج کے لیئے مکہ جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے آپ سے کہا کہ آپ نے جہاد اور اس کی مشکلات کو چھوڑ کر حج کا آسان راستہ اپنایا ہے؟ امام سجاد علیہ السلام نے اسے جواب دیا کہ تم (ان اللہ اشتریٰ من المومنین۔۔۔) کی آیت کے ساتھ والی آیت پڑھو۔ چنانچہ اس نے (ان اللہ اشتریٰ) کی آیت پڑھی پھر اس نے یہ آیت پڑھی تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر جہادی سالاروں میں یہ صفات اور کمالات ہوتے تو ہم پر قیام واجب ہوتا اور اس صورت میں جہاد حج سے بہتر قرار ہوتا۔ (الوسائل جلد ۱۵/۴۶) ☆روایات میں بیان ہوا ہے کہ (السائحون) سے روزہ دار مراد ہیں (تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔ اللہ اپنے معاہدے کی پابندی اس صورت میں کرے گا جب اہل ایمان حدود الٰہی کی بھرپور محافظت کریں گے (وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ۔۔۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ۔۔۔)

۲۔ جنگ میں شرکت کرنا جہاد اصغر یعنی چھوٹا جہاد ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان جہاد اکبر اور خود سازی کے قابل بنتا ہے۔ (يُقۡتَلُوۡنَ ۔۔۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ)

۳۔ اسلام ایک جامع دین ہے جہاں تلوار سے لڑنا فرض ہے وہاں سیاحت بھی اس کے پہلو میں موجود ہے۔ (يُقۡتَلُوۡنَ۔۔۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ۔۔۔ السَّآئِحُوۡنَ)

۴۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ مومن میں یہ صفات حسنہ بطور ملکہ موجود ہونی چاہئیں (اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ۔۔۔) تمام صفات اسم فاعل کی صورت میں بیان ہوئی ہیں نہ کہ فعل کی صورت میں۔ یہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ مجاہدین کے روح کو ذکر الٰہی اور عبادت خداوندی سے تقویت ملتی ہے نہ کہ شراب وشباب و موسیقی میں۔ (يُقَاتِلُوۡنَ ،اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ)

۶۔عبادت کی قبولیت کے لیئے توبہ شرط ہے۔(اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ)
۷۔تحرک، جستجو، سیاحت، ہجرت اور خود سازی کسب کمال اور قرب الٰہی کے حصول کے لیئے انتہائی مؤثر ہے۔(السَّآئِحُوْنَ) مردانِ خدا ہمیشہ متحرک رہتے ہیں اور جمود میں مبتلا نہیں ہوتے۔
۸۔اسلام کے مجاہد کو غازی اور عبادت گزار ہونا چاہیئے۔(يُقَاتِلُوْنَ، الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ)
۹۔سفرِ کمال میں خود سازی پہلا زینہ ہے اور معاشرہ سازی اس کا دوسرا زینہ ہے۔
۱۰۔ بیرونی دشمنوں سے جنگ کے باوجود ہمیں اپنی اندرونی برائیوں سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔(يُقَاتِلُوْنَ، الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ)
۱۱۔حدود الٰہی کی حفاظت کے لیئے جہاں ہمیں بیرونی دشمنوں سے نبرد آزمائی کی ضرورت ہے وہاں ہمیں اندرونی خرابیوں کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔(يُقَاتِلُوْنَ، وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ)
۱۲۔مفاسد اجتمائی کے قلع قمع کے لیئے مجاہدین پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔(يُقَاتِلُوْنَ، النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ)

آیت نمبر 113

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

نبی اور اہل ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ مشرکین کے لیئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے لیئے واضح ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔

نکات

☆ کچھ مفسرین نے کچھ جعلی روایات سے ضعیف رواۃ کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے لیئے نازل ہوئی۔گویا رسول اکرم اپنے چچا کے لیئے استغفار کرتے تھے لیکن خدا نے آپ کو اس سے روک دیا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے ایمان پر دیسوں روایات موجود ہیں ان جعلی روایات کا سلسلہ سعید بن مسیّب پر اختتام پر ہوتا ہے موصوف حضرت علی علیہ السلام کا دشمن تھا (اور اس نے مدینہ میں ہونے کے باوجود امام علی زین العابدین علیہ السلام کے جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی) حضرت ابوطالب کا یہی گناہ ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے والد تھے۔

پیام

۱۔قانونی اعتبار سے پیغمبر اکرم اور دوسرے مسلمان مساوی ہیں۔(مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۲۔شرک ناقابل بخشش جرم ہے حد یہ ہے کہ مشرک کے لیئے پیغمبر کی درخواستِ مغفرت بھی غیر موثر ہے۔

۳۔مذہب ومکتب کا رشتہ خونی رشتوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے لٰہذا رشتہ داری کی محبت کو مذہب کی محبت پر غالب نہیں آنا چاہیئے۔ (مَا كَانَ...وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى)

۴۔پیغمبر سے رشتہ داری دوزخ سے بچانے کا سبب نہیں ہے۔(وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى)

آیت نمبر 114

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ابراہیم نے اپنے باپ کے لیئے جو مغفرت طلب کی تھی وہ ایک وعدہ کی وجہ سے تھی جو اس سے کیا تھا جب اس لیئے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری اختیار کرلی۔بے شک ابراہیم خوف خدا میں آہ و نالہ کرنے والے اور بردبار تھے۔

نکات

☆سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ نبی اور اہل ایمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مشرک رشتہ داروں کے لیئے استغفار کریں۔اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک چچا آزر کے لیئے استغفار کا وعدہ کیوں کیا تھا اور یہ کیوں کہا تھا۔() میں تیرے لیئے اپنے رب سے استغفار کروں گا (مریم/۴۱) موجودہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی ممکنہ سوال کا جواب دیا کہ ابراہیم نے یہ وعدہ اس لیئے کیا تھا کہ انہیں امید تھی کہ شاید ان کا چچا ہدایت قبول کرلے گا۔لیکن جب ان کا چچا حالت شرک میں مرا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیئے مغفرت مانگنا چھوڑ دی تھی۔سوال۔اس کی کیا وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے چچا کے مرنے کے بعد اس کے لیئے دعا کیوں کی تھی اور یہ کیوں کہا تھا (ربنا اغفرلی ولوالدی) (ابراہیم/۴۱) پروردگار! میری مغفرت فرما اور میرے ولدین کی مغفرت فرما جواب کہ لفظ ''اب'' وسیع المعنی لفظ ہے لفظ ''اب'' کا اطلاق استاد، سسر، چچا اور دادا پر بھی کیا جاتا ہے یہ دعا حضرت کے حقیقی والد کے لیئے تھی نہ کہ مشرک چچا کے لیئے۔☆قرآن کریم کی گیارہ آیات میں ''آزر'' کو ابراہیم کے ''اب'' سے تعبیر کیا گیا ہے غالباً اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ غور کریں کہ ابراہیم کس شخص کی سرپرستی میں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس کے مشرکانہ نظریات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔☆امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم زیادہ دعا کرنے والے اور خوف خدا میں زیادہ آہ و نالہ کرنے والے انسان تھے (اواہ) (تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔جو چیز اولیائے الٰہی کے لیئے بدگمانی کا سبب بنتی ہو اس کی صحیح توجیہ پیش کر کے اس اعتراض کو دور کردینا چاہیے۔(مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ)

۲۔معاہدہ کی پابندی انتہائی ضروری ہے خواہ وہ کافر سے ہی کیوں نہ ہو(مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ)
۳۔انبیاء کا علم محدود ہے(فَلَمَّا تَبَيَّنَ ---)
۴۔کافروں کی بدسلوکی کے باوجود ہمیں اپنی بردباری نہیں چھوڑنی چاہیئے ۔قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم کے چچا آذر نے انہیں دھمکیاں دی تھیں اور کہا تھا ()(مریم/۴۶)اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔مگر اس کے باوجود حضرت ابراہیم نے اپنی بردباری کو قائم رکھا تھا۔(لَاَوَّاهٌ حَلِيمٌ)
۵۔ابراہیم نے اپنے پالنے والے چچا کو چھوڑ دیا لیکن خدائے واحد سے اپنے تعلق کو نہ توڑا۔اس سے ابراہیم کے اخلاص اور خشوع کا پتہ چلتا ہے۔(لَاَوَّاهٌ)

آیت نمبر 115

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ ان پر واضح کردے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ ہر چیز کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

نکات

☆اس آیت کے مصادیق کے متعلق چند آراء پائی جاتی ہیں۔
۱۔اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن شرعی وظائف سے آگاہ نہیں ہوئے تھے کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔(تفسیر مجمع البیان)
۲۔اس آیت کے مفہوم کے لیئے ایک احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم نے مشرکین کی استغفار کی عادت کو ترک نہ کیا اور مشرکین سے تعلقات قائم رکھے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور تمہارا شمار بھی دشمنان خدا کے ساتھ ہو گا۔
۳۔ایک امکان یہ ہے کہ اس آیت کے ذریعہ سے ان لوگوں کو تسلی دی گئی ہے جو حکم آنے سے قبل مشرکین کے لیئے استغفار کرتے تھے پھر جب استغفار کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تو وہ پریشان ہو گئے اور یہ سوچنے لگے کہ اب تک ہم نے جو غلطی کی ہے اس پر ہمارا کیا بنے گا۔چنانچہ انہیں تسلی دی گئی اور کہا گیا کہ ان کی غلطی نادانستگی پر مبنی تھی اسی لیئے ان سے کوئی محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔
☆امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے امام پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنی وفات سے قبل اپنے جانشین کا لوگوں کے سامنے اعلان کرے۔پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔اگر حدود الٰہی کی پاسداری نہ کی جائے تو پھر گمراہی کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔(لِيُضِلَّ قَوْمًا ... حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ)

۲۔جب خدا کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت ہو تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اس کی ہدایت سے بے اعتنائی کی ہے۔خدائی تعلیمات کی جان بوجھ کر مخالفت کرنے سے توفیقِ ہدایت سلب ہوتی ہے۔(وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ ... حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ)

۳۔جب تک اتمام حجت نہ ہو جائے تب تک خدا عذاب نازل نہیں کرتا (حَتّٰى يُبَيِّنَ)

۴۔خدائی ہدایت ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے خدا صرف اسباب سعادت کو ہی بیان نہیں کرتا اس کے ساتھ خطرات کے محرکات کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔(يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ)امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خدا نے اپنے غضب اور رضا مندی کے اسباب لوگوں کے سامنے بیان کیے ہیں۔(الکافی جلد ۱ ص ۱۶۳)

۵۔خدا نے اگر کسی چیز سے لوگوں کو منع کیا ہے تو اس کی ممانعت علم وحکمت پر مبنی ہے۔(اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ)

آیت نمبر 116

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت وبادشاہت خدا کے لیئے ہے۔وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہے۔

پیام

۱۔زندگی اور موت اسی طرح سے دلوں کی زندگی اور موت (ہدایت وضلالت) کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے۔(يُحْيٖ وَيُمِيْتُ)

۲۔اپنے مشرک رشتہ داروں سے تعلقات کو مضبوط بنانے کی فکر نہ کرو اس کی بجائے خدا سے اپنے تعلقات کو مستحکم بناؤ کیونکہ وہ زمین وآسمان کا مالک ہے جب کہ مشرکین کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔(لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ)

آیت نمبر 117

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ

بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۷﴾

بے شک اللہ نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا تھا بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دلوں میں کجی آنے ہی والی تھی پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی بے شک وہ ان پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

نکات

☆ جنگ تبوک بڑے مشکل حالات میں ہوئی تھی تبوک کا علاقہ مدینہ سے بہت زیادہ فاصلہ پر تھا موسم سخت گرم تھا۔ کھجوریں پکنے ہی والی تھیں اور دشمن کی قوت کی ہیبت بھی دلوں کو لرزانے کے لیئے کافی تھی اسی لیئے کچھ ایسے مسلمان جو کہ منافق بھی نہیں تھے گھروں میں رہ گئے اور انہوں نے سفر کی مشکلات پر گھر کی ٹھنڈی چھاؤں اور مدینہ کے ٹھنڈے پانی اور بیوی بچوں کو ترجیح دی تھی۔ ایسے ہی لوگوں میں ابوخثیمہ بھی شامل تھے رسول خدا لشکر کو لے کر مدینہ سے رخصت ہو چکے تھے ضمیر نے ملامت کی اور کچھ دنوں کی تاخیر سے وہ آنحضرت کے لشکر سے جا کر ملحق ہو گئے۔

☆ جنگ تبوک کے وقت منافقین کی تین قسمیں تھیں: ۱۔ کچھ ایسے بہانے باز بھی تھے جنہوں نے رومیوں کی حسین عورتوں کا بہانہ بنا کر آنحضرت کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی۔ ۲۔ ایک گروہ ایسا تھا جو لوگوں کو اس جنگ کے عواقب سے ڈرانے میں مصروف تھا اور یہ لوگ باقی لوگوں کی ہمتوں کو پست کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

۳۔ کچھ منافق ایسے بھی تھے جنہوں نے موسم کی شدت کا بہانہ بنا کر آنحضرت کے ساتھ شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی۔ ان کے علاوہ اسلام کے کچھ سچے عاشق ایسے بھی تھے جو دل وجان سے جانے کے خواہش مند تھے لیکن ان کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے پاس سواریاں موجود نہ تھیں انہوں نے آنحضرت سے سواریوں کی درخواست کی مگر آپ نے سواری فراہم کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ یہ لوگ روتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ حضرت ابوذر بھی اسی سفر میں قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے لیکن انہوں نے سواری کو چھوڑ دیا اور سامان اٹھا کر پیدل روانہ ہوئے اور وہ آپ کے ساتھ آ کر شامل ہوئے جنگ تبوک میں راشن کی اتنی شدید قلت تھی کہ کھجور کے ایک دانے کو کئی افراد مل کر چوستے تھے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ اس سورۃ میں توبہ کا اعلان کیا گیا ہے۔ غالباً اسی وجہ اس سورۃ کو سورۃ براءت کے علاوہ سورہ توبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ نے خطرناک حالات میں اپنے رسول اور ان کے پیروکار مہاجرین وانصار کو اپنی رحمت کا مورد قرار دیا (تَّابَ اللّٰهُ۔۔)

۲۔ تمام انسان حدیہ ہے کہ انبیائے کرام بھی اللہ کے لطف وکرم کے محتاج ہیں۔ (تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ)

۳۔ توبہ اللہ کا وہ خاص لطف وکرم ہے جو کہ پیغمبر اکرم اور مومنین کے لیئے مخصوص ہے اور کبھی یہ کرم گناہ گاروں کی بخشش کی شکل میں بھی نمودار ہوتا ہے۔ (تَّابَ اللّٰهُ)

۴۔ دشوار حالات میں رہبر کی پیروی حقیقی ایمان کی علامت ہے (فِيۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ)

۵۔زندگی کی سختیاں اور مشکلات ایک گھڑی کی مانند ہیں جو آتی ہے اور جلد چلی جاتی ہے۔(سَاعَةِ الْعُسْرَةِ)
۶۔انسان کسی بھی لحظہ بھٹک سکتا ہے اسی لیئے ہمیں چاہیئے کہ ہر وقت خدا کی طرف رجوع کریں۔(كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ)
۷۔خدا کا فضل وکرم ہی ہر طرح کی مصیبت سے نجات کا ضامن بنتا ہے۔(تَّابَ اللهُ... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ)

آیت نمبر 118

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اللہ نے ان تین افراد کی بھی توبہ قبول کی جو کہ (سستی کی وجہ سے) پیچھے رہ گئے تھے۔یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور خود ان پر ان کی جانیں بھی دوبھر ہوگئی تھیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے بچنے کے لیئے خود اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو اللہ نے اپنا لطف ان کے شامل حال کیا تاکہ انہیں توبہ کی توفیق مل سکے۔بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نکات

☆ تین مسلمان (کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور حلال بن امیّہ) نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔وہ پیچھے رہ جانے پر پشیمان ہوئے اور وہ معذرت طلبی کے لیئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے ان سے کوئی بات تک نہ کی۔آپ نے حکم دیا کہ باقی مسلمان بھی ان سے گفتگو نہ کریں۔آپ نے ان کی بیویوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں جب ان لوگوں نے ان حالات کو دیکھا تو وہ مدینہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور وہاں استغفار کرتے رہے۔بعدازاں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے بھی جدا ہونا چاہیئے۔اس کے بعد یہ لوگ ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور خدا سے توبہ واستغفار کرتے رہے۔اسی حالت میں پچاس دن گزرے کہ خدا نے ان پر ترس کھایا اور ان کی توبہ قبول کرنے کی آیت نازل فرمائی۔ (بحار جلد ۲۱ / ۲۳۷)

پیام

۱۔جو لوگ رہبر کی حکم عدولی کرتے ہوئے جنگ میں نہ جائیں تو انہیں کچھ عرصہ کے لیئے پس پشت ڈال دینا چاہیے۔(خُلِّفُوْا)
۲۔جھڑکنا، بے اعتنائی اور بائیکاٹ کے طریقے متخلفین اور مجرمین کی تربیت میں مؤثر ہیں۔(ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ ...ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ)

۳۔ متخلفین سے سخت رویہ اپنایا جائے تو ان کے لیئے پورا معاشرہ ایک زندان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس وقت انہیں اپنی اصلاح کی فکر محسوس ہوتی ہے۔ (ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ)

۴۔ رسول خدا رحمت الٰہی کے مظہر تھے لیکن بحیثیت مربی آپ سختی بھی کیا کرتے تھے۔ (وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ)

۵۔ روح اور وجدان کی ناراحتی بھی عذاب کی ایک قسم ہے (وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ)

۶۔ جب کوئی شخص تمام لوگوں سے مایوس ہو جائے تو پھر اسے توبہ کی سوجھتی ہے۔ (لَّا مَلْجَأَ ... ثُمَّ تَابَ)

۷۔ توبہ بھی توفیق بھی خدا کے لطف و کرم سے نصیب ہوتی ہے سب سے پہلے اللہ کا فضل انسان کے شامل حال ہوتا ہے۔ (تَابَ عَلَيْهِمْ) اس کے بعد انسان کو پشیمانی اور توبہ اور عذر خواہی کی توفیق پیدا ہوتی ہے (لِيَتُوبُوا) پھر جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے (إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ)

۸۔ متخلفین کا بائیکاٹ کیا جائے اور جب یہ مشاہدہ کریں کہ اب ان کی مکمل اصلاح ہو چکی ہے تو ان کو معاف کر دینا چاہیئے اور ان سے مشفقانہ سلوک کیا جائے۔ (تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ)

آیت نمبر 119

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ۔

نکات

☆ شیعہ و سنی روایات میں مذکور ہے کہ ''صادقین'' سے محمد و آل محمد مراد ہیں۔

☆ سورہ البقرہ کی ۱۷۷ ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ صادقین وہ مومن ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور مشکلات میں صبر کرتے ہیں سورہ الحجر کی ۱۵ ویں اور سورہ حشر کی ۸ ویں آیت میں رنج و محن اٹھانے والے اور جان برکف مہاجرین کو ''صادق'' کہا گیا ہے

پیام

۱۔ سچوں کی دوستی اور ان سے ہم نشینی اور ان کی رفاقت تربیت کے عوامل میں سے ایک ہے اور یہ چیز انسان کو انحراف سے بچاتی ہے۔ (اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ)

۲۔ ہمیں خدا کے بنائے ہوئے رہبروں سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ (كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ)

۳۔ خدا کے مقرر کردہ رہبر معصوم ہوتے ہیں اگر وہ معصوم نہ ہوتے تو خدا اہل ایمان کو یہ حکم کیوں دیتا کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ (وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ) ہمیں فخر رازی پر تعجب ہوتا ہے کیوں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ کوئی خاص فرد معصوم نہیں ہے اس کی

بجائے اجماع امت معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ کیا فخر رازی اتنا بھی نہیں جانتے کہ چند جائز الخطا اور فاسق افراد کا اجماع معصوم کیسے ہو سکتا ہے؟

۴۔ معاشرے کا تکامل ایمان، تقویٰ اور معصوم رہبر کے زیر سایہ ہی ممکن ہے۔ (اٰمَنُوا۔۔اتَّقُوا۔۔مَعَ الصّٰدِقِیْنَ)

۵۔ اہل ایمان نے قیامت تک رہنا ہے تو جماعت صادقین کا ایک نہ ایک ہر زمانے میں ہونا چاہیئے تاکہ اہل ایمان اس کے ساتھ رہیں (وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ)

۶۔ مقام صدق اتنا بلند ہے کہ خدا نے لفظ ''معصوم'' کی بجائے ''صّٰدِقِیْنَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور صادقین کا مقام اتنا بلند ہے کہ ''اٰمَنُوا و اتَّقُوا'' پر عمل کرنے والوں کو ''صّٰدِقِیْنَ'' کا ساتھ دینے کا حکم دیا گیا۔ (اٰمَنُوا، اتَّقُوا، الصّٰدِقِیْنَ)

آیت نمبر 120

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰

اہل مدینہ اور ان کے گرد و پیش رہنے والے صحرا نشینوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ (فرمان) رسول سے تخلّف کریں (اور جنگ میں نہ جائیں) اور اپنی جانوں کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ یہ اس لیئے کہ انہیں نہ پیاس کی تکلیف ہوگی اور نہ مشقت کی اور نہ راہ خدا میں بھوک کی اور نہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں گے جو کافروں کو ناگوار گزرے اور نہ انہیں دشمن سے کوئی گزند پہنچے گا مگر یہ کہ ان کے لیئے نیک عمل لکھا جائے گا۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

نکات

☆ اس آیت سے جنگ کے متعلق جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اس بات پر ایمان کہ جنگ کی جملہ سختیوں کو عمل صالح کا درجہ حاصل ہے اور یہ تکالیف رضائے الٰہی کی موجب ہیں۔

۲۔ فرمانروا کی حفاظت مقدم ہے۔

۳۔ مشکلات اور سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے۔

۴۔ دشمن کو خوار کیا جائے اور اسے غصہ میں مبتلا کرنا چاہیئے۔

پیام

۱۔رہبر کے ساتھی اور اس کے حاشیہ نشین جن کے پاس علم اور وسائل زیادہ ہوتے ہیں ان پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں (مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ... اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا)

۲۔اسلام کا دفاع جس طرح سے شہر والوں پر فرض ہے اس سے دیہات والوں پر بھی فرض ہے (لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ)

۳۔رسول کی اطاعت غیر مشروط طور پر فرض ہے اور اس میں کسی طرح کی چوں چراں کی اجازت نہیں ہے اور کسی کو بھی فرمان پیغمبر سے تخلف کی اجازت نہیں ہے (مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ... اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا)

۴۔رسالت کی ذمہ داریوں میں فوج کی سالاری بھی شامل ہے۔(يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ)

۵۔تمام مسلمانوں کی جان سے رسول کی جان کی حفاظت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ رسول کے جانثار کا کردار ادا کریں۔(وَلَا يَرْغَبُوْا)

۶۔مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے عقیدہ کے تحفظ کے لیئے ہر طرح کی مشکلات کو برداشت کرنے پر آمادہ رہیں۔(ظَمَاٌ, نَصَبٌ مَخْمَصَةٌ)

۷۔اسلامی معاشرے کو کفر کے خلاف ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔(يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ)

۸۔مسلمانوں کی راہ پیمائی جو کہ کفار کے غیظ وغضب کا سبب ہو وہ خدا کے ہاں لائق اجر ہے۔(مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ)

۹۔صرف دفاع اور جنگ ہی موجب اجر نہیں ہے بلکہ جنگ کی جملہ سختیاں اجر وثواب کا ذریعہ ہیں (لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ... عَمَلٌ صَالِحٌ)

۱۰۔جہاد کے مقدمات اور جنگ کی آمادگی بھی عمل صالح اور عبادت ہے۔(وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا... عَمَلٌ صَالِحٌ)

۱۱۔حقیقی نیکوکار وہی ہے جو انقلابی اور مجاہد ہو (اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ) جانفشانی نیکوکاری کی علامت ہے۔

۱۲۔اجر الٰہی کو تکالیف برداشت کرنے کے زیر سایہ تلاش کرنا چاہیئے۔خزانہ پانے کے لیئے زحمتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔(ظَمَاٌ, نَصَبٌ, مَخْمَصَةٌ... اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ)

۱۳۔خدا کی رضا اور اجر کا عقیدہ مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔(اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ)

آیت نمبر 121

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور اسی طرح سے وہ (راہ جہاد میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور جب کوئی وادی (جہاد کی غرض سے) پار کرتے ہیں تو یہ سب ان کے حق میں لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے۔

نکات

"احسن ما کانو ایعملون" کے دو مفہوم ممکن ہیں۔

۱۔خدا کی جزا ان کے عمل سے کہیں بہتر ہوگی جو وہ مجاہدین کو عطا فرمائے گا۔

۲۔وہ جان و مال سے جہاد کر کے بہترین عمل سرانجام دے رہے ہیں خدا انہیں ان کے عمل کی جزا دے گا۔

پیام

۱۔انفاق فی سبیل اللہ کے لیئے مقدار اور کمیت کی کوئی اہمیت نہیں خدا کی راہ میں کم خرچ کیا جائے یا زیادہ خدا اس کا ضرور اجر دے گا۔

۲۔ہمیں کبھی بھی یہ اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمیں ہمارے عمل کی جزا نہیں ملے گی۔انسان کے تمام اعمال لکھے جا رہے ہیں (لَا يُنْفِقُوْنَ ،وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ)

۳۔میدان جنگ کی طرف سفر کرنا بہترین عمل ہے۔(اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

۴۔اللہ کی طرف سے ملنے والی جزا انسانی عمل سے کہیں بلند و برتر ہے۔(لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ)

۵۔عمل صالح پر قائم رہنے سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔(مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

۶۔سنت الہی یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی ترقی کے لیئے اہل ایمان کو ذریعہ بناتا ہے۔(اگر اہل ایمان کی کوشش کی ضرورت نہ ہوتی تو ان دو آیات یہ تشویق دکھائی نہ دیتی)

آیت نمبر 122

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مومن نکل کھڑے ہوں۔پھر کیوں نہ ہر گروہ سے ایک جماعت نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں پھر جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو انہیں تنبیہ کریں تاکہ وہ (گناہ و سرکشی سے) بچے رہیں۔

نکات

☆جب سورہ توبہ کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے تو اس کے بعد تمام مسلمانوں نے یہ طے کر لیا کہ اب کوئی فوجی مہم درپیش ہوگی تو وہ سب کے سب اس میں شریک ہوں گے اور مدینہ میں کوئی بھی فرد

باقی نہیں رہے گا ان کے اس عزم سے مدینہ کے خالی رہنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے رسول خداؐ کے تن تنہا رہنے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اسی لیئے اس آیت میں حکم دیا گیا کہ لوگ فہم دین کے حصول کے لیئے مدینہ میں رہیں تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں چنانچہ یہ آیت جنگ میں تمام افراد کی شرکت کو کنٹرول کرنے کے لیئے نازل ہوئی (تفسیر مجمع البیان)

☆ تمام صحرا نشین افراد نے دین کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیئے مدینہ منورہ کا رخ کیا جس سے شہر کی طرف منتقلی کا رجحان بڑھ گیا اور آبادی کے لیئے مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ اسی تناظر میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب لوگ دین فہمی کے لیئے کوچ نہ کریں چند افراد دین فہمی کے لیئے سفر کریں اور جب انہیں دین کی سمجھ بوجھ حاصل ہو جائے تو پھر اپنے وطن واپس چلے جائیں اور اپنی قوم کو تبلیغ دین کریں۔

۱۔ عرض مترجم۔ یہ توجیہاً آیت مجیدہ کے الفاظ سے مناسبت نہیں رکھتی آیت میں تو یہ کہا گیا ہے کہ سب افراد کے لیئے ممکن نہیں ہے کہ وہ نکل کھڑے ہوں تو پھر کیوں نہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تا کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب پلٹ کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہیں تنبیہ کریں۔ مذکورہ بالا توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حکم اہل مدینہ کے لیئے ہے۔ بھلا اہل مدینہ نے لوٹ کر اپنی قوم کو تبلیغ کرنا تھی مدینہ میں تو تبلیغ کے لیئے خود رسول خدا موجود تھے

'دین'' خدا کے قوانین اور اسلام کے ظاہری و باطنی احکام کے مجموعہ کا نام ہے اور اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو کہ خدا کے ہاں قابل قبول ہے۔ "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' (آل عمران/۱۹) خدا کے ہاں دین فقط اسلام ہے یہاں اسلام تسلیم کے معانی میں ہے "تفقه فی الدین'' کا مقصد یہ ہے کہ انسان دین کے احکام وعقائد کی گہری شناخت حاصل کرے "تفقه فی دین'' کے دو محرک ہو سکتے ہیں اس کا ایک محرک تو یہ ہے انسان علم دین اس لیئے حاصل کرے کہ اس سے مال دنیا حاصل کرے اور دنیاوی جاہ و عزت حاصل کرے اور اپنے دوستوں میں نمایاں دکھائی دے۔ اس کا دوسرا محرک یہ ہے کہ اس سے آخرت کو سنوارا جائے اور علم دین سے نجات کا سامان حاصل کیا جائے۔ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں اس مقصد کے لیئے تفقه فی الدین کی دعوت دی گئی ہے۔ اور فرمایا گیا ہے (ولینذروا قومهم)

☆ فقہ اتنی اہم ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو یمن روانہ کیا تو آپ نے ان سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے 'ففقهم فی الدین'' ان لوگوں کو دین کی سمجھ بوجھ عطا کریں۔ مستدرک الوسائل حدیث ۳۶۳۶۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق یہ دعا فرمائی تھی "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' خدایا اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما۔ اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ تمام لوگوں سے بڑے فقیہ کہلائے (بحار الانوار جلد ۶۶/ ۹۲) حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند کو یہ نصیحت فرمائی۔ "تَفَقَّهْ فِي الدِّيْنِ فَاِنَّ الْفُقَهَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ'' (بحار جلد اول /۲۱۶) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرو کیونکہ فقہا انبیاء کے وارث ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاتے ہوئے یہ جملے کہے تھے "حمد ہے اس ذات کی جس نے ہمیں دین میں فقیہ بنایا'' (موسوعۃ کلمات الامام)

☆امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اگر امام کو کوئی حادثہ پیش آجائے (یعنی امام کی وفات ہو جائے) تو لوگوں کی تکلیف شرعی کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی اور اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ شناختِ امام کے لیئے سفر کریں۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

ا۔ ہمیں معاشرہ شناس ہونا چاہیئے اور ہر علم کے لیئے کچھ افراد کو مخصوص کرنا چاہیئے تا کہ امت کے تمام مسائل حل ہوتے رہیں۔(وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً)

۲۔ ایمان اور ہجرت ایک دوسرے کے لیئے لازم و ملزوم ہیں دین کے دفاع کے لیئے بھی ہجرت ضروری ہے اور دین کی صحیح شناخت کے لیئے بھی ہجرت ضروری ہے(فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ)

۳۔ ہر علاقہ کے کچھ لوگ اسلام کی شناخت کے لیئے علمی مراکز کا رخ کریں تا کہ ہر علاقہ میں دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے موجود ہوں۔(مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ)

۴۔ وہ اہل علم جس نے طلب علم کے لیئے سفر نہ کیا ہو وہ کامل عالم نہیں ہے (نفر) ایک شخص جو کہ خانہ نشین تھا اس کے لیئے امام علیہ السلام نے فرمایا: "كَيْفَ يَتَفَقَّهُ فِي الدِّيْنِ" (تفسیر کنز الدقائق) وہ دینی سمجھ بوجھ کیسے حاصل کرے گا؟

۵۔ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر کے لوگوں اس کی تعلیم دینا واجب کفائی ہے (فَلَوْلَا نَفَرَ... طَآئِفَةٌ) جہاد اور اجتہاد دونوں واجب کفائی ہیں البتہ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ اگر کبھی جہاد کے تمام افراد کی شرکت ضروری ہو جائے تو پھر سب پر جہاد میں شریک ہونا فرض ہو جاتا ہے۔(بحار الانوار جلد ۹۷/ ۴۸) معاشرے میں اس طرح کی منصوبہ بندی کی جائے کہ علوم دین کے طالب علم پوری دلجمعی سے علوم حاصل کر سکیں۔

۶۔ لوگوں کے تنبیہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ علماء لوگوں کو غفلت اور لاتعلقی سے نجات دلائیں اور انہیں عذاب آخرت اور دنیاوی مشکلات سے آگاہ کریں۔(لِيُنْذِرُوا)

۷۔ جنگ کے موقع پر بھی ہمیں فکری، اعتقادی اور اخلاقی مسائل سے غفلت نہیں کرنی چاہے اور ہمارا بیرونی دشمن ہمیں جہالت جہالت وغفلت جیسے اندرونی دشمن سے غافل نہ کرنے پائے۔(وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا.. فَلَوْلَا نَفَرَ ..لِّيَتَفَقَّهُوا)

۸۔ فقہ صرف احکام دین یاد کرنے کا نام نہیں ہے اس کی بجائے فقہ تمام مصارف اسلامی کو سمجھنے کا نام ہے(لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ)

۹۔ دین کی گہری شناخت ہونی چاہیئے(لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ)

۱۰۔ تبلیغ دین کے لیئے گہری آگاہی ہونی چاہیے(لِّيَتَفَقَّهُوْ... لِيُنْذِرُوا)

۱۱۔ اسلام شناس فقیہ کی گفتگو پر اعتماد کیا جا سکتا ہے(لِّيَتَفَقَّهُوْ... لِيُنْذِرُوا)

عین ممکن ہے کہ پورے علاقہ میں صرف ایک ہی شخص دین کا عالم ہو اس سے خبر واحد کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔

۱۲۔"تفقه فی الدین"اس وقت مفید ہے جب فقیہ اپنے زمانہ کے حالات سے آگاہ ہو اور شیطانی چالوں سے بچانے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔(لِّيَتَفَقَّهُوْ...لِيُنْذِرُوْا)

۱۳۔علمی حوزہ جات کے طلباء کے لیئے دو ہجرتیں ضروری ہیں انہیں چاہیئے کہ پہلی ہجرت حوزہ میں آنے کے لیئے کریں اور جب وہ خوب پڑھ لکھ لیں تو دوسری ہجرت اپنے شہر کی طرف کریں اور وہاں جا کر تبلیغات سر انجام دیں۔لہٰذا مستقل طور پر حوزہ میں رہنا نا جائز ہے(فَلَوْلَا نَفَرَ...لِّيَتَفَقَّهُوْا لِيُنْذِرُوْا...اِذَا رَجَعُوْٓا)

۱۴۔تبلیغ اور تہذیب وتمدن کے امور کے لیئے انسان کو اپنے ہی علاقہ کو ترجیح دینی چاہیے۔(لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ)

۱۵۔علماء کو عوام سے خود رابطہ کرنا چاہیئے ان کی دعوت کا انتظار نہیں کرنا چاہیے(رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ)

۱۶۔تقویٰ اور یاد آخرت کا اجاگر کرنا تبلیغ کا محور ہونا چاہیے(لِيُنْذِرُوْا...لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ)

۱۷۔فقہاء کو یہ توقع کبھی نہیں کرنی چاہیئے کہ سب لوگ ان کی اطاعت کرلیں گے۔کچھ گروہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دین اور خدائی راستے کو اپنانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔(لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ)

آیت نمبر 123

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے ایمان والو!اپنے قریب رہنے والے کافروں سے جنگ کرو اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔جان لو کہ خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

نکات

☆نزدیکی دشمنوں سے جنگ کرنے میں کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

۱۔نزدیکی دشمن سے جنگ کے لیئے تھوڑے وسائل درکار ہوتے ہیں اور تھوڑے اخراجات سے جنگ لڑی جاسکتی ہے۔

۲۔انسان کو قریبی دشمنوں کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔قریبی دشمنوں سے جنگ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اور مجاہدین کی آمادگی بھی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔

۴۔قریبی دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

۵۔قریبی دشمن تک رسائی میں آسانی محسوس ہوتی ہے۔

۶۔قریبی دشمن کو مغلوب کر کے اپنے دار الحکومت کو محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔

"غِلْظَةً"صلابت،قوت وہیبت کے معنی میں ہے۔یہ لفظ سنگدلی اور بدخلقی کے معنی میں نہیں ہے۔مسلمان افواج کو چاہیئے کہ وہ

اپنی فوجی پریڈ، اپنے لباس اور جنگی اسلحہ کا مظاہرہ کرکے دشمن کے دلوں پر رعب ڈالیں۔ فتح مکہ کے وقت آنحضرت نے لشکر اسلام کو حکم دیا تھا کہ جب وہ ابوسفیان کے گھر سے گزریں تو پوری آن بان کے ساتھ گزریں تاکہ اسے اپنی حقارت اور لشکرِ اسلام کی قوت کا احساس ہو اور مشرکین کے حوصلے کمزور ہوں۔

☆اسلام "الاقرب فالاقرب" کے فارمولے پر یقین رکھتا ہے یعنی ہر کام کی ابتدا نزدیک سے ہونی چاہیے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے قرابت رکھنے والے یتامیٰ و مساکین سے ابتدا کرے۔ اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ دیتا ہے تو ابتدا قریبی ضرورت مندوں سے کرے اس طرح سے اگر کفار سے جنگ کا مرحلہ درپیش ہو تو پہلے قریبی دشمنوں سے نمٹنا چاہیے اور اگر دعوت وتبلیغ کا آغاز کرنا مقصود ہو تو پھر ابتدا اپنے قرابت داروں سے کرنی چاہیئے اسی طرح سے انسان کو چاہیے کہ نماز کے لیئے قریبی مسجد کا انتخاب کرے اور نماز جماعت میں پہلی صف میں کھڑا ہونا چاہیئے کیونکہ وہ صف امام کے قریب تر ہوتی ہے۔

☆اس آیت میں دفاعی جہاد کی بجائے آزادی بخش جہاد کا حکم دیا گیا ہے اسی لیئے اس میں مجاہدین اسلام کی صفات کو بیان کیا گیا ہے اور کافروں کے حملہ آور ہونے کی شرائط کا تذکرہ نہیں کیا گیا (تفسیر فی ظلال القرآن)

☆پیغمبر اسلام کی سیرت میں ہمیں بہت سے آداب جنگ کی تعلیم دکھائی دیتی ہے آپ لشکر اسلام کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ تقویٰ کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھیں اور کفار کی عورتوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ درخت نہ کاٹیں۔ کسی جنگ میں آپ نے ایک کافر عورت کو قتل ہوا دیکھا تو اس پر آپ کو سخت دُکھ ہوا۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

پیام

۱۔ ایمان عمل اور جہاد کا متقاضی ہے (یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوْا۔۔۔)

۲۔ نزدیکی دشمنوں کے شر کو دفع کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے (یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ) اسلام کی جنگی اسٹریجی یہ ہے کہ قریبی دشمنوں سے جنگ کا آغاز کیا جائے اسی طرح سے فکری اور عقیدتی مبارزہ میں بھی رائج الوقت شبہات کے ازالہ کو اولیت دی جائے۔

۳۔ لشکرِ اسلام کے رعب و دبدبہ کو قائم کرنے کے لیئے مناسب اقدامات کرنے چاہیں۔ مجاہدین میں شوق جہاد کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ جدید ترین حرب وضرب کے آلات سے انہیں مسلّح کرنا چاہیئے۔ اور افواج کو جنگ کی جدید ترین تکنیک سے باخبر کرتے رہنا چاہیئے۔ (وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً)

۴۔ لشکرِ اسلام کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے جس سے دشمن مرعوب ہو جائے۔ (غِلْظَةً)

۵۔ اندرونی شجاعت کے ساتھ ساتھ بیرونی صلابت بھی ضروری ہے۔ (وَلْیَجِدُوْا)

۶۔ لشکرِ اسلام کو جہاں فولاد کی طرح سے مضبوط ہونا چاہیئے وہاں اسے تقویٰ سے بھی آراستہ ہونا چاہیئے۔ (اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ)

۷۔ جہاد الٰہی تقویٰ کی تجلی ہے۔ (قَاتِلُوْا۔۔۔ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ)

۸۔ جنگ میں کینہ و ہوس اور طبعی غرائز بھی ممکن ہیں اسی لیئے مجاہدین اسلام کے لیئے تقویٰ بنیادی شرط ہے۔(اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ)

آیت نمبر 124

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّکُمْ زَادَتْہُ ھٰذِہٖٓ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۝۱۲۴

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقین میں سے کچھ کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے ؟ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں تو ان کے ایمان میں آیات اضافہ کرتی ہیں اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

پیام

۱۔قرآن کے نزول پر مذاق اڑانا منافقت کی علامت ہے(اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ ...یَّقُوْلُ اَیُّکُمْ زَادَتْہُ---)

۲۔منافقین اس طرح کے سوالات کر کے دوسروں کو بھی اپنے ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے تھے (یَّقُوْلُ اَیُّکُمْ زَادَتْہُ ھٰذِہٖٓ اِیْمَانًا---)

۳۔اہل ایمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کریں کہ منافقین کے شبہات کے جواب دے سکیں۔(اَیُّکُمْ زَادَتْہُ ھٰذِہٖٓ اِیْمَانًا)

۴۔ایمان کے کئی مراتب ہیں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔اسی طرح سے منافقت کے بھی کئی مراتب ہیں اور اس میں بھی ترقی ممکن ہوتی ہے۔(فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا)

۵۔مومن اور منافق کی پہچان کے لیئے قرآن بہترین وسیلہ ہے۔(فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا)

۶۔قرآنی آیات سننے کے بعد خوشی محسوس ہونے لگے تو یہ ایمان کے تکامل اور رُشد کی علامت ہے۔(فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ)

۷۔قرآن اہل ایمان کے لیئے بشارت کی اساس ہے۔(وَّھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ)

آیت نمبر 125

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ وَمَاتُوْا وَھُمْ

كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے تو (قرآنی آیات) ان کی نجاست میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ کافر ہو کر مرتے ہیں۔

نکات

☆اگر مردار کو کھلی جگہ پر ڈال دیا جائے اور اس پر بارش ہو تو اس کی بدبو میں اور اضافہ جائے گا۔ بدبو کی وجہ بارش نہیں ہے خود مردار ہی ہے۔ اسی طرح سے روحِ تکبر و لجاجت قرآن کے نزول کی وجہ سے بیمار دل افراد زیادہ متکبر بن جاتے ہیں اور ان کے بغض و عناد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ" کا معنی یہ ہے کہ ان کے شک میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین) گویا اس آیت میں لفظ رجس شک کے معنی میں ہے۔

پیام

۱۔ روحانی امراض بھی جسمانی امراض کی مانند ہیں اگر ان کا بروقت مناسب علاج نہ کیا جائے تو ان کی شدّت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ انسانی روح کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔ (فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ)

۲۔ کفر حق پوشی کا دوسرا نام ہے اور یہ انسان کے دل اور روح کے لیئے خطرناک بیماری ہے۔ (فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ... كٰفِرُوْنَ)

۳۔ منافق کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ (مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ)

آیت نمبر 126

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾

کیا انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ ہر سال ان کی ایک یا دو مرتبہ آزمائش کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ کی یہ روش ہے کہ وہ ہر دور میں ہر انسان کو آزماتا ہے۔ (فِىْ كُلِّ عَامٍ)

۲۔ حوادث کے پس پردہ یہ فلسفہ کارفرما ہوتا ہے کہ انسان توبہ کریں اور نصیحت پکڑیں۔ (لَا يَتُوْبُوْنَ، لَا يَذَّكَّرُوْنَ)

۳۔ خدائی آزمائش کے باوجود متنبہ نہ ہونا منافقت کی علامت ہے اور یہ دل کی بیماری کا مظہر ہے اور یہ چیز سرزنش کے لائق ہے۔ (

لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ)

۴۔منافقت کا نتیجہ سنگدلی اور برے انجام کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔(لَا يَتُوْبُوْنَ. لَا يَذَّكَّرُوْنَ)

آیت نمبر 127

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو (منافق) ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور پوچھتے ہیں کہ) کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے ؟ پھر (پیغمبر سے) چھپ کر چلے جاتے ہیں۔خدا نے ان کے دلوں کو (حق سے) دور کر دیا ہے کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔

نکات

☆ منافق قرآن کی یاددہانی سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے جس طرح سے جلا ہوا برقی بلب بجلی سے روشن نہیں ہوتا اسی طرح سے ان کے نجس دل قرآن کی یاددہانیوں سے متاثر نہیں ہوتے۔

پیام

۱۔منافق اپنی نجس کیفیت کے ظاہر ہونے سے ہر وقت مضطرب رہتے ہیں اور ہر وقت انہیں یہ فکر رہتی ہے کہ اپنے کاموں کو خفیہ رکھیں ۔(نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ)

۲۔منافق ایات قرآنی کے نزول کو ناپسند کرتے ہیں (نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ)

۳۔منافقین قرآنی محافل سے دور بھاگتے ہیں۔(نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ) قرآن سے دوری منافقت کی علامت ہے۔

۴۔خدا کے قہر کی وجہ انسان کا ہدایت سے بھاگنا ہے۔(انْصَرَفُوْا ۔۔صَرَفَ اللّٰهُ)

۵۔قرآن سے منہ موڑنے کی وجہ صحیح ادراک کا فقدان ہے۔(قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ)

آیت نمبر 128

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

بے شک تمہارے پاس رسول آیا ہے جو خود تم میں سے ہے۔تمہارا مشقت میں پڑنا اس پر گراں ہے وہ تمہاری بھلائی کا خواہاں ہے اور وہ اہل ایمان کے لیئے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

نکات

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی بھی نبی کو دو اسماعطا نہیں کیئے۔یہ اعزاز صرف آنحضرتؐ کو حاصل ہے کہ اللہ نے انہیں ملقب کیا ہے (رَءُوفٌ رَّحِيمٌ)

☆ اس آیت میں آسمانی رہبر اور ان کی کیفیت اور ان کی دلسوزی کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ انسانوں کے کتنے خیر خواہ ہیں۔اسی لیئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ان ہمدرد افراد کی اطاعت کا دم بھرے اور ان کی مخالفت نہ کرے۔

پیام

۱۔رسول خدا کا تعلق لوگوں کی جنس سے ہی ہے۔(مِّنْ اَنْفُسِكُمْ)

۲۔رسول خدا امت کے غم خوار ہیں۔(عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ)

۳۔اسلام کے رہبروں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے دکھ کو اپنا دکھ محسوس کریں (عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ)

۴۔پیغمبر اسلام کو ہر وقت لوگوں کی بھلائی کی فکر رہتی تھی (حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ)

۵۔دوسروں پر کسی کا کلام تب مؤثر ہوتا ہے جب وہ ان کا خیر خواہ ہو اور ان کا ہمدرد ہو، ان پر مہربان ہو اور وہاں سے کسی طرح کی لالچ نہ رکھتا ہو اور تواضع کا سلیقہ رکھتا ہو۔(عَزِيزٌ عَلَيْهِ...حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ...رَءُوفٌ رَّحِيمٌ)

۶۔رہبر اسلامی صرف اہل ایمان کے لیئے شفیق اور مہربان ہیں نہ کہ سب کے لیئے۔آپ دشمنوں پر نہایت سخت تھے۔ (بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ)

آیت نمبر 129

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

پس اگر وہ (کلام الٰہی سے) روگردانی کرلیں تو آپ کہ دیجیئے کہ میرے لیئے اللہ کافی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میں نے اسی پر ہی توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے

نکات

☆ سابقہ آیت میں رسول خدا کی شفقت اور ہمدردی کو بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ پیغمبر اس لیئے شفیق ہیں کہ انہیں لوگوں کی ضرورت ہے۔چنانچہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ

لوگوں کے ہرگز محتاج نہیں ہیں اگر تمام لوگ بھی ان سے منحرف ہوجائیں تو خدا پھر بھی ان کے ساتھ ہے اور اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ لوگ خواہ سورج کی طرف منہ کریں یا پشت سورج پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا اسی طرح سے اگر لوگ آنحضرت کی نبوت کو مانیں یا اس کا انکار کریں آپ کی ذات پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عرش عظیم سے "ملک عظیم" (عظیم بادشاہت) مراد ہے (تفسیر نور الثقلین ،توحید صدوق ص ۳۲۱)

☆جو خدا کائنات کے عظیم نظام کی تدبیر کررہا ہے وہ اپنے کرم سے ایک معمولی سے انسان کی بھی نگہداری کرسکتا ہے۔امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں بارگاہ الٰہی میں یہ الفاظ کہے۔"ماذا وجد من فقدك ،وماذا فقد من وجدك" جس نے تجھے کھودیا اس نے بھلا کیا پایا؟ اور جس نے تجھے پالیا اس نے بھلا کیا کھویا؟

پیام

۱۔اگر لوگ دین سے منہ پھیر لیں تو ہمارے پر اس کا کوئی مضر اثر مرتب نہیں ہونا چاہیئے (فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ)

۲۔جس کے پاس خدا ہو اسے بھلا کس چیز کی کمی ہے؟ (حَسْبِيَ اللّٰهُ)

۳۔خدا پر توکل، مشکلات پر غلبہ کی علامت ہے (فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ...عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَظِيْمِ

سورۃ یونس

پارہ	11
سورۃ	10
تعداد آیات	109

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ یونس ایک نظر میں

یہ قرآن حکیم کی دسویں سورت ہے یہ بعثت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی تھی۔اس کا نام ''یونس'' ہے۔اس سورت کی آیات کی تعداد ایک سونو ہے اس کے زیادہ تر مطالب کا تعلق توحید، حقانیتِ قرآن، منکرین وحی کو جواب، مشرکین کو عذاب سے ڈرانے۔خدا کی تخلیق اور خالق کی عظمت، دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے سے ہے۔سابقہ سورہ یعنی سورہ توبہ میں منافقین کے چال چلن کو واضح کیا گیا ہے جب کہ اس سورت میں مشرکین کے کردار پر بحث کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمان رحیم ہے

آیت نمبر 1

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ①

ترجمہ: الف لام۔را۔ یہ حکمت آمیز کتاب کی آیات ہیں۔

نکات

☆ چھ مسلسل سورتوں کا آغاز ''الٓرٰ'' کے حروف مقطعات سے ہوا ہے اور وہ سورتیں یہ ہیں۔

ا۔یونس۔ ۲۔ہود۔ ۳۔یوسف۔ ۴۔رعد۔ ۵۔ابراہیم۔ ۶ جر۔البتہ سورہ رعد کا آغاز (المٓرٰ) سے کیا گیا ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''الرٰ'' کے متعلق فرمایا کہ لفظ ''الف'' کا اشارہ ''اَنَا'' کی طرف ہے۔اور لفظ ''لام'' کا اشارہ ''اللہ'' کی طرف ہے اور ''را'' کا اشارہ ''رؤوف'' کی طرف ہے اور ''الرٰ'' کا مطلب ہے (انا اللہ الرؤوف) میں خدائے مہربان ہوں۔(تفسیر نور الثقلین) ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ''الرٰ'' کا تعلق حروف متشابہات سے ہے۔

پیام

ا۔قرآن برتر مقام کا حامل ہے اور اس کی عظمت کے اظہار کے لیئے ''تِلۡكَ'' اسم اشارہ بعید سے اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔قرآن حکیم بھی ہے حکم بھی ہے۔اور محکم بھی ہے اور حکیمانہ مطالب کا حامل بھی ہے زمان ومکان اور دشمن کی سازشیں اس میں کوئی خلل پیدا نہیں کرسکتیں۔(الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ)

آیت نمبر 2

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؔ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ②

ترجمہ: کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کی طرف وحی کی ہے کہ لوگوں کو متنبہ کرا اور ایمان لانے والوں کو بشارت دے کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیئے بہترین جگہ موجود ہے۔کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلم کھلا جادوگر ہے۔

نکات

☆''قَدَمَ صِدۡقٍ'' کے چند معانی ہیں۔

ا۔اچھی سبقت رکھنا مثلاً کہا جاتا ہے ''قَدَمٌ فِي الۡحَرۡبِ'' جب کوئی جنگ میں پیش پیش ہو اور ''قَدَمٌ فِي الۡاِسۡلَامِ'' جب کوئی اسلام لانے میں سبقت رکھتا ہو۔

۲۔سچا اور عمدہ مقام۔
۳۔سچا رہبر و رہنما۔شیعہ سنی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ''قَدَمَ صِدۡقٍ'' سے حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ مراد ہیں (تفسیر قرطبی۔تفسیر برہان)
۴۔ایک اور روایت میں ''قَدَمَ صِدۡقٍ'' کی تفسیر مقامِ شفاعت سے کی گئی ہے۔(تفسیر نور الثقلین)
۵۔کافروں کے پاس رسول اکرمؐ کے انکار کی کوئی منطقی دلیل موجود نہیں تھے۔وہ اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ اللہ تعالی نے خود ان میں سے ایک شخص کو رسول کیونکر بنا دیا؟ چنانچہ وہ اپنے تعجب کی وجہ سے آنحضرتؐ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔کافروں کو صرف آنحضرتؐ کی نبوت پر ہی تعجب نہیں تھا وہ اور اصول اعتقادی پر بھی تعجب کیا کرتے تھے۔
۱۔انہیں توحید الٰہی پر تعجب تھا۔(اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا) کیا اس نے تمام معبودوں کو ختم کر کے ایک معبود قرار دیا ہے۔
۲۔فار کو نبوت پر تعجب تھا۔(اَهٰذَا الَّذِیۡ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوۡلًا) کیا یہ وہی ہے جسے خدا نے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے؟
۳۔فار کو قیامت پر تعجب تھا(مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ) بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔
۴۔انہیں حکومت و قیامت پر تعجب لاحق ہوا تھا(اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ ... وَلَمۡ یُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ)اسے حکومت کیسے مل گئی جب کہ ان کے پاس کچھ زیادہ مال ہی نہیں ہے؟

پیام

۱۔وحی الٰہی پر تعجب کرنا اور اسے عقل و خرد کے منافی سمجھنا کفر کی بنیادی وجہ ہے۔(عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ)
۲۔وحی الٰہی انبیاء کی دعوت کا سرچشمہ ہوتی ہے(اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ)
۳۔افراد کی اندرونی صلاحیت بظاہر دکھائی نہیں دیتی۔لہٰذا اگر خدا کسی کو اپنے لطف و کرم کا محور بنا دے تو ہمیں برداشت کا ثبوت دینا چاہیئے۔(رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ)
۴۔پیغمبر مثالی نمونہ ہوتے تھے اور وہ معاشرے کے درد آشنا تھے۔(مِّنۡهُمۡ)
۵۔انبیاء کا وظیفہ خوش خبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا ہے۔(اَنۡذِرِ،بَشِّرِ)
۶۔وچیز سمجھ میں نہ آئے اس کو فوراً جھٹلانا نہیں چاہیئے کیونکہ انکار اور تہمت کافروں کا شیوہ ہے(قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ)

آیت نمبر 3

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

ترجمہ: تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر اقتدار قائم کیا (زمامِ امور کو ہاتھوں میں لیا) وہی معاملہ کی تدبیر کرتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ وہی اللہ ہی تمہارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

نکات

☆ چھ دنوں سے چھ مراحل اور چھ ادوار تخلیق مراد ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے چھ دن کے برابر مدت مراد ہو۔

☆ ”عرش“ مرکز تدبیر کو کہا جاتا ہے اور یہ لفظ قدرت واقتدار سے کنایہ ہے جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص تخت نشین ہوا یا فلاں شخص کو تخت سے اتارا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں کو اقتدار سلطنت ملا اور فلاں اقتدار سے ہٹایا گیا۔ زمین وآسمان کی تخلیق سے بھی پہلے کائنات پر خدا کی حکومت تھی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ”كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ“ اس کا اقتدار پانی پر تھا (ہود/ ۷) آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد اس کا اقتدار ان پر قائم ہے اور زمین وآسمان فنا ہو جائیں گے تو بھی سلطنت واقتدار اسی ذات پاک کے ہاتھ میں ہوگا۔ قیامت کے دن بھی اسی کی حکومت ہوگی۔ (وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ) اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ افراد اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ عرش کے چار ستون ہیں اور جن کلمات پر ان کی بنیاد قائم ہے وہ بھی چار ہیں (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ)

پیام

۱۔ تخلیق کائنات پوری منصوبہ بندی اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر سرانجام پائی ہے (سِتَّةِ اَيَّامٍ) جب کائنات حاکم مطلق کی تدبیر سے آزاد نہیں ہے تو انسان جو کہ کائنات کا گل سرسبز ہے وہ اس حاکم مطلق کی تدبیر سے کیسے آزاد ہو سکتا ہے؟

۲۔ پہلا درجہ خدا شناسی کا ہے۔ اور دوسرا درجہ خدا پرستی کا ہے۔ (اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ ..... فَاعْبُدُوْهُ)

۳۔ نظام ہستی پر ایک قانون کی علمداری ہے اور اس کی تخلیق کا بھی کوئی نہ کوئی ہدف اور مقصد ہے۔ (يُدَبِّرُ الْاَمْرَ)

۴۔ عبادت کا حقدار صرف وہی ہے جو خلقت وتدبیر کے اختیارات رکھتا ہو اور جس کے پاس یہ اختیار نہیں وہ لائق عبادت نہیں ہے۔ (خَلَقَ ... يُدَبِّرُ ... ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ)

۵۔ اللہ نے کائنات پیدا کی۔ (خَلَقَ) تمام کائنات اس کے دست تصرف میں ہے (اسْتَوٰى) وہ اپنی حکمت کے تحت تدبیر کرتا

ہے(یُدَبِّرُ)اس کی اجازت کے بغیراس کے نظام میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا (مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ) جب انسان مندرجہ بالا حقائق پرغور کرتا ہےتواس سے روحِ عبادت بیدار ہوتی ہے(فَاعۡبُدُوۡهُ)

٦۔وہی موجود واسطہ قرار پا سکتا ہے جس کی تائید خدا کی طرف سے ہولہٰذا ہمیں چاہیئے کہ بے جان بتوں کواپنا شفیع نہ بنائیں (الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ)

٧۔الوہیت،ربوبیت سے جدانہیں ہے۔جب کہ طاغوت یہ چاہتے ہیں کہ خدا کوخالق کی حیثیت تک محدود کردیں اور سیاست وتدبیرا پنے ہاتھوں میں لےلیں اوردین کوسیاست سے جدا کردیں (اللّٰهُ رَبُّكُمۡ)

٨۔جب کوئی انسان اپنے پروردگار پر ایمان رکھتا ہےتو اس کے لیئے نصیحت پذیری کے دروازے کھل جاتے ہیں۔(اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ)

آیت نمبر 4

اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ۝٤

ترجمہ:تم سب کی بازگشت اسی کیطرف ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے وہی تو ہے جوتخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر سے لوٹاتا ہے تاکہ ان لوگوں کوعدل کے ساتھ بدلہ دے جوایمان لائے ہیں اورنیک کام کیئے ہیں۔وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہےان کے کفر کی وجہ سے ان کے پینے کے لیئے کھولتا ہوا پانی ہوگا اوردردناک عذاب ہوگا۔

نکات

☆یہ آیت قانون معاد کوواضح کرتی ہے (اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ)یہ آیت امکانِ معاد کوبھی روشن کرتی ہے۔(يَبۡدَؤُا الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ)اس آیت میں قیامت کے ہدف یعنی جزاوسزا کوبھی بیان کیا گیا ہے(لِيَجۡزِىَ)

☆(بِالۡقِسۡطِ) کے متعلق ایک امکانی مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ اہل ایمان اورعمل صالح رکھنے والوں کواس لیئے جزادے گا کہ وہ عدل کے تقاضوں کی پابندی کرتے تھے۔(تفاسیر مجمع البیان وکبیر فخر رازی)

واضح رہے کہ فضلِ الٰہی عدل کے منافی نہیں ہے کیونکہ کچھ آیات میں اس بات کوواضح کیا گیا ہے کہ نیکی کرنے والے اہل ایمان کوان کی نیکی کا پورابدلہ دیا جائے گااس کے علاوہ خدااپنے فضل سے انہیں اوربھی بہت کچھ عطا کرے گا جیسا کہ ارشادخداوندی ہے''لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ''(یونس/٢٦)جن لوگوں نے نیکی کی ہےان کے لیئے نیکی ہےاورمزید بھی۔''لِيُوَفِّيَهُمۡ اُجُوۡرَهُمۡ

وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ''(فاطر، ۳۰) تا کہ اللہ ان کا پورا اجر انہیں دے بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے۔

پیام

۱۔ ہماری بازگشت خدا کی طرف ہے لہٰذا ہمیں خواہ مخواہ دوسروں کو خوش رکھنے کی فکر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔(اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ)

۲۔تمام انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔(اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا)

۳۔معاد مادی اور جسمانی ہے۔(يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ)اعادہ کسی چیز کو اصلی صورت میں لوٹانے کو کہا جاتا ہے۔

۴۔مخلوقات پر خدا کی قدرت اس بات کی علامت ہے کہ وہ قیامت برپا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔(يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ)

۵۔صرف تنہا انسانوں کو ہی زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ تمام مخلوقات کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا (يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ)

۶۔جس طرح سے تمام کائنات کو انسان کے لیئے پیدا کیا گیا ہے انسانوں کو جزا دینے کے لیئے تمام کائنات ک لوٹایا جائے گا۔(يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ)

۷۔تخلیق کائنات کا عمل جاری ہے(يَبْدَؤُا الْخَلْقَ)

۸۔معاد کا اصلی مقصد اہل ایمان کو جزا اور کافروں کو عدل الٰہی کے تحت سزا دینا ہے۔(لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۹۔خدا کی طرف جو جزا ملتی ہے وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے۔البتہ اگر خدا اس میں اپنا فضل شامل کردے تو اس میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے اور یہ چیز عدل کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے۔(لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ۔۔۔بِالْقِسْطِ)

۱۰۔نیک اعمال کی قدر و قیمت کا انحصار اس کی نیت اور اچھے ہدف کی بنیاد پر ہوتا ہے(اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ)

۱۱۔کفر پر باقی رہنا عذاب کا موجب ہے۔(بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ)

آیت نمبر 5

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝۵

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو تابندہ بنایا اور چاند کی حرکت کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو اللہ نے یہ سب کچھ صرف حق کی بنیاد پر ہی خلق کیا ہے۔وہ اہل علم کے لیئے آیات کھول کر بیان کرتا ہے۔

نکات

☆ قرآن کریم میں سورج کو ''سراج''اور''ضیاء''کے ناموں سے یاد کیا ہے جس کا معنی تیز اور قوی نور کا ہے۔چاند کے لیئے نور اور''مُنیر''کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔یہ الفاظ کمزور روشنی کے لیئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔اگر ہم لفظ''ضیاء''کو ''ضوء''کی جمع قرار دیں تو یہ لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرے گا کہ سورج سے کئی رنگوں کا نور برآمد ہوتا ہے۔(تفسیر راہنما)

☆ ’’تفصیل آیات‘‘ کا ایک ممکنہ مفہوم خلقت کی توسیع ہوسکتا ہے مقصد یہ ہوگا کہ خدا کا ہاتھ کائنات کی تخلیق کے لیئے کھلا ہوا ہے۔ اور خلقت کی توسیع اہل فہم کے لیئے بالکل واضح ہے۔ (تفسیر المیزان)

☆ سال اور اوقات کو معلوم کرنے کے لیئے خدا نے آسمان میں نشانیاں مقرر کی ہیں اسی طرح سے اہل زمین انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء ورسل کو مبعوث کیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کی رہنمائی ماہ وسال کے حساب سے زیادہ اہم ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

پیام

۱۔ تمام موجودات کو روشنی اور حرارت کی ضرورت ہے اللہ تعالٰی نے سورج اور چاند کے ذریعہ سے دونوں ضروریات کو پورا کیا ہے (جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا)

۲۔ اللہ تعالٰی نے آسمانی کروں کی حرکات اوران کے مدار کی تعیین میں انسانی ضروریات کو مدنظر رکھا ہے۔ (لِتَعۡلَمُوۡا)

۳۔ چاند کی حرکت کو خدا نے کچھ اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ یہ ایک فطری تقویم کا کام دیتی ہے۔ (لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ) چاند کی شکل بدلنے سے دنوں اور مہینوں کا حساب آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

۴۔ شرعی امور کا دارومدار قمری مہینوں پر ہے (لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَ....)

۵۔ مہینوں اور سالوں کا حساب انسانی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ)

۶۔ خلیق کائنات بے مقصد نہیں ہے یہ اساس حق پر قائم ہے۔ (بِالۡحَـقِّ)

۷۔ تعلیم وتربیت سے مطالب کو واضح کیا جاتا ہے نہ کہ ہر چیز کی علیحدہ وضاحت کی جاتی ہے۔ (يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ)

۸۔ فکر اور تعلیم سے ہی کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھتا ہے۔ (لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 6

اِنَّ فِى اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَّقُوۡنَ○

اس میں شک نہیں کہ رات دن کی آمدورفت میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اس میں پرہیزگار لوگوں کے لیئے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں شمس وقمر کے ضیاء اور نور ہونے کا تذکرہ کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ چاند کی منازل ماہ وسال اور حساب معلوم کرنے کا

فطری ذریعہ ہیں اور اللہ صاحبان علم کے لیئے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے چنانچہ سابقہ آیت میں ''لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ'' کے الفاظ استعمال ہوئے اور اس آیت میں شب و روز کے اختلاف کو اہل تقویٰ کے لیئے نشانی قرار دیا گیا ہے ''لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ'' دونوں آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مکمل طور پر کامیاب افراد وہ ہیں جن کے پاس علم بھی ہو اور تقویٰ کی دولت بھی ہو۔ جن اہل علم کے پاس تقویٰ نہ ہو تو وہ آیات الٰہی سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

☆''اِخْتِلَافِ'' آمد و رفت کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مخالفت کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

☆شب و روز میں کئی جہات سے اختلاف پایا جاتا ہے

الف۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قائم مقام بنتے ہیں۔ دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن چھپ جاتا ہے'' فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ ''(بنی اسرائیل/12) ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا۔

ب۔ رات آرام کے لیئے ہوتی ہے اور دن کام کاج کے لیئے ہوتا ہے''وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًاوَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا'' (نباء/10) اور ہم نے رات کو لباس بنایا اور دن کو کسب و کار کا ذریعہ بنایا۔

ج۔ مختلف موسموں میں دن رات چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس موسم میں رات لمبی ہو گی تو دن چھوٹا ہوگا اور جس موسم میں دن لمبا ہوگا تو رات چھوٹی ہوگی۔

د۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ان کی ساعات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

س۔ دانشمند افراد کا ایک گروہ خدا کا منکر کیوں ہے؟

ج۔ صرف علم کافی نہیں ہے اس کے ساتھ انسان میں حق و صداقت کی تلاش کا جذبہ بھی بہت ضروری ہے۔ (لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ)

پیام

ا۔ نظام ہستی میں ہر وقت تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے (اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ)

۲۔ مظاہر قدرت پر غور و فکر کرنا ضروری ہے (وَمَا خَلَقَ اللهُ... لَاٰيٰتٍ)

۳۔ گناہ اور فسق و فجور سے انسان کی تشخیص اور شناخت پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ (لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ) (تقویٰ اشیاء کی صحیح شناخت میں مدد دیتا ہے)

آیت نمبر 7-8

"اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ﴿۷﴾
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۸﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہیں ہماری ملاقات (اخروی نعمات کے حصول) کی امید نہیں ہے اور انہوں نے دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی ہے اور وہ جو کہ ہماری آیات سے غافل ہیں۔

ترجمہ: ان کے اعمال کی وجہ سے جو وہ بجالاتے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

نکات

☆ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ اللهِ اَحَبَّ اللهُ لِقَائَه" جو خدا کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو خدا اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ (تفسیر فرقان) سورہ کہف کی آخری آیت میں ارشاد خداوندی ہے: "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا" جو اللہ کے حضور جانے کا امیدوار ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ لہٰذا اس آیت کے تحت قیامت پر عقیدہ رکھنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اعمال صالحہ بجالائیں اور خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

پیام

۱۔ امید اور مایوسی انسان کی اصلاح اور اس کے بگاڑنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے (لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا)

۲۔ انسان جس قدر دنیا سے غافل ہوتا جائے گا اتنا ہی دنیا پرستی کی دلدل میں دھنستا جائے گا۔ لہٰذا قیامت کا عقیدہ رکھنے والوں کو دنیا پرست نہیں بننا چاہیئے۔ (لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا)

۳۔ حقیقی اطمینان یاد الٰہی سے میسّر آتا ہے جبکہ دنیا سے جھوٹی تسکین حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی صرف غافل افراد کو۔ (اطْمَاَنُّوْا بِهَا ... غٰفِلُوْنَ) دوزخی بننے کے حسب ذیل اسباب ہیں۔

الف۔ معاد اور اخروی جزا اور سزا کا انکار (لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا)

ب۔ چند روزہ زندگی پا کر خوش ہو جانا (رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا)

ج۔ آیات الٰہی سے غفلت (هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ)

د۔ ناپسندیدہ اعمال بجالانا۔ (بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ)

آیت نمبر 9

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیئے۔ تو ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں ہدایت دے گا اور نعمات سے بھرے ہوئے باغات ہیں جہاں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی انہیں رہائش عطا کرے گا۔

نکات

☆ حدیث میں بیان ہوا کہ جب انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا نیک عمل نورانی شکل میں مجسم ہو کر اس کے پاس آئے گا اور اسے جنت تک لے جائے گا۔ (تفسیر نمونہ)

☆ ہدایت الٰہی ایک مسلسل عمل ہے ہر لحظہ اہل ایمان کی ہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ہر کھائی میں گرنے سے بچاتا رہتا ہے۔ اور دنیا کی بندگلی میں ان کے لیئے راہوں کو کھول دیتا ہے ''يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا'' (طلاق/ 2) خدا اس کے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔

ب۔ اس کو روشن راستے کی ہدایت کی جاتی ہے ''نُورًا يَمْشِي بِهِ'' (انعام/ ۱۲۲) ایسی روشنی جس کے سہارے وہ چلے گا۔

ج۔ اللہ ان کے پیچیدہ گرہوں کو درست کر دیتا ہے ''أَصْلَحَ بَالَهُمْ'' (محمد/ ۲) خدا نے ان کے معاملات کی اصلاح کر دی ہے۔

د۔ اللہ تعالیٰ ہر مقام پر ان کی کفایت کرتا ہے (فَهُوَ حَسْبُهُ) خدا اس کے معاملات کے لیئے خود کافی بن جاتا ہے۔ (طلاق/ ۳) قیامت کے دن انہیں جنت کی رہنمائی فرمائے گا۔ ''يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ'' (حدید/ ۱۲) ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا۔ الغرض ''يَهْدِيهِمْ'' کے ضمن میں ہدایت کی جملہ اقسام شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیئے کوئی خاص مقام بیان نہیں کیا کہ وہ اس سے مخصوص ہو جائے اور باقی موارد اس میں شامل نہ ہو سکیں۔

پیام

۱۔ ایمان عمل سے جدا نہیں ہے (آمَنُوا وَعَمِلُوا)

۲۔ مومن اگرچہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے اس کے باوجود وہ ہمیشہ الٰہی ہدایت کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ رسول اکرمؐ اور ائمہ ہدیٰ علیھم السلام بھی اپنی نماز میں ہمیشہ ''اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' پڑھا کرتے تھے۔ (يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ)

۳۔ ہدایت کا استحقاق انسان کو خود پیدا کرنا پڑتا ہے (يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ)

۴۔ ایمان و عمل کے درمیان موازنہ کی صورت میں ایمان ہی محور ہوتا ہے (يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ) اللہ نے یہ نہیں فرمایا (يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ وَعَمَلِهِمْ)

۵۔ اہل ایمان کے لیئے خدا کی ہدایت علی الاطلاق ہوتی ہے (يَهْدِيهِمْ)

۶۔ اللہ کی ربوبیت ہمیشہ اہل ایمان کی دستگیری کا سبب بنتی ہے (يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ)

۷۔ جنت کی نہریں صرف درختوں کے نیچے ہی نہیں بہتیں وہ اہل جنت کے محلات کے نیچے بھی بہتی ہیں۔ (مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ)

آیت نمبر 10

دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ‌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۝۱۰

ترجمہ: ان کی جنت میں دعا اور عبادت "سبحانك اللهم" (خدایا تو پاک اور منزہ ہے) ہوگی ان کے لئے تحیہ سلام ہوگا اور ان کی دعا کا اختتام "الحمد للہ رب العالمین" (تمام تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) پر ہوگا۔

نکات

۱۔ "سَلَامٌ" جنت میں اہل جنت کا کلام ہوگا جنت کی پوری فضا میں سلام کی آوازیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ خدا کی طرف سے سلام ہو گا۔ "سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ" (یس/۵۸) فرشتے سلام کریں گے اور کہیں گے" سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ" (زمر/73) اہل بہشت ایک دوسرے کو سلام کریں گے "اِلَّا قِيۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا" (واقعہ/۲۶) ماخوذ از تفسیر مراغی۔

☆انبیاء و اولیاء کا کلام ہے جب حضرت نوح علیہ السلام کو ظالم قوم سے نجات ملی تو انہوں نے "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ" کہا تھا (المؤمنون/۲۸)

۲۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں خدا نے اسماعیلؑ و اسحاقؑ عطا کیئے تو انہوں نے "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ" کہا تھا۔ (ابراہیم/۳۹)

۳۔ "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ" اہل ایمان اور اہل بہشت کا کلام ہوگا۔ (اعراف/۴۳)

☆ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اہل بہشت اپنے ملازمین کو صدا دیں گے تو وہ "سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ" کہیں گے۔ بہشت کے ملازمین فوراً حاضر ہوں گے اور ان کی ضروریات کو پورا کریں گے۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی تمجید میں مصروف ہوتا ہے اور دعا سے غافل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات طلب کیئے بغیر پوری کر دیتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

پیام

۱۔ یاد خدا صرف دنیا تک محدود نہیں ہے آخرت بھی ذکر الٰہی کا مقام ہے۔ (سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ)

۲۔ انسان کبھی ایسے مقام پر بھی پہنچ جاتا ہے جب اس کی دعا صرف رب العالمین کی حمد قرار پائی ہے۔ (دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ) اور یہ تسبیح و تمجید انہیں کامیاب بناتی ہے۔

۳۔ اہل ایمان صفات الٰہی کے مقابلہ پر کہیں گے (سُبۡحٰنَكَ) اور دیگر اہل ایمان کے مقابلہ پر "سَلٰمٌ" کہیں گے اور خدائی کامیابی

کے حصول کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہیں گے۔

۴۔مومن خدا کا عاشق ہوتا ہے جنت کی لذت میں متفرق ہو کر بھی وہ یادِ خدا سے غافل نہیں ہوتا وہ نعمات پا کر مُنعِم کا شکر ادا کرتا ہے اور وہ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتا ہے۔

۵۔اہل ایمان کی گفتگو کا آغاز "سبحان الله" سے اور اختتام "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ "وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے استفادہ ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو کا آغاز "سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ" سے ہوتا ہے۔

آیت نمبر 11

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کے ساتھ بُرا معاملہ کرنے میں اسی طرح جلد بازی کرتا جس طرح سے وہ دنیاوی بھلائی میں جلد بازی کرتے ہیں تو ان کی مُہلت کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی چنانچہ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں۔

نکات

☆اس سے ملتا جلتا مفہوم سورہ کہف کی ۵۸ ویں اور سورہ فاطر کی ۴۵ ویں آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ خدا مؤاخذہ میں جلد بازی کرتا اور لوگوں کو فوراً کیفر کردار تک پہنچاتا تو سب تباہ ہو جاتے۔ علاوہ ازیں انسان سے اختیارِ عمل چھن جاتا اور اطاعت میں اضطرار کا پہلو شامل ہو جاتا۔ ☆"اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ" کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہو کہ خدا کی روش اور سنت یہ ہے کہ وہ بھلائی پہنچانے میں جلدی کرتا ہے اور شر رسانی میں مہلت دیتا ہے اور جملہ کا یہ مفہوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بھلائی پہنچانے میں جلدی کرتا ہے۔

پیام

۱۔انسان فطری طور پر جلد باز ہے۔(اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ) اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں ان الفاظ بیان کیا گیا ہے (انبیاء/۳۷) انسان کو جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۔اگر اللہ بدکار افراد کو فوراً سزا دینے لگ جاتا تو کوئی بھی باقی نہ رہتا اور نسل انسان معدوم ہو جاتی (لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ... لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ)

۳۔خدا کی سنت ہے وہ ہمیشہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے (فَنَذَرُ الَّذِيْنَ)

۴۔کفار کا ہلاک نہ ہونا ان کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔(فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا)
۵۔خدا فراموش افراد کے پاس کوئی ہدف نہیں ہوتا اور وہ متحیر اور سرگردان رہتے ہیں۔(فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ)
۶۔قیامت سے بے توجہی اور انکار سرکشی کا موجب ہے اور ایسا شخص خدا کے فضل ولطف سے محروم رہتا ہے۔(لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ)

آیت نمبر 12

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ:اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹ کر، بیٹھ کر اور کھڑا ہو کر ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف دور کرتے ہیں تو وہ ایسے لا پرواہ ہو کر چلنے لگتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں تکلیف پہنچنے پر پکارا ہی نہیں تھا۔اسی طرح سے اسراف کرنے والوں کے لیئے ان کے عمل مزیّن کر دیئے گیئے ہیں۔

نکات

☆ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر انسان کی ناشکری کا شکوہ کیا ہے کہ جب انسان کسی دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی وقت وہ ہمیں دل کی گہرائیوں سے پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کو تکلیف سے نجات عطا کرتے ہیں تو وہ غافل بن جاتا ہے اور ہمیں فراموش کر دیتا ہے۔

پیام

۱۔خدا پر ایمان انسانی فطرت میں شامل ہے اور تلخ حوادث اس فطری ایمان کو بیدار کرتے ہیں اور انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔(مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا)
۲۔وہ لوگ جو صرف مشکلات میں گھرنے کے بعد خدا کو پکارتے ہیں اور سکھ اور آرام کی ساعات میں اس سے غفلت کرتے ہیں، ایسے لوگ قابلِ مذمت ہیں۔اور ان کے عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔(مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَ)
۳۔دعا ہر حالت میں جائز ہے خواہ لیٹ کر ہو، بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر ہو(جَنْۢبِهٖٓ ,قَاعِدًا ,قَآئِمًا)
۴۔دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا موثر ہوتی ہے۔(دَعَانَا ..... كَشَفْنَا)
۵۔صرف حالی سے غفلت جنم لیتی ہے۔(فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ)
۶۔انسان ناشکرا ہے۔(مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ)

۷۔خدافراموش افراد کو دنیاوی زندگی بڑی آراستہ وپیراستہ دکھائی دیتی ہے۔(زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ)
۸۔خدا کی مہربانیوں کو فراموش کرنا ایک طرح کا اسراف ہے۔(مَرَّ۔۔۔لِلْمُسْرِفِيْنَ)
۹۔جو شخص تکلیف کے لمحات میں خدا کو پکارے اور آرام کی ساعات میں غفلت کا مظاہرہ کرے تو ایسا شخص ''مسرف'' ہے۔(زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)
۱۰۔خوش حال طبقہ اپنے سے راضی ہے۔(زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)
علامہ اقبال نے ہی کیا خوب کہا تھا:

آہ جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آیت نمبر 13

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ:اور ہم نے تم سے پہلے کئی امتوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کیا ہے (کیونکہ) ان کے پیغمبران کے پاس معجزات لائے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں تھے ہم مجرم گروہ کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

نکات

☆''قُرُوْن''جمع ہے اور اس کی واحد''قَرْن''ہے ایک ہی دور میں زندگی بسر کرنے والوں کو لفظ''قَرْن''سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پیام

۱۔جو قوم وملت ظلم وستم کو اپنا لے تو اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔(اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ۔۔۔لَمَّا ظَلَمُوْا)
۲۔اتمامِ حجت سے پہلے خدا کسی کو عذاب نہیں دیتا۔(اَهْلَكْنَا۔۔۔جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ)
۳۔جن ظالموں کی اصلاح اور ایمان کی امید باقی نہ ہو انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔(وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا)
۴۔تاریخی واقعات کے ساتھ فلسفہ تاریخ بھی بیان کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔(اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ۔۔۔كَذٰلِكَ نَجْزِى)
سابقہ اقوام کی ہلاکت تاریخ ہے اور ظلم وستم جو کہ ہلاکت کی وجہ ہے وہ فلسفہ تاریخ ہے۔
۵۔خدا کی روش ہر دور میں یکساں رہتی ہے۔(كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ)

آیت نمبر 14

ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ‏ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: پھر ہم نے ان کی ہلاکت کے بعد تمہیں زمین پر اپنا جانشین بنایا ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

پیام

۱۔حکومت واقتدار خدا کی طرف سے آزمائش کا ذریعہ ہے۔(جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ ۔۔۔لِنَنۡظُرَ)

۲۔ہمارا ہر عمل خدا کی نظر میں ہے۔(لِنَنۡظُرَ)

۳۔جسے ذمہ داری سونپی جائے اس پر نظر بھی رکھنی چاہیئے۔(جَعَلۡنٰكُمۡ ۔۔۔لِنَنۡظُرَ)

۴۔تمام اقوام خدا کے ہاں مساوی ہیں اور خدائی آزمائش کا قانون سب پر لاگو ہوتا ہے(لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ)

۵۔افراد واقوام کی سرنوشت ان کے اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔(كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ)

آیت نمبر 15

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ‌ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ‌ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآىِٕ نَفۡسِىۡ‌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ‌ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ‏ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور جب ہماری واضح آیات ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو۔آپ کہہ دیں کہ مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ تبدیلی کرسکوں۔میں تو بس اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا خوف ہے۔

نکات

☆جب رسول خداؐ نے مکہ میں قرآن کی تلاوت کی اور قرآنی آیات میں بتوں کی مذمت کی گئی تھی۔جب یہ آیات مشرکین نے سنیں تو انہیں بے حد دکھ ہوا۔چنانچہ ان میں سے کچھ افراد آنحضرتؐ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ جن آیات میں ہمارے معبودوں کی مذمت کی گئی ہے آپ انہیں تبدیل کریں یا از سر نو نیا قرآن لائیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ آسمانی تعلیم کو اپنی خواہشات کے خلاف دیکھتے ہیں تو وہ اس طرح کے مطالبے کیا کرتے ہیں۔

پیام

۱۔آیات اور خدا کی پہچان کی علامات کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہیئے۔(اِذَا تُتۡلٰى۔۔۔۔)

۲۔حق خداوندی کو تبدیل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ پیغمبر کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے۔(مَا یَكُونُ لِيۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ)

۳۔لوگوں کے مطالبات کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔خدا کے فرمان کو فوقیت حاصل ہے۔لوگوں کے مطالبات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔(مَا یَكُونُ لِيۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ)

۴۔قرآن میں نبی نے دست درازی نہیں کی تھی۔(مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ)

۵۔اصول مذہب میں تبدیلی پیدا کر کے پیروکاروں میں اضافہ نہیں کرنا چاہیئے۔جیسا کہ شان نزول سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

۶۔انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ وحی کی پیروی کرتے ہیں۔(اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی)

۷۔قیامت کی یاد سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے انسان گناہوں سے بچتا ہے اور قیامت سے غفلت بہانہ گیری کا سبب ہوتی ہے۔(لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا)

۸۔انبیاء کی عصمت کا سرچشمہ ان کا آخرت پر ایمان اور یقین ہے۔(اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ)

آیت نمبر 16

قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَیۡكُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰىكُمۡ بِهٖ ۫ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اگر خدا چاہتا کہ میں قرآن نہ پڑھوں تو میں تمہارے سامنے اسے نہ پڑھتا اور تمہیں اس سے آگاہ نہ کرتا۔میں نے (قرآن لانے سے) پہلے تمہارے درمیان عمر بسر کی ہے کیا تمہیں عقل نہیں آتی؟!

نکات

☆اس آیت کا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے آنحضرتؐ سے قرآن میں تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔آیت میں ان سے یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے تمہارے درمیان چالیس برس کا عرصہ بسر کیا ہے اگر یہ قرآن نبی کا ساختہ پرداختہ ہوتا تو وہ اس سے پہلے بھی اس طرح کے خیالات کا ضرور اظہار کرتا۔

پیام

۱۔رسول خدا کا ہر قول و عمل اللہ کی رضا اور اس کے ارادہ کے تابع تھا۔(لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ)

۲۔قرآن خدائی معجزہ ہے کسی انسان کی فکری کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔(مَا تَلَوۡتُهٗ ...وَلَاۤ اَدۡرٰىكُمۡ بِهٖ)

۳۔نبی اکرم کی سابقہ پاکیزہ زندگی اور ان کا اُمّی ہونا ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔(فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ)

آیت نمبر 17

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: بھلا اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوسکتا ہے جو خدا پر جھوٹ تراشے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے؟ اس میں شک نہیں ہے کہ مجرم کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔

نکات

☆ قرآن میں تبدیلی کی درخواست کرنے والوں کے جواب کے تسلسل میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ان لوگوں کے تقاضے کو اگر پورا کیا جاتا تو یہ خدا پر افتراء قرار پاتا اور خدا پر افتراء سب سے بڑا ظلم ہے اسی مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں یوں بیان کیا ہے۔ ''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ '' (انعام/ ۹۳) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے واللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا یہ کہے کہ میری طرف وحی ہوئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ اس آیت میں وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کو خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

پیام

ا۔ قیدہ اور آیات کی تحریف بدترین ظلم ہے۔ (مَنْ اَظْلَمُ)

۲۔ شخصیت جس قدر بلند ہو اس پر افترا پردازی اتنا ہی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ (اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ)

۳۔ دین تراشی اور دین سازی کرنے والا کافروں کا ہم ردیف ہوتا ہے۔ (افْتَرٰى، كَذَّبَ)

۴۔ بدعت جرم ہے۔ (الْمُجْرِمُوْنَ)

۵۔ اگر کوئی دینی مبلغ اپنے ذاتی خیالات ونظریات کو دین کے نام سے پیش کرے تو پھر وہ اظلم بھی ہے اور مجرم بھی ہے اور وہ فلاح پانے سے محروم رہے گا۔ (اَظْلَمُ ، لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ)

آیت نمبر 18

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: یہ خدا کی بجائے ان چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان دے سکتی ہیں اور نہ ہی انہیں فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور وہ

کہتے ہیں کہ یہ (بت) خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو نہ آسمانوں میں معلوم ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں

نکات

☆تفسیر مراغی کے مؤلف نے اس آیت کو بنیاد بنا کر اولیاء سے توسل اور زیارات قبور کی تردید کی ہے۔موصوف کا یہ موقف انتہا پسندی پر مبنی ہے کیونکہ اس آیت میں "یَعۡبُدُوۡنَ" کا لفظ موجود ہے یعنی وہ عبادت کرتے ہیں۔جبکہ زیارت وتوسل میں کسی کی عبادت نہیں کی جاتی۔

۲۔ہم حیات برزخی کے قائل ہیں۔قرآن کریم نے شہدا کو زندہ کیا ہے ہم تو شہادت پانے والے اولیائے الٰہی دعا کی درخواست کرتے ہیں لہٰذا توسل اور زیارت قبور کا بت پرستی سے موازنہ کرنا کسی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔

۳۔عبادت کے پس پردہ خوف یا امید کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں بتوں کی عبادت سے اجتناب کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ سنگ وحشت سے تراشے ہوئے ہیں لہٰذا وہ نہ تو کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔اسی لیئے وہ عبادت کے لائق نہیں ہیں۔لہٰذا بت پرستی کے لیئے کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔(لَا یَنۡفَعُهُمۡ وَلَا یَضُرُّهُمۡ)

پیام

ا۔بت پرستی کسی منطق پر استوار نہیں ہے اور بت پرستوں کے پاس کوئی منطق نہیں ہے۔(یَعۡبُدُوۡنَ...لَا یَضُرُّهُمۡ وَلَا یَنۡفَعُهُمۡ)

۲۔بت پرست خدا کو مانتے تھے لیکن بتوں کو واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔اسی لیئے وہ ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔(هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا)

آیت نمبر 19

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: (ابتدا میں) تمام لوگ بس امت واحدہ تھے (فطرت توحید پر تھے) پھر انہوں نے اختلاف کیا (کچھ لوگ موحد بنے اور کچھ مشرک) اور اگر آپ کے پروردگار کی سنت (آزمائش کے لیئے مہلت) پہلے سے مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو (اسی دنیا میں) ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جاتا (منحرف افراد کو ہلاک کر دیا جاتا)

نکات

☆جب اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو زمین پر اتارا تو ان سے یہ فرمایا تھا۔"وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ"

(البقرہ/۳۶) زمین پر ایک مدت تک تمہارا قیام اور سامانِ زیست ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ تم اور تمہاری نسلیں اسی زمین پر قیام پذیر رہیں گی اور تمہاری تمام تر ضروریات کی کفالت اسی زمین سے ہوگی لہٰذا قدرت کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ انسان نے ایک عرصہ تک زمین پر رہنا ہے۔ (کَلِمَةٌ سَبَقَتْ)

پیام

۱۔ ابتدا میں تمام انسان ہم فکر اور ہم عقیدہ تھے اور سب کے سب فطرت کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے توحید الٰہی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً)

۲۔ انسان پہلے ہی دن سے اجتماعی زندگی کے خوگر تھے۔ (أُمَّةً)

۳۔ انسانی معاشروں کے تقاضوں کے تحت عقیدہ و عمل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ (أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا)

۴۔ مہلت دینا ربوبیت کا ایک تقاضا ہے۔ (سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی یہ روش ہے کہ وہ لوگوں کو عقیدہ و عمل کے انتخاب کے لیئے مہلت دیتا ہے۔ (وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ۔۔۔ لَقُضِيَ)

آیت نمبر 20

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر کوئی آیت اور معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا؟ آپ کہہ دیں غیب (معجزہ جو کہ جہان غیب سے مربوط ہے) خدا کے لیئے ہے (وہ نہ تو میرے ذاتی اختیار میں ہے اور نہ ہی لوگوں کی خواہش کے تابع ہے) اور تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (کہ خدا تمہارے بہانوں کا کیا جواب دیتا ہے؟)

پیام

۱۔ بہانے باز افراد قرآن اور دیگر بیسوں معجزات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور پھر دوسرے معجزات کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں۔ (لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ)

۲۔ معجزہ کا تعلق خدا کی مرضی سے ہے معجزہ نہ تو پیغمبر کے اختیار میں ہے اور نہ ہی لوگوں کی خواہشات کے تابع ہے (إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ

۳۔ مہلت دینا خدا کی سنت بھی ہے اور قانون بھی۔ (فَانْتَظِرُوا)

آیت نمبر 21

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور جب ہم لوگوں کو پہنچنے والی تکالیف کے بعد انہیں اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ (شکر کی بجائے) ہماری آیات میں حیلے بازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ کی تدبیر زیادہ تیز ہے ہمارے نمائندے (فرشتے) تمہارے حیلوں بہانوں کو لکھ رہے ہیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں کفار کے اس عذر کو بیان کیا گیا ہے کہ رسولؐ پر آیت (معجزہ) نازل کیوں نہیں ہوئی؟ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ معجزات کی کوئی کمی نہیں ہے یہ لوگ معجزات کے متعلق حیلے بہانے کرنے کے عادی ہیں

☆ مکہ میں قحط سالی اور خشک سالی ہوئی اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کی برکت سے بارش برسائی۔ مشرکین نے یہ کہا کہ یہ بارش ہمارے بتوں کی وجہ سے ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور خدا نے انہیں رسوا کیا۔ (تفاسیر صافی، فی ظلال القران و کبیر فخر رازی)

☆ اکثر تفاسیر میں مرقوم ہے کہ دشمنان اسلام کی تدبیر یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی شخصیت کو مجروح کیا جائے اور آیات الٰہی کا مذاق اڑایا جائے۔

پیام

۱۔ انسان کو ملنے والی ہر نعمت کا تعلق خدا کے بحرِ رحمت سے ہے۔ (اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً)

۲۔ انسان خدا کی نعمت پا کر اس سے غلط استفادہ کرتا ہے اور شکر کی بجائے مکر کرنے لگ جاتا ہے۔ (وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً...اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ)

۳۔ مکر کرنے والا تدبیر الٰہی سے مات کھاتا ہے اور قہر الٰہی کا حقدار بنتا ہے۔ (اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ...اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا)

۴۔ خدا کی طرف سے ملنے والی سزا جرم سے مطابقت رکھتی ہے۔ (لَهُمْ مَّكْرٌ...اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا)

۵۔ خدا کے فرشتے صرف انسانی اعمال ہی نہیں ان کے افکار و تدابیر کو بھی لکھتے ہیں۔ (يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ)

آیت نمبر 22

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۝۲۲

ترجمہ: وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ موافق ہوا کی مدد سے لے کر لوگوں کو چلتی ہیں وہاس سے خوش ہوتے ہیں اتنے میں کشتی کو مخالف تیز ہوا کا تھپیڑا لگتا ہے اور ہر سمت سے ان کی طرف موجیں آنے لگتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ طوفان میں گھر چکے ہیں تو اس وقت اپنے دین کو اللہ کے لیئے خالص کر کے اس کو پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچالیا تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔

نکات

☆ آلوسی اور مراغی نے لکھا ہے کہ مشرکین عرب جب کسی سخت مشکل میں گرفتار ہوتے تھے تو اپنے بتوں کو چھوڑ کر براہ راست خدا سے سوال کرتے تھے لیکن شیعہ اتنے بڑے مشرک ہیں کہ جب ان پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو تو یہ اس وقت بھی اللہ کو نہیں پکارتے اور اس کی بجائے اپنے ائمہ کو صدائیں دیتے ہیں!! ہمیں ان دونوں افراد پر تعجب ہوتا ہے شاید انہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم دعا تو خدا سے کرتے ہیں البتہ اولیائے الٰہی کو وسیلہ قرار دیتے ہیں ہمارے ائمہ معصومینؑ سب کے سب شہید ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ شہید زندہ ہیں لہٰذا ائمہ سے توسل اور بتوں سے توسل کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے جبکہ مذکورہ افراد بر بنائے تعصب ہمیں خواہ مخواہ بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

پیام

۱۔ فزکس کے تمام قوانین خدا کے پیدا کردہ اور اس کے محکوم ہیں۔(هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ)

۲۔ انسان کی قوت وطاقت خدا کی عطا کردہ ہے اسی لیئے بعض اوقات انسانوں کے افعال کی خدا کی طرف نسبت دی جاتی ہے مثلاً چلنا پھرنا انسان کا کام ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے (سیروافی الارض) زمین ہیں چلو پھرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ چلنا پھرنا انسان کا کام ہے لیکن سورہ یونس کی اسی آیت میں اس کی نسبت خدا کی طرف کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے۔ (هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ)

۳۔ انسان کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے پھر بھی فطرت کے حوادث سے محفوظ نہیں ہے۔(جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ)

۴۔ خوش گزران افراد یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمیشہ عیش وآرام میں رہیں گے۔(فَرِحُوْا بِهَا ، اُحِيْطَ بِهِمْ)

۵۔فطرت کے حوادث انسان کے ذہن سے غرور وتکبر کو دور کردیتے ہیں اور وہ اس کے نتیجہ میں خدا کے حضور جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔(دَعَوُا اللّٰهَ)

۶۔خطرے کے وقت انسانی فطرت ایک نجات بخش ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔(دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ)

۷۔ایمان واخلاص دائمی ہونا چاہیئے اور وقتی اور موسمی نہیں ہونا چاہیئے ایمان صرف خطرات کے لمحات تک محدود نہیں ہونا چاہیئے۔(أُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ)

۸۔خطرات کے لمحات میں انسان شکر گزاری کا وعدہ کرتا ہے اور جب خطرہ ٹل جائے تو غفلت میں ڈوب جاتا ہے۔(لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا)

۹۔ناسپاسی اور کفرانِ نعمت عذاب الٰہی کی تمہید ہوتی ہے(لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ)

آیت نمبر 23

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝23

ترجمہ: پھر جب خدا انہیں (طوفان سے) نجات دے دیتا ہے تو پھر وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔اے انسانو! تمہاری سرکشی تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہے دنیا کی زندگی کے چندروزہ مزے لے لو پھر تمہیں پلٹ کر ہمارے ہاں آنا ہے اس وقت ہم تمہیں تمہارے اعمال کے متعلق خبر دیں گے۔(اور تمہارے ظلم وستم کا تمہیں بدلہ دیں گے)

نکات

☆لفظ "بَغْی" کا معنی طلب کرنا ہوتا ہے اور ظالم چونکہ ہمیشہ دوسروں کے حق کا طلبگار ہوتا ہے اسی لیئے اسے باغی کہتے ہیں (تفسیر المیزان)

پیام

۱۔انسان ناشکرا، بے وفا اور عہد شکن ہے۔(فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ، يَبْغُوْنَ) سابقہ آیت میں بیان کیا گیا کہ جب انسان طوفان میں گھرا ہوتا ہے تو وعدہ کرتا ہے کہ اگر خدا نے اسے نجات دی تو وہ شکر کرے گا۔لیکن نجات پانے کے بعد وہ ناشکری کرتا ہے۔

۲۔جب کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ تمام انسان ایک ہی اصل رکھتے ہیں (بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ) سورہ آل عمران آیت ۱۹۵ میں فرمایا۔(بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ) تم میں سے بعض، بعض میں سے ہیں۔

۳۔ظلم کی سزا صرف آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی ملا کرتی ہے۔(عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ، اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ)

۴۔ظالموں کی کامیابی دنیا کے چند ایام تک محدود ہے جو کہ آخرت کی سزا کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ (مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا)
۵۔انسان کی دنیا طلبی ہر ظلم اور ناانصافی کی جڑ ہے۔(مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا)
۶۔یاد آخرت گناہ سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔(يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔۔۔۔اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ)
۷۔اللہ تعالیٰ انسان کے تمام کاموں سے بخوبی واقف ہے اور وہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے اعمال کی خبر دے گا۔ (فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ)

آیت نمبر 24

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ۝۲۴

ترجمہ: دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار جیسے انسان اور جانور کھاتے ہیں خوب گھنی ہوگئی۔ پھر عین اس وقت جب زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور ان کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب وہ ان سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں تو یکا یک رات یا دن کو ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اسے ایسا کاٹ کر صاف کر دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ غور وفکر کرنے والوں کے لیئے ہم اسی طرح سے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں دنیا کو متاعِ کم قیمت شمار کیا گیا ہے اور اس آیت میں دنیاوی زندگی کی خوبصورت مثال دے کر اس کی فنا پذیری کو واضح کیا گیا ہے۔

☆ کچھ روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت میں امام مہدی ،،عج،، کے ظہور اور ان کے عالمی انقلاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب پوری زمین زرق و برق اور مادیات کی چکا چوند میں گرفتار ہوگی تو حضرت ظہور فرمائیں گے اور مکتبی انقلاب برپا کریں گے اس کی وجہ سے پورے حالات ہی بدل جائیں گے۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔تبلیغ وتربیت کے لیئے مثال بہترین کردار ادا کرتی ہے۔(اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ)

۲۔اچھی مثال وہ ہوتی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہو اور زمین و امان اسے فرسودہ نہ کرسکیں۔(اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ)
۳۔فطرت کی فیاضی سے انسان وحیوان دونوں مستفید ہوسکتے ہیں۔جب کہ انسان کی قدروقیمت کا انحصار مادیات کی بجائے معنویات سے استفادہ پر ہے۔(يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ)
۴۔سبزہ زمین کی زینت ہے اور ایمان انسان کی زینت ہے۔(ازَّيَّنَتْ) سورہ حجرات میں ارشاد خداوندی ہے" حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ "(حجرات/۷)اللہ نے تمہارے لیئے ایمان کو محبوب بنایا ہے اور تمہارے دلوں میں مزیّن کیا ہے۔
۵۔دنیا اپنی چکا چوند سے انسان کو فریب میں مبتلا کرتی ہے اور انسان اپنے آپ کو صاحب قدرت سمجھنے لگ جاتا ہے۔(ظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ)
۷۔خدا صرف سبزہ کو ہی پیدا نہیں کرتا وہ اسے خشک بھی کیا کرتا ہے۔(جَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا)
۸۔دنیا اور اس کے دلفریب نظارے ہروقت حوادث کی زد میں ہیں۔(ازَّيَّنَتْ...حَصِيْدًا)
۹۔انسان کی دنیاوی زندگی پھولوں اور سبزہ کی طرح سے جلد ختم ہونے والی ہے۔(مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ....كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ)
۱۰۔بعض اوقات خدا کا قہر اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ نام ونشان تک بھی مٹا دیتا ہے۔(كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ)
۱۱۔قرآنی تمثیلات زمین فکر کو ہموار کرتی ہیں لہٰذا انہیں معمولی تمثیلات نہیں سمجھنا چاہیئے۔(لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ)
۱۲۔دنیا کے دلفریب نظاروں پر فریفتہ ہونا کوتاہ فکری کی علامت ہے اور دنیا کے حسن وجمال سے متاثر نہ ہونا فکر وتدبر کی نشانی ہے۔(لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ)

آیت نمبر 25

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:(تم دنیا کی دلفریبیوں میں مبتلا ہو رہے ہو جب کہ)اللہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دے رہا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

نکات

☆جنت کا ایک نام" دار السلام " بھی ہے وہ سلامتی کا گھر ہے اہل جنت کے سینوں میں کینہ نہیں ہوگا اسی لیئے وہاں نہ تو جنگ وجدال کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی کسی طرح کے بغض وعداوت کا امکان ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ "(اعراف/۴۳)اور ہم ان کے سینوں میں موجود کینے نکال لیں گے۔اسی لیئے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہوگی اور اسی

سلامتی کے گھر کو دارالسلام کہا گیا ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''سلام'' ہے اور جنت کو دارالسلام کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جنت رحمتِ الٰہی کے جوار میں ہے۔ ☆ جنت کو دارالسلام کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل جنت پر خدا کی طرف سے سلام بھیجا جائے گا ''سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ'' (یس/۵۸) مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔ اور ملائکہ انہیں سلام کریں گے۔ جنت ہر لحاظ سے سلام کا مرکز ہوگی اسی لیئے ''دار السلام'' کہا گیا ہے۔

☆ روایات میں حضرت امیر المومنینؑ اور ائمہ معصومینؑ کی ولایت کو صراط مستقیم کے بہترین نمونہ سے یاد کیا گیا ہے۔

پیام

۱۔ خدا کی طرف سے دارالسلام کی دعوت اس کے لطف خاص کو ظاہر کرتی ہے۔ (وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا)

۲۔ دنیاوی سلامتی چندروزہ ہے جب کہ آخرت کی سلامتی ہمیشہ کی سلامتی ہے۔ (دَارِ السَّلٰمِ)

۳۔ صراط مستقیم سلامتی کا ضامن ہے۔ آخرت کے علاوہ اس دنیا کو بھی انسان کے لیئے ''دَارِ السَّلٰمِ'' بنا دیتا ہے۔ (يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ)

۴۔ خدا چاہتا ہے کہ لوگ سلامتی کی زندگی بسر کریں اور معاشرے میں سلامتی کا راج ہو۔ (يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ)

۵۔ اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی صرف دعوت ہی نہیں دیتا اس کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ (يَدْعُوْٓا، يَهْدِيْ)

۶۔ دعوت الٰہی سب کے لیئے ہے لیکن خصوصی ہدایت انہیں نصیب ہوتی ہے جن کے لیئے خدا چاہتا ہے۔ (يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)

۷۔ صراط مستقیم پر چلنے کے لیئے خدائی توفیق کی ضرورت ہے۔ (يَهْدِيْ... اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)

آیت نمبر 26

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے بہترین اجر (بلحاظ کیفیت) ہے اور مزید (بلحاظ کمیّت) بھی ہے ان کے چہروں پر ذلت وخواری کا غبار طاری نہیں ہوگا۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات۔ حل لغات

☆ ''رَهَق'' اجباری طور پر پہنا دینے کو کہا جاتا ہے۔ ''قَتَر'' غبار، دھؤاں اور خاکستر کو کہا جاتا ہے۔

☆ زیادہ اجرت اور کئی گنا اجرت کو لفظ ''زيادة'' ''ضعف'' اور ''اضعاف'' سے کئی مقامات پر تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا) جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر دیا جائے گا۔ (انعام/۱۶۰) ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ "(النساء/۱۷۳) پھر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو اللہ ان کا پورا اجر دے گا اور اللہ اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا۔ سورہ البقرہ میں خدا نے اپنے فضل و کرم کو یوں بیان کیا (مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ) البقرہ/۲۶۱) جو لوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس میں سات بالیاں اگ آئیں۔ ہر بالی میں سو دانے ہوں اللہ جس کو چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر سات سو گنا اجر عطا کرتا ہے اور جس کے لیئے چاہے چودہ سو نیکیاں عطا کرتا ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے سوائے آنسو کے آنسو کا ایک قطرہ پہاڑ کے برابر دوزخ کے شعلوں کو بجھا دیتا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ جو شخص خوف خدا میں آنسو بہائے گا اس کے چہرے پر سیاہی اور خواری طاری نہ ہوگی۔ (لا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلۃ) (تفسیر نور الثقلین)

☆ کچھ روایات میں لفظ "زِيَادَةٌ" سے دنیا کو مراد لیا گیا ہے۔(تفسیر نور الثقلین) اہل سنت کی بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے کہ لفظ "زِيَادَة" سے اللہ کی ملاقات اور اس کا لطف و کرم مراد ہے۔ (تفسیر در منثور)

☆لفظ "اَحۡسَنُوۡا" میں نیک عقیدہ، بہترین گفتگو اور بہترین کردار شامل ہے۔

پیام

۱۔اللہ کا لطف و کرم نیک لوگوں کے لیئے مخصوص ہے۔(لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى)

۲۔اللہ عمل کی ترغیب بھی دیتا ہے اور عمل کی جزا بھی دیتا ہے۔(الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ)

۳۔قیامت میں نیک لوگوں کو بہترین جزا دی جائے گی۔ (لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى)

۴۔غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے پاس کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ خدا دعوت دیتا ہے۔ (وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ) خدا رہنمائی کرتا ہے۔(يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ) اجرت بھی خدا دیتا ہے (الۡحُسۡنٰى) وہ اضافہ بھی کرتا ہے (زِيَادَةٌ) اور اس کا اضافہ انتہائی اہم ہے لفظ "ذیادۃ" بصورت نکرہ آیا ہے جو کہ علامتِ عظمت ہے۔

۵۔دنیائے فانی کی نیکی کا معاوضہ ابدی جنت کی صورت میں برآمد ہوگا۔ (اَحۡسَنُوا..... هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ)

آیت نمبر 27

وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثۡلِهَا ۙ وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝۲۷

ترجمہ: اور جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں تو برائی کی سزا بھی ویسی برائی ہی ہے۔ اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں وہ جہنمی ہیں اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

نکات

☆امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت اہل بدعت وشبہات وشہوت کے متعلق نازل ہوئی (تفسیر نور الثقلین)

☆"لَيۡلٍ مُّظۡلِمٍ "اس تاریک ترین رات کو کہا جاتا ہے جس میں چند لمحات کے لیئے بھی چاند طلوع نہ ہو اور مہینہ میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں چاند ایک لمحہ کے لیئے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اور اس کے مدمقابل "لَيۡلٍ مُّقۡمِرٍ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ وہ رات ہوتی ہے جب ساری رات چاند چمکتا رہتا ہے۔

☆سورہ عبس میں ارشاد خداوندی ہے۔ "وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَٮِٕذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ○تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ○اُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ○" (عبس/۴۰-۴۲) اس دن کچھ چہروں پر غبار ہوگا اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی یہ لوگ کافر فاجر ہوں گے سورہ آل عمران میں فرمان خداوندی ہے: "فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ " (آل عمران/۱۰۶) وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا تھا۔ مذکورہ بالا آیات کو مدنظر رکھنے سے یہ کہا جا سکتا ہے۔ "اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ "(ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے سیاہ پردے) کے جملہ کا تعلق کفار سے ہے۔

پیام

۱۔انسان اپنی مرضی سے گناہ کرتے ہیں کسی جبر کے تحت نہیں۔ (كَسَبُوا)

۲۔اللہ تعالیٰ بدکاروں سے عدل کے تقاضوں کے مطابق سلوک کرے گا۔ (جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثۡلِهَا)

۳۔دنیا مقام عمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ (وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا....جَزَآءُ)

۴۔ترغیب کا عمل ڈرانے کے عمل سے پہلے ہونا چاہیئے۔ اللہ نے نیک لوگوں کے متعلق فرمایا () اور بدکاروں کے لیئے فرمایا" سَيِّئَةٍۭ بِمِثۡلِهَا"

۵۔چہروں کی کالک کفار سے مخصوص ہوگی نہ کہ گناہ گار مومنین سے۔ (تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ)

۶۔قیامت کے دن جزا اور تنبیہ کے ساتھ تحقیر اور چہروں کی کالک بھی ہوگی۔ (سَيِّئَةٍۭ بِمِثۡلِهَا اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ)

۷۔کافروں کے لیئے فرار، نجات اور شفاعت کے دروازے بند ہوں گے۔ (مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ)

آیت نمبر 28

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر رکے رہو (تاکہ تم سے حساب لیا جاسکے) پھر ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی مشرکین کے معبود کہیں گے کہ تم (درحقیقت) ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے (بلکہ تم اپنی ہوس اور اوہام کے پیروکار تھے)

نکات

☆ سابقہ آیت میں بیان کیا گیا کہ مجرموں اور کافروں کے لیئے کوئی راہ فرار نہیں ہوگی جب کہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ مشرکین کے خیالی معبودان کی شفاعت کی بجائے ان کی اپنی بیزاری کا اعلان کریں گے۔

پیام

۱۔ ہمیں قیامت اور اس کے حوادث کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ (وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا)

۲۔ قیامت کے دن صرف انسان ہی پیش نہیں ہوں گے ان کے ساتھ ان کے خود ساختہ معبودوں کو بھی پیش کیا جائے گا۔ (أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ)

۳۔ قیامت عبادت گزاروں اور ان کے خود ساختہ معبودوں کے درمیان جدائی کا دن ہے۔ (فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ)

۴۔ کافر جنہیں اپنا شفیع سمجھتے تھے وہ مزعومہ شفیع قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ (مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ)

۵۔ قیامت کے دن بتوں کو عقل و شعور دیا جائے گا اور انہیں بولنے کی قوت دی جائے گی اور وہ معبودان کی عبادت کا انکار کریں گے یا اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ (مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ)

آیت نمبر 29

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: (پھر وہ معبود مشرکین سے کہیں گے) اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیئے کافی ہے پوجا پاٹ سے غافل تھے۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں خودساختہ معبودوں کی زبانی یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں سے یہ کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے جب کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کے معبود خدا کو گواہ بنا کر یہ کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ دونوں آیات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہر وہ عبادت جس سے معبود بے خبر ہو وہ عبادت ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کے معبود ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور اپنی بے خبری کا اعلان کریں گے یہ مفہوم سورہ فرقان کی ۱۷ ویں اور سورہ قصص کی ۶۳ ویں آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے لیئے بے جان بتوں کو بھی عقل وشعور اور بولنے کی قوت عطا کرے گا۔ (فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا)

آیت نمبر 30

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اس وقت ہر شخص اپنے اسی عمل کو جانچ لے گا وہ آگے بھیج چکا ہوگا پھر وہ اپنے حقیقی مالک اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ جو بہتان باندھا کرتے تھے وہ سب کے سب ناپید ہو جائیں گے۔

پیام

۱۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہوگا۔ (تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ)

۲۔ قیامت کے دن تمام انسانوں سے حساب لیا جائے گا۔ (تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ)

۳۔ سرچشمہ حیات ذات خداوندی ہے اور انتہا بھی اسی کے حضور ہوگی۔ (رُدُّوْٓا) واضح رہے کہ یہ لفظ ''رُدُّوْٓا'' کا اطلاق اس واپسی پر ہوتا ہے جو مبداء کی طرف ہو۔

۴۔ اللہ ہی حقیقی مولا ہے اس کے علاوہ کسی کو حق ولایت حاصل نہیں ہے۔ (مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ)

۵۔ قیامت کے دن جھوٹے معبودوں کی چکا چوند ختم ہو جائے گی۔ (وَضَلَّ عَنْهُمْ)

آیت نمبر 31

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَمَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہُ ۚ فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے باہر لاتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو کارہستی کی تدبیر کرتا ہے؟ جواب میں وہ کہیں گے کہ وہ اللہ ہے آپ کہہ دیں کہ کیا تم غیر اللہ کی عبادت کے بُرے انجام سے نہیں ڈرتے؟

نکات

☆ فرمان خداوندی ہے کہ ’’اللہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے برآمد کرتا ہے‘‘ مفسرین نے اسی کے چند نمونے بیان کیئے ہیں۔

۱۔ نطفہ بے جان ہے اور اس سے انسان وحیوان پیدا ہوتے ہیں جو کہ جاندار ہوتے ہیں۔

۲۔ انڈہ بے جان ہے پیدا ہونے والا چوزہ جاندار ہے۔

۳۔ دانہ بے جان ہے اس سے اگنے والی گھاس جاندار ہے۔

۴۔ کافر اور بدکار والدین مردہ ہیں اور اس سے جنم لینے والا مومن انسان زندہ ہے۔

☆ انسان کو خدا نے اگرچہ بہت سے اعضاء عطا کیئے ہیں لیکن یہاں صرف کان اور آنکھ کا نام لیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اعضا انتہائی اہم ہیں۔

پیام

۱۔ انبیائے کرامؑ سوال کر کے لوگوں کی فکر وبصیرت کو بیدار کیا کرتے تھے۔ (قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراہمی میں آسمان وزمین کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔ (یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ)

۳۔ پیدا کرنا، رزق دینا خداوند عالم کی دائمی سنت ہے۔ (یَّرۡزُقُ۔ یَّمۡلِکُ۔ یُّخۡرِجُ۔ یُّدَبِّرُ) یہ سب فعل مضارع کے صیغہ ہیں جو کہ استمرار وتسلسل پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۔ جہان آفرینش ہمیشہ تدبیر کا محتاج ہوتا ہے اور وحدت تدبیر وحدت ربوبیت کی دلیل ہے۔

۵۔ ہمارا رزق، ہمارا سننا دیکھنا، ہماری زندگی اور ہماری موت خدا کے اختیار میں ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی کا اختیار نہیں ہے۔ (اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ ۔۔۔۔ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہُ)

۶۔خدا کی نعمت وقدرت کے متعلق غور وفکر کرنا خداشناسی کا بہترین زینہ ہے۔(قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ ....فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ)
۷۔مشرکین بھی اپنے دلوں میں اللہ کو ہی خالق سمجھتے تھے۔(فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ)
۸۔صرف عقیدہ کافی نہیں ہے عمل بھی ضروری ہے۔(فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ، فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ)
۹۔علم ومعرفت سے تقویٰ کی زمین ہموار ہوتی ہے۔(فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ، فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ)

آیت نمبر 32

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: پس یہی (قادر و یکتا) خدا ہے جو تمہارا برحق پروردگار ہے پھر حق کے بعد گمراہی کے علاوہ اور کیا رکھا ہے؟ آخر تم کدھر پھرائے جارہے ہو؟

پیام

۱۔سابقہ آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ہی حاکم ہے اور وہی خالق ورازق اور مدبر کائنات ہے۔ ایسے خدا کی موجودگی میں کسی دوسرے پروردگار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔(فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ)
۲۔خدا کے علاوہ کسی اور کی ربوبیت کا عقیدہ رکھنا باطل اور گمراہی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔(فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ)
۳۔حق وباطل کے درمیان اور کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے جو چیز حق نہ ہو وہ باطل ہوا کرتی ہے۔غیر جانبداری کا نظریہ سراسر غلط ہے۔(فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ)
۴۔انسان فطری طور پر حق کا خوگر ہے لیکن شیاطین، اوہام اور دوسرے عوامل اسے انحرافی راستوں پر لے جاتے ہیں۔(تُصْرَفُوْنَ)

آیت نمبر 33

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اس طرح سے تیرے رب کا فرمان نافرمانی کرنے والوں پر ثابت ہوگیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

پیام

۱۔انسان فسق کے راستے کا انتخاب کرکے اپنے لیئے قہرالٰہی کو یقینی بنالیتا ہے۔(حَقَّتْ...عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا)
۲۔فسق اور گناہ ایمان لانے سے رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں اور کفر کی تمہید ثابت ہوتے ہیں۔(فَسَقُوْٓا...لَا يُؤْمِنُوْنَ)

آیت نمبر 34

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ‌ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں تم نے جن معبودوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے تو کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرے پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے؟ کہہ دیں کہ اللہ تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بھی لوٹائے گا پھر تم کدھر الٹے جا رہے ہو؟

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو مشرکین سے بحث و مباحثہ کا طریقہ سکھا رہا ہے۔ (قُلۡ)

۲۔ خدا کا شریک صرف انسانی اوہام کی پیداوار ہے۔ (شُرَكَآئِكُمۡ)

۳۔ کائنات حادث ہے اور خدا کی پیدا کردہ ہے۔ (يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ)

۴۔ پرستش کے لیئے دو معیار ضروری ہیں۔ ۱۔ عبادت صرف اس کی کی جائے جو پیدا کر سکتا ہو۔ ۲۔ عبادت کا مستحق وہ ہے جو دوبارہ لوٹا سکتا ہو۔ (يَّبۡدَؤُا ، ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ)

۵۔ زندگی موت کی طرف رواں دواں ہے زندگی کا انجام فنا اور موت ہے۔ (يَّبۡدَؤُا ... ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ)

۶۔ قیامت دنیا کے ختم ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔ (يَّبۡدَؤُا ، ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ)

۷۔ معاد اور قیامت دنیا کی طرح سے جسمانی ہوگی۔ (ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ)

۸۔ خدا کا شریک بنانا بے عقلی کی دلیل ہے۔ (فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ)

آیت نمبر 35

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ‌ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ‌ؕ اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى‌ۚ فَمَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی ہدایت کرے؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی حق کی ہدایت کرتا ہے تو پھر (بتاؤ کہ) جو حق کی راہ دکھائے وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راستہ نہ دکھایا جائے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟!!

نکات

☆ سابقہ آیت میں مبداء و معاد اور تخلیق کائنات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جبکہ اس آیت میں نبوت، امامت اور انسانی ہدایت کے معاملات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ ہدایت کے دو مفہوم ہیں۔ ا۔ راستہ دکھانا۔ ۲۔ منزل مقصود پر پہنچانا۔ انبیاء کی ہدایت کا تعلق پہلے مفہوم سے ہے۔ "وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا" (انبیاء/ ۷۳) ہم نے انہیں ایسے رہنما مقرر کیا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت دیتے تھے۔ ہدایت کی دوسری قسم اللہ تعالی سے مخصوص ہے۔ "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ" (القصص/ ۵۶) (اے رسول) جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

☆ "يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ" اور "يَهْدِيْ لِلْحَقِّ" دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے (تفسیر المیزان)

☆ شیعہ و سنی روایات متواترہ کے مطابق رسول اکرمؐ نے فرمایا "اَلْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ وَّ عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ" حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے (احقاق الحق جلد ۵ ص ۲۸/۶۳)

پیام

ا۔ ہدایت و رہنمائی کا تعلق افعال الٰہی سے ہے (قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ) (معبود بننے کے لیئے ضروری ہے کہ وہ ہدایت بھی کر سکتے ہوں)

۲۔ صحیح ہدایت کے لیئے وسیع اور غلطی سے پاک علم کی ضرورت ہے اور اس ہدایت کے لیئے قدرت، محبت اور ہدف کی ضرورت ہے لہٰذا ہادی صرف اللہ ہے اور وہ ذوات طاہرہ ہادی ہیں جنہیں اس نے راہنما مقرر کیا ہو۔ چنانچہ خدا کے متعین کردہ ہادیوں کے علاوہ کسی کو ہادی کہلانے کا حق نہیں ہے لہٰذا بتوں اور طاغوتوں کو ہادی بننے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ (قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ)

۳۔ قیامت کے قابل صرف وہی ہوتا ہے جو حق کی رہنمائی کرے۔ (اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ)

۴۔ نبوت، امامت اور معصوم رہبر کی اطاعت کو ایک عقلی قانون کا درجہ حاصل ہے۔ (فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ)

آیت نمبر 36

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

ترجمہ: اور ان کی اکثریت بس گمان کی ہی پیروی کر رہی ہے جب کہ گمان کسی بھی طرح سے انسان کو حقیقت سے بے نیاز نہیں کر سکتا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ جو کچھ انجام دے رہے ہیں اللہ اسے بخوبی جانتا ہے۔

نکات

حقیقی قدر و قیمت علم کی ہے قوی گمان اور اطمینان صحیح مبنیٰ پر اُستوار ہو تو اس کی بھی قدر و قیمت ہے جس طرح سے آیات و روایات کے

ظاہر سے حکم خدا کی شناخت کا گمان ایک فقیہ فروعی مسائل میں حاصل کرتا ہے اس کے برعکس عقیدہ میں گمان جو کہ آباء واجداد کی تقلید اور جاہلی تعصّبات سے پیدا ہوا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

پیام

۱۔ اکثریت کو ہمیشہ دلیل صداقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔(وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا)
۲۔ انبیاء کے مخالفین کے پاس کوئی منطق نہیں ہے۔(اِلَّا ظَنًّا)
۳۔ شرک کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔(هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ ....وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا)
۴۔ عقائد و بینش کے لیئے گمان کی بجائے علم کی پیروی کرنی چاہیئے (اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ)

آیت نمبر 37

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: اور ایسا نہیں ہے کہ اس قرآن کو اللہ کے سوا کسی اور طرف سے گھڑ لیا ہو۔ بلکہ یہ تو اس سے پہلے جو کتاب آچکی ہے اس کی تصدیق ہے اور تمام آسمانی کتابوں کی تفصیل ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

پیام

۱۔ قرآن کے مضامین اور جامعیت کچھ اس طرح سے ہے کہ اسے غیر خدا کی طرف منسوب کرنا کسی طرح سے بھی صحیح نہیں ہے۔ (اَنْ يُّفْتَرٰى)
۲۔ آسمانی کتابیں ایک دوسرے کی مؤید ہیں۔ ان میں فرق اجمال اور تفصیل کا ہے۔(تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ)
۳۔ قرآن رُشد و تربیت کا ذریعہ ہے(هٰذَا الْقُرْاٰنُ.... مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

آیت نمبر 38

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: بلکہ یہ کہتے ہیں کہ محمد نے اسے اپنی طرف سے تراش لیا ہے(اور خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے) آپ کہہ دیں کہ اگر تم لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور خدا کے علاوہ تم جس کو بھی بلا سکتے ہو بُلا لو۔

نکات

☆ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اپنے مخالفین کو چیلنج کیا ہے اوران سے کہا ہے کہ اگر ان میں ذرا بھی دم خم ہے تو پھر تمام جن وانس کو بلالائیں اور قرآن کے مقابلہ پر اس جیسی کتاب لے آئیں لیکن کسی کو اس کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر قرآن نے تخفیف کی اور کہا کہ صرف دس سورتیں بنا کر لائیں مگر کسی سے دس سورتیں بھی نہ بنیں بعد ازاں قرآن کریم نے اپنے چیلنج میں مزید آسانی پیدا کی اور فرمایا کہ اس کی سورتوں کی مانند صرف ایک سورت ہی بنالائیں اوراس کے لیئے اپنے تمام مددگاروں کو دعوت دیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی سے ایک سورت بھی نہیں بن سکی قرآن کریم نے اپنے چیلنج میں مزید آسانی پیدا کی اور فرمایا کہ قرآنی آیات جیسی ایک آیت بنا کرلائیں۔(قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ ۔۔۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) (ہود/ ۱۳) تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ کروڑوں انسانوں نے قرآن کی مخالفت کی اور اسلام کو شکست دینے کے لیئے لڑائیاں لڑیں لیکن آج تک کسی کی طرف سے بھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب سنائی نہیں دیا اور قیامت تک کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔

قرآنی امتیازات

☆ گفتگو قرآن کے چیلنج پر ہو رہی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ابدی کتاب اور جاودانہ معجزہ کے چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جائے ا۔قرآن کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ بلند و بالا معانی اور مطالب کو چھوٹے سے کلمات میں بند کر دیتا ہے۔مثلاً قرآن کریم نے عورت و مرد کے رشتہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ'' (البقرہ/ ۱۸۷) بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔قرآن کریم نے غیر الٰہی قوتوں کی کمزوری کی مثال مکڑی کے گھر سے دی ہے۔(وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ) (عنکبوت/ ۴۱) اللہ تعالیٰ نے بتوں کی بے بسی بیان کرتے ہوئے فرمایا:''لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا'' (حج/ 73) وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

۲۔خدا نے قرآن کو عجیب شیرینی عطا کی ہے۔اسے ہزار بار بھی پڑھا جائے تو بھی یہ بوسیدہ محسوس نہیں ہوتا۔آپ جب بھی قرآن کو غور سے پڑھیں گے تو ہر بار کوئی نہ کوئی نیا نکتہ آپ کو ملے گا۔

۳۔قرآن میں مخصوص طرح کا آہنگ وارتباط پایا جاتا ہے۔کلام الٰہی میں مخصوص طرح کی موسیقیت پائی جاتی ہے۔الغرض قرآن کا اپنا ہی رنگ ڈھنگ ہے اگر قرآن کی آیت کو عرب ادیبوں کے کلام میں رکھا جائے یا قرآنی آیت کو احادیث میں رکھا جائے تو قرآنی آیت یوں چمک رہی ہوگی جیسے پتھروں میں ہیرا چمکتا ہے۔

۴۔قرآن انتہائی جامع کتاب ہے اس میں برہان سے لے کر مثل تک، دنیا سے لے کر آخرت تک کے تمام مسائل موجود ہیں۔ الغرض قرآن میں عائلی مسائل، سیاسی، فوجی اور جملہ اقتصادی مسائل تک موجود ہیں۔

۵۔قرآن مجید کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کا ہر لفظ حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہے قرآن کی داستانوں میں بھی کہیں مبالغہ آرائی نہیں ہے وہ بھی حقیقت پر مبنی ہیں۔

۶۔قرآن ہمہ گیر اور جہانی ہے یعنی قرآن سب کے لیئے ہے۔قرآن ہر سطحِ ذہن کے لیئے یکساں مفید ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق قرآن سے استفادہ کرسکتا ہے قرآن تخصص کی کتاب نہیں ہے۔

۷۔قرآن ابدی کتاب ہے زمانہ جتنی بھی ترقی کر رہا ہے اسی کے مطابق قرآن کے حقائق واسرار ظاہر ہو رہے ہیں۔

۸۔ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔اگرچہ ہر دور میں قرآن کے دشمن موجود رہے ہیں اس کے باوجود قرآن نے جس قدر رہنمائی فراہم کی ہے اتنی کسی اور کتاب کی بدولت فراہم نہیں ہوئی ہے۔

۹۔قرآن خدائی معجزہ ہے یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو ہر کسی کے ہاتھ میں موجود ہے یہ بھی عربی زبان میں ہی ہے مگر آج تک دنیا کے قادرالکلام مل کر اس کا مقابل پیش نہیں کر سکے۔

۱۰۔قرآن جہاں معجزہ ہے وہاں دستور وقانون کی کتاب بھی ہے۔

۱۱۔حامل قرآن پیغمبر کا کمال یہ ہے کہ اس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور ان کی زندگی ایسے علاقہ میں بسر ہوئی تھی جو علم وتعلیم سے کوسوں دور تھا۔

۱۲۔صدیاں گزرنے کے باوجود نہ تو اس میں اضافہ ہوا اور نہ ہی اس میں کوئی کمی ہوئی ہے۔یہ کتاب تحریف سے پاک ہے۔

پیام

۱۔قرآن کریم نے اپنے معجزہ کے اثبات کے لیئے انتہائی سادہ طریقہ اختیار کیا اور لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لائیں۔(فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ)

۲۔پورا قرآن تو اپنے مقام پر اس کی ایک ایک سورت معجزہ ہے۔(بِسُورَةٍ)

۳۔قرآن نے اپنے چیلنج میں تخفیف کی ہے اور اس کے ایک سورت کے مقابلہ دوسری سورت لانے کو ہی کافی قرار دیا ہے(بِسُورَةٍ)

۴۔قرآن کا یہ چیلنج صرف اس دور کے افراد اور صرف مکہ کے افراد کے لیئے نہیں تھا قرآن کا یہ چیلنج ہر دور کے انسانوں کے لیئے ہے (وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ)

۵۔قرآن کا یہ چیلنج صرف عوام کے لیئے نہیں ہے یہ چیلنج تمام قانون دانوں اور جملہ ادیبوں اور نابغہ روزگار شخصیات کے لیئے بھی ہے (وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ)

۶۔قرآن نے اپنے چیلنج کے لیئے افراد کی تعداد کو متعین نہیں کیا(وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ)

۷۔قرآن نے لوگوں کو اپنے چیلنج میں قرآن سنانے کی ترغیب بھی دی ہے(إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ)

آیت نمبر 39

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ‌ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ‏ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: بلکہ (حق یہ ہے کہ) وہ جس کا علمی احاطہ نہیں کر سکے انہوں نے اس کی تکذیب کی ہے جب کی اس کی حقیقت و باطن ان کیلیئے واضح ہی نہیں ہوئی ہے ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح سے تکذیب کی تھی دیکھو آخر کار ظلموں کا کیا انجام ہوا؟

نکات

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کریم کی دو آیات سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں

الف۔ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو تب تک اس کے متعلق کچھ نہ کہیں'' اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ ''(اعراف/۱۶۹) کیا ان سے کتاب کا یہ میثاق نہیں لیا گیا کہ خدا کے متعلق حق کے علاوہ اور کچھ نہ کہیں۔

ج۔ جب تک علم نہ ہو اس وقت تک کسی بات کو رد نہ کریں (یونس/۳۹) بلکہ وہ جس کا علمی احاطہ نہیں کر سکے انہوں نے اس کی تکذیب کی ہے (تفسیر مجمع البیان)

☆حضرت عبدالعظیم حسنی نے امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے چار باتیں کہی تھیں اللہ تعالیٰ نے میری ہر بات کی تائید میں آیت نازل فرمائی ا۔ میں نے یہ کہا تھا: ''اَلْمَرْءُ مَخْبُوْءٌ تَحْتَ لِسَانِهٖ'' انسان کی شخصیت اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل ہوئی ''وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ‌'' (محمد/۳۰) آپ انہیں ان کی گفتگو سے پہچان لیں گے۔ ۲۔ میں نے یہ کہا تھا۔ (مَنْ جَهِلَ شَيْئًا عَادَاهُ) جو کسی بات کو نہیں جانتا وہ اس سے دشمنی کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا'' وہ جس کا علمی احاطہ نہیں رکھتے تھے اس کی انہوں نے تکذیب کی ہے ۳۔ میں نے یہ کہا تھا ''قِيمَةُ كُلِّ امْرِءٍ مَّا يُحْسِنُهُ'' ہر شخص کا ہنر اور لیاقت اس کی قیمت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ‌ ''(بقرہ/۲۴۷) یعنی اللہ نے طالوت کو اس کی طاقت کی وجہ سے چُنا ہے۔ ۴۔ میں نے یہ کہا تھا '' اَلْقَتْلُ يَقِلُّ الْقَتْلَ'' ظالم کو قتل کرنے سے قتل کے جرم کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''وَلَـكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ'' تمہارے لیئے قصاص میں زندگی مضمر ہے۔ (البقرہ/۱۷۹)

پیام

۱۔ قرآن کے مخالف اس کی تکذیب اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں قرآن کا احاطہِ علمی نصیب نہیں ہوا۔ (كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا)

۲۔ اگر ہمیں کسی چیز کا علم نہ ہو اس کی تردید و تکذیب نہیں کرنی چاہیئے۔ (كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا)

۳۔کلی اوراجمالی علم کم موثر ہوتا ہے احاطہ علمی ہی نورانیت کا سبب بنتا ہے۔(لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ)
۴۔ادوار تاریخ میں انبیاء کی مخالفت زیادہ تر جہالت کی وجہ سے کی گئی تھی۔(كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ)
۵۔ تاریخ سے آگاہی ضروری ہے اور مخالفین انبیاء کے انجام کا جاننا ضروری ہے۔(فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ)

آیت نمبر 40

وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: اوران میں سے کچھ اس قرآن پر ایمان لے آئیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے آپ کا پروردگار فساد کرنے والوں کوخوب جانتا ہے۔

پیام

۱۔انسان مجبور نہیں ہے صاحب اختیار ہے۔(مِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ)
۲۔رہبر کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ تمام لوگ ہدایت و دستور پر ایمان لے آئیں گے۔(وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ)
۳۔فساد اور بے ایمانی کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے گناہ ایمان سے رکاوٹ بنتا ہے اور گناہ بے ایمانی اور فساد پھیلانے کا محرک بھی بن جاتا ہے۔(لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ....الْمُفْسِدِينَ)

آیت نمبر 41

وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

ترجمہ: اور اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہہ دیں کہ میرے لیئے میرا عمل ہے اور تمہارے لیئے تمہارا عمل ہے میرے عمل سے تم بیزار ہو اور تمہارے اعمال سے میں بیزار ہوں۔(یعنی میرے اعمال کے تم جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جوابدہ نہیں ہوں)

پیام

۱۔لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔انبیاء کا وظیفہ راہنمائی کرنا ہے۔مجبور کرنا نہیں ہے(وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل.....)
۲۔رہبر کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر آمادہ کرے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔(وَإِن كَذَّبُوكَ)
۳۔تکذیب کرنے والوں کے سامنے ہمیں احساس شکست نہیں کرنا چاہیئے اور ہمیں یہ یقین ہونا چاہیئے کہ ہمیں ہماری نیکی کا بدلہ ملے گا اور مخالفین کو ان کی تکذیب پر سزا دی جائے گی۔(لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ)

۴۔ پیغمبر مکذّبین (تکذیب کرنے والوں) کے سامنے مضبوط موقف رکھتے تھے۔(فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ)
۵۔ ہر شخص کے عمل کا نفع نقصان اسے ہی ملا کرتا ہے۔(لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ) میں "لِّیْ" اور "لَکُمْ" "عَمَلِیْ وَعَمَلُکُمْ" پر مقدم ہے۔
۶۔ اسلام استدلال اور اخلاق کا دین ہے۔ کفار سے ساز باز کا دین نہیں ہے۔ اگر کفار حق کو قبول نہ کریں تو ان کے عقائد و اعمال سے بیزاری کا اعلان کرنا چاہیئے۔(اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ)
۷۔ کسی کے کام پر راضی ہونے والا اس کے ثواب و عقاب میں شریک ہوتا ہے۔(اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ) یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ہر شخص کی اجرت اس کے ساتھ مخصوص ہے اسی لیئے یہ کہا گیا ہے کہ میں تمہارے اعمال سے راضی نہیں ہوں اور تم میرے عمل سے راضی نہیں ہوں۔

آیت نمبر 42

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: (اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو) ان میں سے ایک گروہ (ظاہری طور پر) آپ کی باتیں غور سے سنتا ہے (جب کہ دراصل وہ کچھ بھی نہیں سنتے) کیا بہروں کو اپنی گفتگو سنوا سکتے ہیں ہر چند کہ وہ اہل عقل نہ ہوں۔

پیام

۱۔ تمام سننے والے نیک نیت نہیں ہوتے کچھ ضدی افراد بہانہ سازی کے لیئے بار بار کان لگا کر سنتے ہیں۔ (مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ)
۲۔ کبھی دل کی بیماری اتنی بڑھ جاتی ہے کہ کلام رسول سے بھی اس کا علاج نہیں ہوتا۔(اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ)
۳۔ جب تک لوگ ذہنی طور پر ہدایت حاصل کرنے کے لیئے آمادہ نہ ہوں اس وقت تک رہبر کے دلائل کافی نہیں ہوتے۔(لَا يَعْقِلُوْنَ)
۴۔ براہ راست یا بالواسطہ سننے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کے برعکس غور و فکر اور تعقل و تدبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ صرف سن لینا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ سننے کی حد تک جانور بھی سنتے ہیں۔(يَّسْتَمِعُوْنَ. لَا يَعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 43-44

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو آپ کی طرف نگاہ کرتا ہے (لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے) تو کیا آپ

اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں جب کہ وہ چشم دل سے نہ دیکھتے ہوں۔

ترجمہ: اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لوگ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔

نکات

☆ قیامت کے دن ایک گروہ اندھا محشور ہوگا اوراس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ آیات سے اندھے پن کا ثبوت دیتے تھے اور دنیا میں رہ کر انہوں نے آیات الٰہی کو فراموش کر دیا تھا۔'' وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى ... اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا '' (طٰہٰ ۱۲۴/۱۲۶)

☆ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ خدا انسان کو گناہ پر مجبور کر کے پھر اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے تو اس نے خدا کی طرف ظلم کی نسبت دی ہے اوراس نے اس آیت (موجودہ آیت) کا انکار کیا ہے۔ (بحار جلد ۵ /۷۱)

پیام

۱۔ ہر نگاہ بصیرت بھری نہیں ہوتی اور ہر دیکھنے والا حقیقت کا طلبگار نہیں ہوتا۔ (يَّنْظُرُ ، يُبْصِرُوْنَ)

۲۔ اندھے دلوں کے لیئے انبیاء بھی موثر نہیں ہوتے۔ (اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ)

۳۔ جو شخص حق کو نہ دیکھے تو وہ اندھا ہے۔ (يَّنْظُرُ ،لَا يُبْصِرُوْنَ)

۴۔ اللہ نے انسانوں کے لیئے بہترین کتاب اور بہترین رسول بھیجا ہے اگر اس کے باوجود بھی وہ ایمان نہ لے آئیں تو وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ .... اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ)

آیت نمبر 45

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵

ترجمہ: جس دن خدا انہیں محشور کرے گا گویا وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی رہے ہوں گے اس دن وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے جن لوگوں نے خدا کی ملاقات (قیامت) کی تکذیب کی ہے وہ خسارے میں رہے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔

نکات

☆ قیامت کے دن کی عظمت اتنی ہوگی کہ اس کے مقابلہ پر دنیاوی زندگی انتہائی قلیل محسوس ہوگی اس حقیقت کو حسب ذیل آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے ☆ '' لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا '' ((نازعات/۴۶) گویا وہ دنیا یا برزخ میں ایک رات سے زیادہ نہیں رہے ہوں گے ☆ '' وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا '' (بنی اسرائیل/ ۵۲) تم گمان کرو گے کہ تم انتہائی قلیل عرصہ تک رہے ہو۔

☆ "اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا" (طٰہٰ/ ۱۰۳) تم سوچو گے کہ تم دنیا میں صرف دس دن ہی رہے تھے۔

☆ "مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ" (روم/ ۵۵) تم سوچو گے کہ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے ہو۔

☆ عمر دنیا کوتاہ ہے یا یہ بہت جلد گزر جاتی ہے یا یہ کہ دنیاوی زندگی سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اس لیئے زندگی کے ایام انتہائی قلیل دکھائی دیں گے۔ یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انسان جب عمر آخرت کو دیکھے گا تو وہ یوں محسوس کرے گا کہ دنیا اور برزخ کی زندگی ایک خواب سے زیادہ نہ تھی۔ بیداری کے بعد وہ یہ محسوس کریں گے کہ ان کی زندگی انتہائی کم تھی۔ ہر نوع آخرت کے مقابلہ میں متاعِ دنیا انتہائی قلیل ہے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ہے۔

پیام

۱۔ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں انتہائی قلیل ہے۔(سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ)

۲۔ قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔(يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ)

۳۔ جن لوگوں نے آخرت کی تکذیب کی ہے وہ آخرت کے ابدی فوائد سے محروم رہیں گے اور سخت نقصان میں رہیں گے۔ ان لوگوں کے مقدر میں صرف چند دنیاوی فوائد ہیں ان کے برعکس اہل ایمان بڑے خوش نصیب ہیں۔ انہیں دنیاوی نعمات بھی حاصل ہیں اور اخروی نعمات سے بھی وہ مستفید ہوں گے۔(قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا)

آیت نمبر 46

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ۝۴۶

ترجمہ: اور ہم نے ان سے جن چیزوں کا وعدہ کیا ہے ان میں سے کچھ چیزیں آپ کو دکھا دیں یا آپ کو (ان کے کیفر کردار سے پہلے) پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیں۔ (پھر بھی ہمارا عذاب ان پر آ کر ہی رہے گا) انہیں بہر حال پلٹ کر ہماری بارگاہ میں آنا ہے پھر جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر اللہ شاہد ہے۔

نکات

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریمؐ کی زندگی ہی میں کفار کو بدر، حنین، احزاب اور فتح مکہ کے غزوات میں سزا دی تھی اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد کفار پر عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا۔

☆ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے: (اِتَّقُوۡا مَعَاصِيَ اللّٰهِ فِي الۡخَلَوَاتِ فَاِنَّ الشَّاهِدَ هُوَ الۡحَاكِمُ) خلوت کے لمحات میں خدا کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ جو گواہ ہے حاکم بھی وہی ہے۔ (بحار جلد ۷۳/ ۳۶۴)

پیام

۱۔اللہ تعالیٰ نے ہرصورت میں کافروں کا محاسبہ کرنا ہے اورانہیں عذاب دینا ہےخواہ اس زمانے میں عذاب دے یا کسی اورزمانے میں عذاب دے۔لہٰذاخدائی فیصلہ کی تاخیر سے مومنین کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے (وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ... أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ)

۲۔پیغمبراکرم کی وفات کی وجہ سے کافروں کے عذاب میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔(أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ)

۳۔تمام مخلوقات کی بازگشت خدا کی طرف ہےاورخدا کی عدالت سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔(إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ)

۴۔اللہ ہمارے اعمال کا گواہ ہے۔(اللَّهُ شَهِيدٌ)

آیت نمبر 47-48

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۴۷
وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۴۸

ترجمہ:اور ہرامت کے لیئے رسول ہے جب ان کارسول آتا ہےتوان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کردیا جاتا ہے اورکسی پرظلم نہیں کیا جاتا۔

ترجمہ:اورکفار(بطورمذاق) یہ کہتے ہیں کہ اگرتم سچے ہوتو بتاؤ عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟

نکات

☆کفار بطورمذاق انبیاء سے یہ کہا کرتے تھے کہ اگرتم سچے ہوتو یہ بتاؤ کہ خدا کی طرف سے عذاب کب نازل ہوگا؟ کفاراس طرح کے حقارت آمیزسوال کرکے اپنے ساتھیوں کوکفرپرقائم رکھتے تھے۔اوران کا ہمیشہ یہی اصرار ہوتا ہے کہ انہیں عذاب کے وقت کی خبردی جائے۔سوال۔اگرہرقوم کے لیئے رسول ہےتو پھرخدانے سلسلہ رسالت کومنقطع کیوں کیا؟ جواب۔لفظ رسول سے رسول کی ذات مرادنہیں ہےاس سےاس کا پیغام اوراس کی تعلیمات مرادہیں۔خواہ وہ براہ راست ہویابالواسطہ ہو۔اگریہ مفہوم مرادنہ لیاجائےتواس سے یہ لازم آئے گا کہ ہرمنطقہ میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ہونا چاہیئے!

☆انبیاء اورعادلانہ فیصلے دنیامیں مربوط ہیں اوریہ بھی ممکن ہے کہ وہ آخرت میں مربوط ہوں جیسا کہ سورہ زمرکی ۶۹ ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

☆امام محمد باقرعلیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے انبیاء''يَقْضُونَ بِالْقِسْطِ'' کے مصداق تھےاوران کے تمام فیصلے عدل وانصاف پرمبنی ہوتے تھے۔(تفسیرصافی)

پیام

۱۔ازل سے یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ کوئی بھی ملت نبی کے بغیر نہیں گزری۔(لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ)

۲۔جب سے انسانیت چلی اس دن سے دین بھی ساتھ چلا۔(لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ)ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ''(فاطر/۲۴)کوئی ایسی امت موجود نہیں ہے جس میں ہماری طرف سے خبردار کرنے والا نہ پہنچا ہو۔

۳۔انبیاء کی آمد اور اتمام حجت کے بعد ہی اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔(لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ)

۴۔انبیاء کی بعثت کے زیر سایہ ہی عدل وانصاف پر مبنی معاشرے کو تشکیل دیا جاسکتا ہے۔(إِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ)

۵۔قیامت کے دن ہر گروہ اپنے پیغمبر کے ساتھ حاضر ہوگا۔بعدازاں ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کیا جائے گا(جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ)ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے:''وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ''(زمر/۶۹)انبیاء اور گواہوں کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آیت نمبر 49

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کے لیئے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو خدا چاہے۔ہر امت کے لیئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو پھر وہ ایک گھڑی نہ تو پیچھے ہوسکیں گے اور نہ ہی آگے بڑھ سکیں گے۔

نکات

☆سابقہ آیت میں یہ کہا کہ ہر امت کے لیئے رسول ہوتا ہے اور موجودہ آیت میں کہا گیا ہے کہ ہر امت کے لیئے ایک مقررہ میعاد ہوتی ہے دونوں آیات کے ارتباط کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر قوم وامت کی سعادت وشقاوت کا فیصلہ رسول کی پیروی یا اس سے بے اعتنائی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆سوال۔اگر ہر امت کے لیئے ایک مقررہ مدت ہے تو پھر اسلام کی بھی مدت ہوگی اور عمر طبیعی کو پہنچ کر اسے بھی ختم ہوجانا چاہیئے؟!

جواب۔لفظ امت گروہ اور جماعت کے معنی میں ہے دین ومذہب کے معانی میں نہیں ہے۔لہٰذا اس سے اسلام کے اختتام کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کچھ عرصہ بعد دین ومذہب کی تبدیلی ضروری ہے۔

پیام

۱۔قوت و مالکیت خدا کی ہے انبیاء بھی ذاتی قدرت اور مالکیت نہیں رکھتے۔(لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِيۡ)

۲۔انبیاء واولیاء کی قدرت الٰہی قدرت کا ایک شمع پرتو ہے (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ) ہمیں افسوس ہے کہ مراغی نے ''قُلۡ لَّآ اَمۡلِكُ'' کی آیت کو عنوان بنا کر توسل کی تردید پر مفصل بحث کی ہے جب کہ اس کی تمام تر بحث پڑھنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی نظر (لَّآ اَمۡلِكُ) پر ٹکی رہی اس کی نظر (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ) کے الفاظ پر نہیں پڑی تھی۔

۳۔''لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِيۡ ضَرًّا'' کے الفاظ پیغمبر اسلام کی صداقت کی دلیل ہیں۔

۴۔افروں کو عذاب دینے کے لیئے وقت مقرر کرنے کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے۔(مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ ... قُلۡ لَّآ اَمۡلِكُ ...)

۵۔افراد کی ایک عمر طبیعی ہوتی ہے اور افراد پر سعادت وشقادت کے لمحات آتے رہتے ہیں اسی طرح سے اقوام وملل کی بھی ایک طبیعی عمر ہوتی ہے اوران پر بھی سعادت وشقادت کے ادوار طاری ہوتے رہتے ہیں ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ'' کبھی کسی قوم کی عمر پوری ہونے پر اس قوم کو تباہ و برباد کردیا جاتا ہے اور کبھی اس کی شوکت وعزت کو ختم کر کے رسوائی کی وادی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

۶۔دنیاوی حکومت واقتدار ابدی نہیں ہے لہٰذا ہمیں حکومت پا کر مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔(لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ)

۷۔اقوام وملل کو مہلت دینا خدا کی ایک سنت ہے۔(لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ)

۸۔امتوں کے عروج وزوال کے فیصلے الٰہی روش کی بنیاد پر ہوتے ہیں اس میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ہمیں خدائی قوانین کے متعلق جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر 50-51

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾
اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اگر خدا کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو نازل ہوجائے (توتم کیا کروگے؟) مجرم افراد آخر کس چیز کے لیئے خدا سے جلد بازی کررہے ہیں (آخر یہ ''متی ھذاالوعد'' خدا کا عذاب کب آئے گا) کیوں کہہ رہے ہیں؟)

کیا تم عذاب نازل ہونے کے بعد اس پر ایمان لاؤ گے؟ جبکہ اس سے قبل تم تو عذاب کے جلد نازل ہونے کی درخواست کرتے تھے؟!

نکات

☆ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت میں جس عذاب کی گفتگو کی گئی ہے اس سے وہ عذاب مراد ہے جو آخری زمانے میں اہل قبلہ پر نازل ہوگا۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔عذاب الٰہی ناگہانی صورت میں نازل ہوتا ہے اس کے لیئے روز و شب کا کوئی فرق نہیں ہے۔(بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا)

۲۔عقل مند وہ ہے کہ جو احتمال عذاب میں احتیاط کرے نہ کہ اس کے جلد نازل ہونے کی درخواست کرے۔

۳۔جب خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پھر نجات کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔(مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ)

۴۔عذاب آنے کے وقت یا نزول عذاب کے بعد ایمان لانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۵۔مشرکین روز اول سے ہی عذاب الٰہی کی جلد بازی کے خواہش مند ہیں۔(كُنْتُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ)

آیت نمبر 52

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ رہنے والے عذاب کا ذائقہ چکھو جو تم کرتے رہے ہو اس کی سزا کے علاوہ تمہیں اور کیا دیا جا سکتا ہے؟

نکات

☆ سابقہ آیت میں دنیاوی عذاب کا ذکر کیا گیا تھا اور اس آیت میں آخرت کے عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی لیئے یہاں ''ذُوْقُوْا''(چکھو) کا جملہ ہے ''يَذُوْقُوْنَ''(وہ چکھیں گے) کے الفاظ نہیں ہیں

پیام

۱۔انبیاء کے تمام مخالف ظالم تھے۔(ظَلَمُوْا)(سابقہ آیات پر توجہ کے ساتھ)

۲۔کچھ بدکار ایسے بھی ہیں جنہیں ابدی عذاب دیا جائے گا۔(عَذَابَ الْخُلْدِ)

۳۔اُخروی جزا و سزا روحانی اور جسمانی ہوگی۔(قِيْلَ ...ذُوْقُوْا)

۴۔جزا و سزا عدل الٰہی کے مطابق ہوگی۔(هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ)

۵۔انسان نیکی اور برائی میں آزاد ہے مجبور نہیں ہے۔(تَكْسِبُوْنَ)

آیت نمبر 53

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (جس خدائی جزا وسزا کا آپ وعدہ کرتے ہیں) کیا یہ حق ہے؟ آپ کہہ دیں جی ہاں، مجھے میرے پروردگار کی قسم یہ حق ہے اور تم (خدا کو اس کے بجالانے سے) عاجز نہیں کرسکو گے۔

نکات

☆ یہ آیت سورہ طور کی آٹھویں آیت کے مشابہ ہے ''اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ'' تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اس کے لیئے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

پیام

۱۔ خدا کے تمام وعدے قطعی اور حتمی ہیں (اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ) اس آیت میں پہلے رب کی قسم کھائی گئی بعد ازاں ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل سے اس میں تاکید پیدا کی گئی۔ بعد ازاں ''لَحَقٌّ'' میں لام تاکید لایا گیا۔

۲۔ رہبر ایسا ہونا چاہیئے جو لوگوں کے شکوک اور اعتراضات کو دور کرے۔ (قُلْ)

۳۔ اعتراضات کے جواب میں قطعی موقف اختیار کرنا چاہیئے۔ (اِیْ وَرَبِّیْۤ)

۴۔ بعض اوقات لوگوں کے شکوک اور اضطراب کو دور کرنے کے لیئے قسم کھانا ضروری ہوجاتا ہے۔ (اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ)

۵۔ نظام ہستی میں کوئی بھی طاقت خدا کے ارادہ کو روک نہیں سکتی۔ (مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ)

آیت نمبر 54

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور جس جس نے ظلم کیا ہے اگر اس کے پاس روئے زمین کی تمام دولت بھی ہو تب بھی وہ (عذاب سے بچنے کے لیئے وہ پوری دولت) فدیہ دینے پر آمادہ ہوجائے گا اور جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو دل ہی دل میں نادم ہوں اور ان کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کردیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نکات

☆ عذاب الٰہی سے نجات کے لیئے فدیہ دینے کی گفتگو اور مقامات پر بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔ ''مَّا فِی الْاَرْضِ

جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ...لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ''(رعد ۱۸ زمر ۴۷) اگر ان کے پاس دو برابر زمین بھی ہوتی تو بھی وہ اسے فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑاتے۔ سورہ معارج میں ارشاد الٰہی ہے کہ مجرم چاہے گا کہ وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیئے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دیدے اور اپنی زوجہ اور اپنے بھائی کو بھی اور اس خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور روئے زمین پر تمام بسنے والوں کو پھر اپنے آپ کو نجات دلائے۔ (سورہ معارج ۱۱۔۱۴)

پیام

۱۔ قیامت کے دن مجرم کے لیئے راہِ نجات نہیں ہوگی اور اس دن کوئی فدیہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکے گا۔ (مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ)

۲۔ مجرم شماتت سے بچنے کے لیئے اپنی پشیمانی کو دل میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ (وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ)

۳۔ انسان کو اپنی جان سے اتنی محبت ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیئے تمام کائنات کو فدیہ میں دینے پر آمادہ ہوجائے گا۔ (مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ)

۴۔ قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی پشیمانی کو ''ہائے کاش'' کے الفاظ سے ظاہر کریں گے۔ کچھ اپنے ہاتھوں کو کاٹ کر اپنی پشیمانی کا اظہار کریں گے اور کچھ خاموشی سے اسے چھپانے کی کوشش کریں گے۔ (اَسَرُّوا النَّدَامَةَ)

۵۔ رہبران شرک اپنے چیلوں چانٹوں کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لیئے اپنی ندامت کو دل ہی دل میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ (اَسَرُّوا النَّدَامَةَ) (تفسیر مجمع البیان)

۶۔ کسی کی قوت و دولت اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گی۔ (مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ)

۷۔ عین ممکن ہے کہ دنیا میں قاضی کو اشتباہ لاحق ہو اور وہ غلط فیصلہ کر بیٹھے لیکن قیامت کے دن فیصلہ خدا کا ہوگا اور اسے کوئی اشتباہ لاحق نہیں ہوتا۔ اس کا ہر فیصلہ عدل و انصاف کے تقاضوں پر مبنی ہوگا اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ (قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ)

۸۔ ظالم پر بھی ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ (ظَلَمَتْ، لَا یُظْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 55-56

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: آگاہ رہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب خدا کی ملکیت ہے آگاہ رہو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تم اس طرف لوٹائے جاؤ گے۔

پیام

ا۔صرف جان لینا ہی کافی نہیں ہے جانی ہوئی اشیاء پر غور وفکر ضروری ہے۔(اَلَآ)

۲۔ہر چیز کا مالک خدا ہے۔کوئی چیز کافروں کی نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے لیئے فدیہ بنا سکیں۔(سابقہ آیت پر خصوصی توجہ کے ساتھ)

۳۔کائنات کی ہر چیز کا مالک خدا ہے اور اس کی مالکیت اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔
(لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ)

۴۔جو کائنات کا مالک ہے وہ زندہ کرنے اور موت دینے کی قدرت رکھتا ہے۔(لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ)

آیت نمبر 57

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝۵۷

ترجمہ:اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے پند ونصیحت آچکی اور جو کچھ سینوں میں ہے وہ اس کی شفا اور ہدایت اور مومنین کے لیئے رحمت ہے۔

نکات

☆''مَّوْعِظَةٌ'' ایسے روک دینے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تنبیہ شامل ہو۔(مفردات راغب)

☆''وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ'' یعنی قرآن روحانی امراض سے نجات دے کر روح اور قلب کو پاک کرتا ہے۔روحانی امراض جسمانی امراض سے زیادہ دردناک ہوتی ہیں اور قرآن کا کمال یہ ہے کہ وہ روحانی کرب والم سے نجات دیتا ہے۔

☆رسول خدا کا فرمان ہے۔''اِذَا الْتَبَسَتْ عَلَيْكُمُ الْفِتَنُ كَاللَّيْلِ الْمُظْلِمِ فَعَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّهٗ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ'' جب تم پر فتنے تاریک رات کی طرح سے ٹوٹ پڑیں تو قرآن کی پناہ حاصل کرنا وہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور قرآن موعظہ ہے، شفا ہے، نور ہے اور رحمت ہے۔(بحار جلد ۹۲/۱۷)

☆امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:''شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ مِنَ الْاَمْرَاضِ الْخَوَاطِرِ وَ مُشْبِهَاتِ الْاُمُوْرِ'' یعنی قرآن تمام روحانی امراض اور تمام شبہات سے شفا بخشتا ہے۔(تفسیر نور الثقلین)

☆یہ آیت تربیت وتکامل کے چار مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

الف۔ظاہری معاملات کے لیئے پہلا مرحلہ وعظ ونصیحت کا ہے۔(مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ)

ب۔دوسرا مرحلہ روح کو رذائل سے پاک کرنے کا ہے۔(شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ)

ج۔تیسرا مرحلہ منزل کی طرف سفر کرنے کا ہے۔(هُدًى)

د۔چوتھا مرحلہ رحمت الٰہی کو حاصل کرنے کا ہے۔(رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ)

پیام

۱۔ربوبیت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کو وعظ ونصیحت کی جائے اور انہیں روحانی اضطراب سے شفا بخشی جائے اور ان کی رہنمائی کرکے انہیں رحمت کے قابل بنایا جائے۔ مذکورہ تمام مقاصد کے لیئے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا جس میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔چنانچہ قرآن بیک وقت موعظہ،شفاء،ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔(مِّنْ رَّبِّكُمْ)

۲۔قرآن ہر درد کی شفاء ہے ہمیں چاہیئے کہ اپنے ہر درد کا دوا قرآن سے تلاش کریں نہ کہ مشرق ومغرب کے ازموں میں ان کا حل ڈھونڈیں۔(شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ)

۳۔قرآن تمام انسانوں کے لیئے موعظہ ہے جب کہ وہ صرف اہل ایمان کے لیئے شفاء،ہدایت اور رحمت ہے۔(يَآأَيُّهَا النَّاسُ ...وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ)

آیت نمبر 58

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ (اہل ایمان کو صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوش ہونا چاہیئے اور یہ چیز (اس مال ومقام سے) بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں قرآن کو اہل ایمان کے لیئے شفا،ہدایت اور رحمت کیا گیا ہے۔موجودہ آیت یہ واضح کرتی ہے کہ فضل ورحمت کا تعلق قرآن سے تمسک میں مضمر ہے۔حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ ہر کاشت کار آفت میں مبتلا ہوتا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے قرآن کے کھیت میں کاشت کاری کی ہے اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا:"فَكُوْنُوْا مِنْ حَرَثَةِ الْقُرْآنِ" لوگو!تم قرآن کے کاشت کار بنو۔(نہج البلاغہ خطبہ ۱۷)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے:(مَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ لِلْاِسْلَامِ وَ عَلَّمَهُ الْقُرْآنَ ثُمَّ شَكَى الْفَاقَةَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) جس کسی کو خدا اسلام کی نعمت عطا کرے اور اسے قرآن کی تعلیم دے پھر بھی وہ فاقہ کشی اور غربت کی شکایت کرے تو اللہ اس کی پیشانی پر روز قیامت تک لیئے بدبختی کی مہر لگا دیتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی۔(تفسیر نور الثقلین)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بیان کیئے گئے ہیں قرآن کے پیچھے چلو تا کہ تمہاری زندگی خوش نصیبوں کی سی زندگی ہو اور تمہاری موت

شہداء کی موت جیسی ہو۔ اور تمہیں روز قیامت کی حسرت سے نجات ملے کیونکہ قرآن رحمان کا کلام ہے اور شر شیطان سے بچانے والا ہے اور میزان عمل کی برتری اور وزنی ہونے کا سبب ہے۔ (بحار جلد ۸۹/۱۹)

روایات میں فضل و رحمت کی تفسیر نبوت و امامت سے کی گئی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ "فضل" خدا کی عام نعمت اور "رحمت" خدا کی خاص نعمت کو کہا جاتا ہے (تفسیر المیزان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ اہل ایمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نعمتِ دین کافروں کے تمام اموال سے بہتر ہے اور اس پر انہیں خوش ہونا چاہیئے۔ (تفسیر صافی)

پیام

۱۔ ہمیں قرآن کریم پر فخر کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن شفاء ہے موعظہ ہے، ہدایت ہے اور رحمت ہے اور قرآنی قوانین تمام انسانی قوانین سے بہتر ہیں۔ (فَلْيَفْرَحُوْا)

۲۔ ہمیں مال و منصب سے ہٹ کر نعمتِ ولایت پر ناز کرنا چاہیئے۔ (فَلْيَفْرَحُوْا)

۳۔ نعمات کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیئے اور انہیں اپنی محنت اور علم کا ثمرہ قرار نہ دیں تا کہ ہماری خوشی میں دینی رنگ پیدا ہو اور ہم تکبر سے محفوظ رہ سکیں۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

۴۔ ویسے تو خدا کی بے شمار نعمات ہیں لیکن ان میں قرآن سب سے عظیم نعمت ہے اس پر ہمیں خوشیاں منانا چاہئیں۔ (بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ ... فَلْيَفْرَحُوْا) واضح رہے کہ ان الفاظ میں حصر پایا جاتا ہے

۵۔ مادی نعمت کبھی فتنہ و فساد کا سبب بن جاتی ہے اور وہ جلد ختم ہو جاتی ہے جب کہ معنوی نعمات پائیدار اور سبب ہدایت ہوتی ہیں (خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ)

۶۔ معنوی نعمات تمام مادی نعمات سے افضل ہیں ((خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ)) جسے خدا کی طرف سے قرآن کا حصہ نصیب ہوا ہو تو اسے غربت و افلاس کا شکوہ نہیں کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر 59

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ کیا تم نے یہ دیکھا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیئے نازل کیا ہے تم نے (اپنی طرف سے) کچھ کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دیا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ کیا خدا نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔

نکات

☆ کافروں نے کچھ چیزوں کو از خود حرام قرار دیا تھا اور سورہ مائدہ کی ۱۰۳ ویں آیت اس کے کچھ نمونے بیان کیئے گیئے ہیں: ''مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیۡلَۃٍ وَّلَا حَامٍ '' اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔

وضاحت:۔ ''بَحِیۡرَہ'' اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو پانچ مرتبہ بچے جن چکی ہو اور چھٹی بار بچہ نہ ہوا ہو اس کا کان چیر کر نشان لگاتے تھے پھر اس سے کوئی کام نہ لیا جاتا تھا اور نہ اسے ذبح کیا جاتا تھا ''سَائِبَہ'' اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو کسی کافر کی با سلامت واپسی یا بیمار کی شفایابی کے لیئے منت مانی جاتی تھی اور کہتے تھے کہ اگر مسافر سلامتی سے واپس آ گیا یا بیمار تندرست ہو گیا تو میں اپنی ناقہ کو ''سَائِبَہ'' بنادوں گا۔ جب اونٹنی سائبہ بن جاتی تو اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ ''وَصِیۡلَہ'' بکری کا پہلا بچہ اگر مادہ ہوتا تو اپنے لیئے رکھ لیتے تھے اگر نر ہوتا تو اپنے خداؤں کے نام پر اسے ذبح کر دیتے تھے اور اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا نام ''وَصِیۡلَہ'' ہوتا تھا۔

''حَامٍ'' جب کسی اونٹ کا پوتا سواری کے قابل ہو جاتا تو بوڑھے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس اونٹ کو ''حَامٍ'' کہا جاتا تھا (اضافہ از مترجم)

زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنی کھیتی کا کچھ حصہ اپنے خداؤں اور بت کدوں کے لیئے مقرر کر دیتے تھے اور اپنے لیئے اسے حرام سمجھتے تھے اسی طرح سے ایک عجیب و غریب رواج یہ بھی تھا کہ اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے پیٹ میں سے بچہ برآمد ہوتا تو اس بچے کو ذبح کرتے اور وہ مردوں کے لیئے حلال ہوتا تھا اور عورتوں کے لیئے حرام ہوتا تھا۔ جیسا کہ قران مجید میں بیان کیا گیا ہے: ''وَقَالُوۡا مَا فِیۡ بُطُوۡنِ ھٰذِہِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزۡوَاجِنَا'' (انعام/۱۳۹) قرآن حکیم نے مشرکین کی ان رسومات کو خدا پر افتراء قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا ساختہ پرداختہ ہے۔

پیام

۱۔ خوردنی اشیاء کے لیئے کلی اصول یہ ہے کہ ہر چیز حلال ہے جب تک اس کی حرمت وحی کے ذریعہ سے ثابت نہ ہو۔ (مَّآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ)

۲۔ رزق خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے (اَنۡزَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ)

۳۔ احکام شریعت میں شارع سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے لہٰذا خدا کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار نہیں دینا چاہیئے۔ (فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا)

۴۔ قانون اور شریعت سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ (آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمۡ)

۵۔ جنہیں خدا نے ''ولایت تشریعی'' کا حق دیا ہے وہ اذن الٰہی سے چیزوں کو حلال اور حرام کر سکتے ہیں۔ (آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمۡ)

۶۔بدعت پر مبنی قانون بنا کر اسے خدا سے منسوب کرنا جرم ہے۔(جَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ،عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ)
۷۔قرآن کریم ان تمام غلط رسومات وعادات کو قابل مذمت قرار دیتا ہے۔جن کی تائید وحی الٰہی سے نہ ہوئی ہو۔(عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ)

آیت نمبر 60

وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡـكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۞

ترجمہ:وہ لوگ جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت (کی جزا سزا) کے متعلق کیا گمان رکھتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت شکر گزار نہیں ہے۔

نکات

☆ایک شخص کو خدا نے کافی دنیاوی مال دیا تھا لیکن وہ اتنا کنجوس تھا کہ اس کے کپڑے صاف نہیں ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ ژولیدہ مُو بن کر پھرا کرتا تھا آنحضرتؐ نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ شخص اپنا خیال کیوں نہیں رکھتا پھر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ خدا کی نعمت کو ظاہر کر اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بندہ پر اس کی نعمات کے آثار نظر آنے چاہئیں" فان اللہ یحب ان یری اثرہ علی عبدہ حسنا"

پیام

۱۔خدا پر جھوٹ باندھنا بدترین جرم ہے اور خدا نے اس کے لیئے سزا مقرر کر رکھی ہے۔خدا کی طرف سے مہلت پا کر انسان کو مغرور نہیں ہونا چاہیئے اور قیامت کی شرمندگی اور سزا سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔(مَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ)
۲۔خدائی نعمات کو حرام قرار دینا دنیاوی محرومیت اور آخرت کی سزا کا سبب ہے۔(مَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ۔۔۔يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ)
۳۔نعمات الٰہی سے استفادہ کرتے وقت انسان کو اعتدال میں رہنا چاہیئے۔نعمات حاصل کر کے شہوات ولذات میں کھو جانا چاہیئے۔اور رزق حلال سے اپنے آپ کو محروم بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔(اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ)
۴۔نعمات خدا کا فضل ہیں۔ہمارا استحقاق نہیں ہیں لہٰذا ہمیں شکر گزار ہونا چاہیئے۔(اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ۔۔۔لَا يَشۡكُرُوۡنَ)
۵۔خدا کی حلال کردہ اشیا کو حرام قرار دینا شکری کا اظہار ہے۔

آیت نمبر 61

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

ترجمہ: اور آپ جس حال میں ہوتے ہیں اور قرآن کے جس بھی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہوں اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں اور تیرے پروردگار سے زمین و آسمان کی ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی یا کوئی بڑی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور ہر چیز روشن کتاب میں موجود ہے۔

نکات

☆''کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ''یعنی لوح محفوظ۔خدا کا وسیع علم تمام موجودات عالم کو محیط ہے انسان کے اعمال پر خدا کی نظر ہے اور زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز خدا کے احاطہِ علم میں ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب بھی اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرتے تو آپ بے حد گریہ کیا کرتے تھے۔(تفسیر مجمع البیان)

پیام

۱۔رسول اکرمؐ رہبر و رہنما تھے اسی لیئے ان کے ہر کام کی بڑی اہمیت ہے۔(مَا تَكُوْنُ فِيْ شَأْنٍ)

۲۔صرف عام مخلوقات پر ہی نہیں رسول خداؐ پر بھی خدا کی نظر ہے۔(وَمَا تَكُوْنُ ۔۔۔۔اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا)

۳۔اللہ انسان کے افکار(شَأْنٍ) اس کی گفتار (تَتْلُوْا) اور اس کے کردار کا شاہد ہے ۔(لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا)

۴۔تلاوت قرآن کے وقت خصوصی احتیاط کرنی چاہیئے کہ قرآن غلط نہ پڑھا جائے اور تلاوت قرآن کے لیئے اللہ خصوصی گواہ ہوتا ہے(مَا تَتْلُوْا ۔۔۔۔اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا)

۵۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین چیزوں کے متعلق اپنی گواہی کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔پیغمبر اکرمؐ کے تمام کام۔ ۲۔لوگوں کے تمام کام۔ ۳۔تلاوت قرآن۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن کا بہت بڑا مقام ہے جسے پیغمبر اور تمام انسانوں کے کاموں کے برابر بیان کیا گیا ہے۔

۶۔پوری کائنات خدا کے حضور موجود ہے اور خدا ہمارے اعمال کا شاہد ہے اب خدا کی طرف سے انسان کو جو مہلت ملتی ہے وہ خدا کی

غفلت اور عدمِ احاطہ کی دلیل نہیں ہے۔(كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا)

۷۔اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے اعمال کے گواہ ہیں۔(كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا)

۸۔جب انسان خدا کے حضور توجہ کرے گا تو اسے اس کی نافرمانی سے شرم وحیا محسوس ہوگی۔(شُهُوْدًا)

۹۔زمین وآسمان، دور ونزدیک، چھوٹے بڑے کے لیئے خدا کا علم یکساں ہے۔(مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ ، فِي الْاَرْضِ ، فِي السَّمَآءِ ، اَصْغَرَ، اَكْبَرَ)

آیت نمبر 62-63

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: آگاہ رہو کہ اللہ کے اولیاء پر کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کا شیوہ پرہیزگاری ہے۔

نکات

☆ان آیات میں اولیائے الٰہی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اولیاء کا شعار یہ ہے:"اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا ..." (دہر/۱۰) ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور خوف خدا سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ کا ثمر یہ ہے۔"لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ" (انبیاء/۱۰۳) انہیں بڑی سے بڑی پریشانی بھی غمگین نہیں کرے گی۔ اولیائے الٰہی سے خدا نے خوف کو دور رکھا ہے۔ وہ دنیا میں بھی بے خوف ہوں گے اور آخرت میں بھی بے خوف ہوں گے (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ)

☆رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اولیاء اللہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

۱۔ان کی خاموشی ذکر ہوتی ہے۔ ۲۔ان کی نگاہ عبرت ہوتی ہے۔ ۳۔ان کی گفتگو حکمت ہوتی ہے۔ ۴۔ان کا عمل معاشرے کے لیئے باعث برکت ہوتا ہے۔(تفسیر صافی)

☆حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے اولیاء کو انسانوں میں مخفی رکھا ہے۔لہٰذا کسی مسلمان کی تحقیر نہ کرنا ممکن ہے کہ وہ ولی ہو اور تمہیں اس کا علم نہ ہو۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔جو خدا کا ولی ہوتا ہے خدا بھی اس کا ولی ہوتا ہے۔(اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ)

۲۔اللہ سے ڈرنے والا اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔(لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ)

۳۔اولیاء اللہ کا مستقبل روشن ہوتا ہے اور انہیں خوف وخطر نہیں ہوتا۔(اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ)

۴۔اولیاء کی خصلت ایمان اور تقویٰ ہوتی ہے۔(اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ)

۵۔ایمان اور دائمی تقویٰ سے پریشانیوں سے نجات ملتی ہے اور اس کی بدولت انسان مقام ولایت پر قدم رکھتا ہے۔(اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ۔۔۔۔اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ)

آیت نمبر 64

لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ؕ﴿۶۴﴾

ترجمہ:ان(اولیاءاللہ) کے لیئے دنیاوی زندگی اور آخرت میں بشارت ہے خدا کے کلام میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔یہی عظیم کامیابی ہے۔

نکات

☆اہل ایمان وتقویٰ کو حسب ذیل ذرائع سے خوش خبری نصیب ہوتی ہے۔ ۱۔انہیں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ ۲۔خدائی الہامات سے ان کی راہنمائی ہوتی ہے۔ ۳۔خدا کی طرف سے ان پر تسکین وآرام نازل ہوتا ہے۔ ۴۔ان کے خلاف ہونے والی سازشوں کو خدا ناکام کردیتا ہے۔ ۵۔ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ۶۔موت کے وقت معصومینؑ کا دیدار ہوتا ہے۔ ۷۔آخرت میں انہیں الٰہی نعمات حاصل ہوں گی۔

☆حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو دنیا میں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں اور ان میں سے اسے خوش خبری دی جاتی ہے۔اور موت کے وقت اسے اُخروی بشارت دی جاتی ہے کہ تیرے بھی گناہ معاف کردیئے گئے اور جو تیرا جنازہ اٹھا کر قبر کی طرف لے جارہے ہیں ان کے بھی گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔(تفسیر نور الثقلین)

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:موت کے وقت محمد وعلی علیہما السلام مومن کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ تمہارا مستقبل تمہارے ماضی سے بہتر ہے۔اور تیری روح رضائے پروردگار سے الحاق کرنے والی ہے۔(تفسیر نور الثقلین)

☆اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو دنیا کی زندگی میں بہت سی بشارتیں دی ہیں جو کہ قرآن کریم کی مختلف آیات میں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔اولیائے الٰہی کو اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔"اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ"(الرعد/۲۸)آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ ۲۔صاحبان ایمان توکل سے مالامال ہوتے ہیں۔"فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ"(آل عمران/۱۲۲)مومنین کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ ۳۔خدا کی طرف سے انہیں غیبی امداد حاصل ہوتی ہے(وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا)(احزاب/۹)خدا نے تمہاری مدد کے لیئے ایسے لشکر نازل کیئے جو تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔ ۴۔اہل ایمان ہمیشہ

بھلائی کے امیدوار رہتے ہیں۔ ''اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ'' (توبہ/۵۲) دو میں سے ایک بھلائی۔ ۵۔اہل ایمان دانش اور نور کے حامل ہوتے ہیں۔ ''یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا'' (انفال/۲۹) تمہارے لیئے امر فارق پیدا کرے گا۔ ۶۔اہل ایمان بند گلی میں محصور نہیں ہوتے ان کی نجات کے لیئے خدا کوئی نہ کوئی راستہ کھول دیتا ہے ''یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا'' (طلاق/۲) اللہ اس کے لیئے تنگی سے نکلنے کا راستہ مقرر کرے گا۔ ۷۔ان کے اعمال بے ثمر نہیں ہوں گے ''فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ'' (زلزال/۷) جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ ۸۔اہل ایمان ملامت گروں کی ملامت سے نہیں گھبراتے۔ ''وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ'' (مائدہ/۵۴) وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ ۹۔وہ دشمنوں کے اژدحام سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ ''اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا'' (آل عمران/۱۷۳) (جب انہیں کہا گیا کہ) لوگ تمہارے خلاف جمع ہو چکے ہیں ان سے ڈرو تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ ۱۰۔وہ کسی طاغوت زمانہ سے نہیں گھبراتے۔ ''فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ'' (طہٰ/۷۲) جو کچھ تو نے فیصلہ کرنا ہے کر دے۔ ۱۱۔وہ حیرت و سرگردانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ ''یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ'' (یونس/۹) ان کا پروردگار ان کے ایمان کے ذریعہ سے انہیں رہنمائی کرتا ہے۔ ۱۲۔خدا لوگوں کے دلوں میں ان کے لیئے محبت پیدا کر دیتا ہے۔ ''سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا'' (مریم/۹۶) رحمان ان کے لیئے محبت پیدا کر دے گا۔ ۱۳۔اہل ایمان کو خدا کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے فانی کارناموں کو رنگ الٰہی کے ساتھ جاویداں بنا دیتے ہیں ''صِبۡغَۃَ اللّٰہِ'' (البقرہ/۱۳۸) یہ اللہ کا رنگ ہے۔

پیام

۱۔اولیائے الٰہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ دنیا بھی رکھتے ہیں اور آخرت بھی رکھتے ہیں۔ (لۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا۔۔۔وَ الۡاٰخِرَۃِ)

۲۔خدائی وعدے حتمی اور قطعی ہیں۔ (لَہُمُ الۡبُشۡرٰی۔۔۔۔لَا تَبۡدِیۡلَ۔۔۔۔)

۳۔عظیم کامیابی اہل ایمان و تقویٰ کا مقدر ہے۔ (اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ۔۔۔الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ)

آیت نمبر 65

وَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ؕ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: مخالفین کی عادتیں آپ کو غمگین نہ کریں۔ کیونکہ تمام عزت اللہ کے لیئے ہے وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

نکات

☆ کفار رسول اکرمؐ کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔ وہ آپ کو کاہن، ساحر، شاعر اور مجنون کہتے تھے اور کبھی کبھار وہ یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے یہ بھی ہماری طرح سے ایک عام انسان ہیں (اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا)

(ابراہیم/۱۰) تم لوگ ہم جیسے انسان ہو۔ کبھی وہ کہتے کہ ایک گروہ اس کو باتیں بنا بنا کر دیتا ہے جسے یہ وحی کے عنوان سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ (وَاَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ) (فرقان/۴) کچھ اور لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ کبھی کہتے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن کی طرح سے باتیں پیش کر سکتے ہیں۔ (لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَاۤ) (انفال/۳۱) اگر ہم چاہیں تو ایسی باتیں خود بھی کہہ سکتے ہیں۔ کبھی وہ کہتے تھے کہ قرآن سابقہ اقوام کی داستان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ (قَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ) (نحل/۲۴) کفار آنحضرتؐ کے پیروکاروں کے متعلق کہتے تھے کہ وہ ذلیل اور گھٹیا لوگ ہیں (وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا) (ہود/۲۷) ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیرے پیروکار انتہائی فرومایہ لوگ ہیں۔ جب کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ کفار کی تمام تر تحقیر کے باوجود پیغمبرؐ اور اہل ایمان محترم و معزز ہوں۔

☆ عزت کا مطلب نفوذ ناپذیر ہونا ہے۔ چنانچہ اللہ صاحب عزت ہے اور رسولؐ اور اہل ایمان صاحبانِ عزت ہیں۔ (وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ) (منافقون/۸) عزت اللہ، اس کے رسولؐ اور اہل ایمان کے لیئے ہے۔ اسی طرح سے کتاب دین بھی محترم ہے "و انہ لکتاب عزیز" (فصلت/۴۱) بے شک وہ عزت والی کتاب ہے۔

پیام

۱۔ دشمن کے پروپیگنڈے کا مقصد دین اور امت اسلامی کی تحقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو تسلی دی ہے کہ کفار کا یہ مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔ (لَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ)

۲۔ مومن کو کفار کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیئے۔ (لَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ)

۳۔ اللہ اپنے دوستوں کا پشت پناہ ہے اور اس نے دین اور انبیاء کی کامیابی کی ضمانت دی ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔ "كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ" (مجادلہ/۲۱) اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ بے شک اللہ قوت اور عزت والا ہے۔ (لَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ)

۴۔ عزت خدا کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے کہنے سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ)

آیت نمبر 66

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: آگاہ رہو کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے وہ سب کے سب خدا کی ملکیت ہیں اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر اپنے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ دراصل خود ان کی بھی پیروی نہیں کرتے وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں وہ صرف اندازوں سے کام لیتے ہیں۔

نکات

☆اس آیت مجیدہ کے الفاظ کے متعلق ایک امکان یہ ہے کہ ''وَمَا يَتَّبِعُ ''سوال ہو اور ''اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ ''اس کا جواب بھی ہو۔ اس صورت میں ترجمہ آیت یہ بنے گا کہ جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنے خیالی معبودوں کے پیچھے چل رہے ہیں یہ کسی کی پیروی کر رہے ہیں؟ اور اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنے گمانوں کے علاوہ اور کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حرف ''مَا'' ''مَنۡ'' پر عطف ہو۔ اور اس صورت میں یہ مفہوم ہوگا کہ مشرکین جنہیں خدا کا شریک سمجھتے ہیں وہ بھی خدا کے مملوک ہیں۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ کی علی الاطلاق مالکیت اس کی توحید اور عزت کامل دلیل ہے۔ (اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ... اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ)

۲۔ کائنات کا ہر ذرہ خدا کی ملکیت ہے آخر تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم مملوک کو مالک کا شریک بنا رہے ہو؟ ۔(لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ)

۳۔ آسمانوں میں ذوی العقول مخلوق رہتی ہے جیسا کہ لفظ ''مَنۡ'' سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے۔ یہ لفظ اس موجود پر استعمال ہوتا ہے جو صاحب شعور ہو۔

۴۔ مشرکین کے ہاں کوئی منطق اور علمی دلیل موجود نہیں ہے۔(اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ)

۵۔ مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی بجائے اپنے خیالات واوہام کی پیروی کرتے ہیں جب کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔(اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ)

آیت نمبر 67

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیئے رات بنائی ہے تا کہ تم اس میں آرام کر سکو اور دن کو روشنی بخش بنایا (تاکہ تم کام کاج کرو) یقیناً اس (حکیمانہ نظام وتدبیر) میں اس گروہ کے لیئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں خدا کی مالکیت کو بیان کیا گیا اور اس آیت میں نظامِ ہستی میں اس کی حکیمانہ تدبیر کو واضح کیا گیا ہے۔

☆ روح کی تسکین کے لیئے تلاوت، نماز شب، تسبیح، قنوت، سجود اور شب زندہ داری کی سفارش کی گئی ہے۔

پیام

ا۔ روز وشب کی پیدائش گہری تدبیر کے تحت انسان کے اہداف کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ روز وشب کی آمد ورفت میں بڑی حکمت مضمر ہے۔ (جَعَلَ ..... لِتَسۡكُنُوۡا)

۲۔ رات آرام کے لیئے ہے خواہ وہ جسمانی ہو یا روحانی ہو۔ (لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ)

آیت نمبر 68

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: انہوں (مشرکین) نے کہا ہے کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے۔ وہ منزہ ہے وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس گفتگو کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کیا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟

نکات

☆ ''اِتِّخَاذِ وَلَد'' کا معنیٰ ہے کہ کسی کو کوئی شخص اپنا بیٹا بنالے جب کہ وہ حقیقی طور پر اس کا بیٹا نہ ہو۔ مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ یہودی حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو خریدا اور انہیں اپنے گھر لے گیا تو اس نے اپنی بیوی سے یہ کہا تھا'' نَتَّخِذُهٗ وَلَدًا'' ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے۔ (یوسف/۲۱) اسی طرح سے جب حضرت موسیٰ فرعون کی زوجہ حضرت آسیہ کے ہاتھ لگے تو انہوں نے اپنے خاوند سے یہ کہا تھا: ''لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰۤى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا'' (قصص/۹) اسے قتل نہ کرو ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ دے جائے یا یہ کہ ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔

پیام

ا۔ اللہ تنہائی سے وحشت محسوس نہیں کرتا کہ اسے مانوس ہونے کے لیئے بیٹے کی ضرورت پڑے۔ اسے اپنی ملکیت کے لیئے وارث کی ضرورت نہیں ہے کہ اسے فرزند کی احتیاج محسوس ہو۔ اسی طرح سے وہ نہ تو مددگار اور معاون کا محتاج ہے اور نہ ہی اسے بقائے نوع کی ضرورت ہے۔ اسی لیئے اسے یہ ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ (سُبۡحٰنَهٗ هُوَ الۡغَنِىُّ)

۲۔ دینی عقائد کے لیئے دلیل و برہان کا ہونا ضروری ہے۔ (اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ)

۳۔ بے دلیل اور بے علم بات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ (اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ..... مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 69-70

قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے یہ دنیا کی عیش ہے پھر انہیں لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔

نکات

☆ ''مَتَاعٌ اور مُتۡعَہ'' تھوڑے عرصہ کی عیش کو کہا جاتا ہے۔ دنیاوی زندگی بہت کم ہے۔ اس کے فوائد وثمرات اور بھی کم ہیں اسی لیئے قرآن کریم میں دنیاوی فوائد کو لفظ ''مَتَاعٌ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆ سوال۔ اگر افترا پرداز افراد کو کامیابی نصیب نہ ہوگی تو ایسے افراد کو ہم مادی زندگی میں عیش وآرام میں کیوں دیکھتے ہیں؟

جواب۔ یہ عیش وآرام وقتی ہے (مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا) جب کہ ان کا انجام دوزخ کا عذاب ہے۔ لہٰذا چندروزہ عیش وآرام بھی ان کی کامیابی کی دلیل نہیں ہے۔

پیام

۱۔ وہ لوگ جو شفاعت کی لالچ میں کسی انسان کو خدا کا فرزند سمجھتے ہیں ایسے لوگ اپنے ہدف کو حاصل نہیں کرسکیں گے۔ (قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ... لَا یُفۡلِحُوۡنَ)

۲۔ جھوٹے انسان کے مقدر میں کامیابی نہیں ہوتی۔ (الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ ... لَا یُفۡلِحُوۡنَ)

۳۔ وقتی کامیابی کے نتیجہ میں اگر ابدی عذاب حاصل ہو تو ایسی کامیابی کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ (مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا، نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ)

۴۔ دنیاوی لذات چندروزہ ہیں۔ (مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا)

۵۔ قیامت کی یاد انسان کو انحراف اور گناہوں سے بچانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ (اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ)

۶۔ بدعات، تحریفات، تفسیر بالرائے اور خدا کے لیئے فرزند کا عقیدہ کفر میں شامل ہے۔ (بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ)

آیت نمبر 71

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾

ترجمہ: اور آپ انہیں نوح کا واقعہ سنائیں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور آیات الٰہی کے ذریعہ سے نصیحت کرنا تمہارے لیئے ناقابل برداشت ہو چکا ہے تو میں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ (مجھے کسی چیز کا خوف نہیں ہے) پس تم اور تمہارے شریک اپنی فکر کو جمع کر لو تا کہ تم نے جس بھی سلوک کا فیصلہ کرنا ہے کر لو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

نکات

☆اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی استقامت اور دشمن کی دھمکیوں کے مقابلہ میں خدا کی غیبی امداد پر ان کے یقین کو بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ دشمنوں کی دھمکیوں سے ذرہ بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے۔

☆روایات بیان کرتی ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں نماز ظہر سے پہلے لشکر یزید کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی۔

پیام

۱۔لوگوں کو اہم اور فائدہ مند تاریخی واقعات اور فلسفہ تاریخ سے آگاہ کرنا رہبر کی ذمہ داری ہے۔(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ)

۲۔انبیاء کا تعلق عوام سے تھا اور وہ اپنے مخالفین کے آخری لمحات تک بھی انہیں بھلائی کی دعوت دیتے رہے۔(لِقَوْمِهٖ)

۳۔جب دل ہی سیاہ ہو جائیں تو پھر انبیاء کی پند و نصیحت بھی ناگوار گزرنے لگتی ہے۔(كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ)

۴۔انبیاء کی استقامت اور مبارزہ طلبی کا اہم سبب یہ تھا کہ انہیں اپنے مقصد کی صداقت پر یقین تھا۔(اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ ....فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ)

۵۔انبیاء اپنے مخالفین کو مبارزہ کے لیئے طلب کرتے ہیں۔(اَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ)

۶۔انبیاء خدا پر توکل رکھتے تھے اور مخالفین کی قوت کو حقیر جانتے تھے اور اہل ایمان کو درسِ شجاعت دیتے تھے اور ہر طرح کی مخالف قوتوں کو بیکار سمجھتے تھے۔(اَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ.... ثُمَّ اقْضُوْٓا) واضح رہے کہ مکہ میں مسلمان اقلیت میں تھے مکہ کے ماحول میں رہ کر آنحضرت ﷺ نے ان آیات کو تلاوت کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شجاعت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے۔

۷۔صحیح تدبر، تمام قوتوں کو جمع کرنا اور حتمی فیصلہ پر ہی مبارزہ کا دارومدار ہے۔(اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً)

۸۔انبیاء شہادت سے خوف زدہ نہیں تھے۔(ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ)

آیت نمبر 72

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: اگرتم (دعوتِ الٰہی سے) پشت کرتے ہوتو میں نے تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کی ہے۔ میرا اجرتو بس اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں بردار ہو جاؤں۔

نکات

☆عام طور پر پریشانی یا جان کی وجہ سے ہوتی ہے یا مال کی وجہ سے ہوتی ہے سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے نبی نوح کو کافروں کی سازشوں کی کوئی پرواہ نہ تھی جب کہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح کو ان کی دولت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

پیام

۱۔لوگ انبیاء کے پیغام کو قبول کریں یا نہ کریں انبیاء کی دعوت پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ''مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ''

۲۔کامیاب مبلّغ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی دولت پر نظر نہ رکھتا ہو۔اور تبلیغ اسلام کے لیئے اجرت کا طلبگار نہ ہو۔(مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ)

۳۔انبیاء اپنی تبلیغ کے عوض لوگوں سے نہ تو دولت کا سوال کرتے ہیں اور نہ ہی ذاتی خدمت چاہتے ہیں۔(مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ)

۴۔اگر تمام لوگ بھی دین سے منحرف ہو جائیں تو اس سے رہبر الٰہی کی تبلیغ میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ دین الٰہی کے سامنے سراپا تسلیم ہوتا ہے۔(فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ,اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)

۵۔جسے اُخروی جزا کا یقین ہوتا ہے۔تو وہ دنیاوی اجرت سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔(اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ)

۶۔تمام انبیاء خدا کے حضور سراپا تسلیم تھے۔(مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)

۷۔وچاہتا ہو کہ لوگوں کو خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی تبلیغ کرے تو چاہیئے کہ سب سے پہلے وہ خود وادی تسلیم میں قدم رکھے۔(اُمِرْتُ ....مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)

۸۔اگر عصر حاضر کے لوگ حق سے اعتراض کریں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔تاریخ میں سراپا تسلیم افراد دکھائی دیتے ہیں تم ان سے الحاق پیدا کرو۔(مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)

آیت نمبر 73

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: انہوں (افراد قوم) نے نوح کی تکذیب کی تو اس وقت ہم نے اسے اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے انہیں نجات دی اور ہم نے انہیں (زمین میں) جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ہم نے انہیں غرق کیا۔ پس دیکھو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟

نکات

☆حضرت نوحؑ پر اسی انسان ایمان لائے تھے جب کہ باقی تمام لوگ کافر تھے۔ اللہ کی امداد ان کے شامل حال ہوئی کافر برباد ہوئے اور اہل ایمان زمین کے وارث قرار پائے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆اس آیت میں اہل ایمان کے نیک انجام اور دعوت انبیاء کے منکریں کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پیام

۱۔صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں ہے رہبران دین کی مدد اور ان کی معیّت بھی ضروری ہے اور یہی چیز ذریعہ نجات ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے ''مَنْ مَّعَهٗ'' کی بجائے ''اٰمَنُوْا بِهٖ'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔

۲۔ایمان و استقامت کا نتیجہ نجات اور حکومت ہے۔(نَجَّيْنٰهُ ,جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ)

۳۔آخری کامیابی اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جبکہ کفار و مشرکین کے مقدر میں رسوائی آتی ہے۔(نَجَّيْنٰهُ, اَغْرَقْنَا)

۴۔خدا کی روش یہ ہے کہ وہ ابتداء میں کافروں کو ڈھیل دیتا ہے پھر نافرمان لوگوں پر اپنا قہر و غضب نازل کرتا ہے۔(اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا)

۵۔کفر اور غلط راستوں پر چلنے کا انجام ہلاکت ہے۔(اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا)

۶۔خدا کی طرف سے پہلے حجت تمام کی جاتی ہے اور نصیحت کی جاتی ہے اگر لوگ پھر بھی باز نہ آئیں تو عذاب نازل ہوتا ہے۔ (اَغْرَقْنَا...عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ)

۷۔فائدہ مند تاریخ وہ ہے جو حق کے طرفداروں کے حوصلوں کو بلند کرے اور باطل کے پیروکاروں کو ان کے انجام سے باخبر کرے۔(اُنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ)

۸۔کسی بھی تحریک کی جہت متعین کرنے کے لیئے تاریخ کی پہچان اور اقوام و ملل کی بربادی کے اسباب کا جاننا ضروری ہے۔ (فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ)

آیت نمبر 74

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس معجزات اور واضح دلائل لے کر گئے مگر وہ لوگ جس کی پہلے تکذیب کر چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے ہم اس طرح سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔

پیام

۱۔انبیاء کو مسلسل بھیجنا سنت الٰہی ہے (بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا) (اللہ نے حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کے درمیانی زمانے میں کئی انبیاء بھیجے تھے)

۲۔تمام انبیاء معجزے لے کر آئے تھے۔(فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ)

۳۔تمام انبیاء کے کچھ نہ کچھ مخالف ضرور تھے۔(فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا)

۴۔انسان آزاد اور ضدی ہے۔معجزات دیکھنے کے بعد اور قہر الٰہی سننے کے بعد بھی نافرمانی کرتا ہے۔(فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا)

۵۔استکبار اور زیادتی ایسے جرائم ہیں جن کی وجہ سے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔(نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ)

۶۔جو لوگ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں تو وہ حد سے آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔(كَذَّبُوْا ۔۔۔۔الْمُعْتَدِيْنَ)

آیت نمبر 75

بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴿۷۵﴾

ترجمہ: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنے معجزات اور دلائل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

نکات

☆''مَلَاۡ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے چہرے تر و تازہ ہوں اور آنکھ کو لبھانے والے ہوں اس سے مراد فرعون کے محل نشین ساتھی اور درباری ہیں انہیں فرعون کے مقربین کا درجہ حاصل تھا فرعون نے معاشرے کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا قبطی محل نشین تھے اور ایک گروہ آقاؤں کا تھا اور دوسرا گروہ غلاموں کا تھا۔''وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ''(قصص/۴)

فرعون نے زمین کے باسیوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا ان میں سے ایک گروہ کو اس نے بے بس کر دیا تھا۔

☆فرعون نے تین بدترین جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ ا۔اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا اور کہا تھا" اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" (نازعات ۲۴) ۲۔اس نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کرایا تھا۔ ۳۔اس نے بنی اسرائیل کی لڑکیوں کو کنیزی کے لیئے زندہ رکھا تھا۔(سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ)(اعراف ۱۲۴)ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے۔

پیام

ا۔انبیاء کا پہلا فریضہ طاغوت سے جہاد ہے کیونکہ فساد کی جڑ سے جہاد کرنا اس کے معمول کے جہاد کرنے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔(فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ)

۲۔جہاں معاشرے کی تشکیل قوم قبیلوں پر تھی تو انبیاء اقوام کی طرف جاتے تھے اور جہاں معاشرہ کسی نظام کی بنیاد پر قائم تھا وہاں پر ان کے بنیادی عناصر کی طرف جاتے تھے۔(اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ)

۳۔طاغوت کی طاقت کا سرچشمہ ان کے ساتھی اور مقربین ہوتے ہیں اگر ان کے ساتھی ان کا ساتھ نہ دیں تو وہ اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔(مَلَا۟ئِهٖ)

۴۔انبیاء معجزات لے کر گئے تھے۔(بَعَثۡنَا ۔۔۔ بِاٰيٰتِنَا)

۵۔ہر زمانہ کے فرعون اور طاغوت نے انبیاء کا مقابلہ کیا تھا۔(بَعَثۡنَا ۔۔۔ اسۡتَكۡبَرُوۡا)

۶۔جرائم کے رسیا افراد آسانی سے انبیاء کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔(كَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ)

آیت نمبر 76

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ‏ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: پس ہماری طرف سے ان کے پاس حق پہنچا تو انہوں نے کہا یہ تو ایک کھلم کھلا جادو ہے۔

پیام

ا۔لوگ حق کی تلاش میں نہیں نکلتے حق کے پیروکاروں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے پاس جائیں۔(جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ)

۲۔ذات خداوندی حق ہے انبیاء حق ہیں قانون الٰہی حق ہے معجزہ حق ہے الغرض ہر وہ چیز حق ہے جو خدا کی طرف منسوب ہو۔(جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ)

۳۔انبیاء کا خدا سے براہ راست رابطہ ہوتا ہے۔چنانچہ ان کے تمام معجزات اور ان کے امور نبوت کا تعلق براہ راست ذات خداوندی سے ہوتا ہے۔(مِنۡ عِنۡدِنَا)

۴۔ مبلّغ اور رہبر کو معلوم ہونا چاہیے کہ معاشرے کا ایک موٴثر طبقہ اس کی مخالفت کرے گا۔(قَالُوۡۤا ...)
۵۔انبیاء کے خلاف جادوگری کی تہمت انتہائی آسان، سادہ اور لوگوں کے دلوں کو لبھانے والی ہے۔(سِحۡرٌ)
۶۔تہمت کا سرچشمہ انسان کی سرکش حالت ہے۔(كَانُوۡا ... مُّجۡرِمِيۡنَ ... اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ)

آیت نمبر 77

قَالَ مُوۡسٰۤى اَتَقُوۡلُوۡنَ لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡ‌ ؕ اَسِحۡرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ‏ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: موسیٰ نے (ان سے) کہا کہ کیا بات ہوئی کہ جب حق تمہارے پاس آیا تو کہنے لگے کہ کیا یہ جادو ہے؟ جب کہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔

نکات

☆عام طور پر جادوگری گھٹیا لوگوں کا پیشہ ہوتی ہے اور جادوگر کا مقصد صرف نام اور روٹی کمانا ہوتا ہے۔ انبیاء کے مخالفین ان کی تحقیر کی غرض سے ان پر یہ الزام لگاتے تھے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلامی فقہ میں جادو کو حرام کہا گیا ہے چنانچہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے جادوگری اور اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی رقم کو حرام کہا ہے جادوگری کی طرح سے شعبدہ بازی بھی حرام ہے۔ اس میں انسان ہاتھ کی صفائی کے ساتھ غیر واقع اشیاء لوگوں کو دکھاتا ہے (تحریر الوسلیہ جلد اول/۴۹۸)

پیام

۱۔حضرت موسیٰ نے اپنی کامیابی اور تہمت تراشنے والوں کی شکست کی خبر دی تھی۔(قَالَ مُوۡسٰۤى ....)
۲۔دشمنوں کا پرانا وطیرہ ہے کہ وہ حق کو جادو اور انبیاء کو جادوگر کہتے ہیں۔(اَتَقُوۡلُوۡنَ لِلۡحَقِّ .... سِحۡرٌ هٰذَا)
۳۔جادوگر کا مقصد لوگوں کو جہالت میں مبتلا کرنا اور شہرت طلبی ہوتا ہے۔لہٰذا وہ معاشرے کی صلاح وفلاح کا کام نہیں کر سکتا۔(لَا يُفۡلِحُ)

آیت نمبر 78

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوۡنَ لَـكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِؕ وَمَا نَحۡنُ لَـكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیئے آیا ہے کہ ہم اس راستے کو چھوڑ دیں جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے اور یوں زمین پر تم دونوں کی حکومت قائم ہو جائے ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

نکات

☆ بزرگوں کا احترام اور والدین سے بھلائی اور چیز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بزرگوں کی تہذیب وثقافت کو ہم کسی منطق ودلیل کے بغیر تسلیم کرلیں اور اس کے لیئے ناحق حسّاسیت کا اظہار کریں۔

پیام

۱۔ ثقافتی انقلاب اور فکری وذہنی تبدیلی کا ہمیشہ ردعمل سامنے آیا کرتا ہے۔(لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا)

۲۔ بزرگوں کا کردار نسل کو بڑا عزیز ہوتا ہے۔(وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا)

۳۔ فرعونی حکومت ان کے بزرگوں کے غلط افکار کی اساس پر قائم تھی۔(وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا)

۴۔ بعض اوقات بزرگوں کا احترام اور قدیم تہذیب کی حفاظت انبیاء کی تحریک کی مخالفت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔(اٰبَآءَنَا)

۵۔ دلیل ومنطق کے بغیر بزرگوں کی تقلید باطل ہے۔(وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا)

۶۔ ثقافتی میراث کے نام پر غلط کام کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔(وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا)

۷۔ اغوت اقتدار پسند ہوتے ہیں اور وہ اصلاح کرنے والے کی جدوجہد کو" حکومت طلبی" کی تحریک قرار دیتے ہیں۔(تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ)

۸۔ اصلاح پسندوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو ظالموں کی تہمتیں سننے کے لیئے تیار رکھیں۔(تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ)

آیت نمبر 79-80

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾
فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگر لے آؤ۔

ترجمہ: پھر جب جادوگر آگئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ تمہیں جو کچھ بھی ڈالنا ہے ڈالو۔

نکات

☆ فرعون چاہتا تھا کہ ماہر جادوگروں کی مدد سے موسیٰ علیہ السلام کی الٰہی تحریک کو غیر مؤثر بنا دیا جائے۔

☆ جادوگروں کے پاس طنابیں اور رسیاں تھیں وہ ان میں خاص مواد ملا کر دھوپ میں رکھتے تو ان میں حرکت پیدا ہو جاتی تھی

پیام

۱۔ طاغوت کا پرانا حربہ ہے کہ وہ شور شرابے اور پروپیگنڈے کے زور پر انبیاء کی تحریک کو روک دے۔(ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ)

۲۔ طاغوت ہر امکانی وسیلہ سے اپنے مخالفین کو کچلنا چاہتے ہیں۔(ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ)
۳۔ طاغوت کبھی کبھی ماہروں اور دانش مندوں کو خرید کر اپنا ہدف حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(جَآءَ السَّحَرَةُ)
۴۔ مقابلہ کی دعوت دینا انبیاء کی خاصیت ہے۔(اَلْقُوْا)
۵۔ انبیاء کو اپنی دعوت اور الٰہی مدد کا یقین ہوتا ہے اسی لیئے وہ دوٹوک بات کرتے ہیں۔(اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ)

آیت نمبر 81

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: جب جادوگر (اپنے جادو کا سامان) پھینک چکے تو موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ بھی لائے ہو یہ جادو ہے۔عنقریب خدا اسے باطل کردے گا۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو نہیں سدھارتا۔

پیام

ا۔ باطل میں بھی جوش ہوتا ہے لیکن وہ عارضی ہوتا ہے۔(سَيُبْطِلُهٗ)
۲۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی اصلاح کرتا ہے (وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ) (محمد/2) ان کی حالت کی اصلاح کرے گا جب کہ وہ مفسدین کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا۔(لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ)
۳۔ جادو فساد ہے اور جادوگر مفسد ہوتا ہے اسی لیئے اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔(عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ)

آیت نمبر 82

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اللہ حق کو اپنے کلمات (اپنی قدرت، روش اور وعدوں) سے ثابت کر دکھاتا ہے اگرچہ مجرمین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

نکات

☆ ایسے قوانین اور سنتوں کو جن سے ارادہ الٰہی تحقق پذیر ہو، قرآنی اصطلاح میں ''کلمہ'' کہا جاتا ہے اور جمع کی صورت میں کلمات کہا جاتا ہے۔

پیام

ا۔ حق کا اثبات اور اسے کامیابی دلانا خدا کی سنت اور اس کا وعدہ ہے۔(وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ)

۲۔اثبات حق کے لیئے وسائل اور ذرائع کی ضرورت ہے۔(بِكَلِمٰتِهٖ)
۳۔متکبر حق کو نیچا دکھانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں ان کی ہر کوشش ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔(وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ)

آیت نمبر 83

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴿۸۳﴾

ترجمہ:(آغاز میں)موسیٰ پر ان کی اپنی قوم کے چند افراد کے علاوہ اور کوئی ایمان نہ لایا۔ کیونکہ انہیں فرعون اور اپنے سرداروں کا خوف تھا کہ وہ انہیں کہیں مصیبت سے دوچار نہ کردے۔ بے شک فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور حد سے بڑھے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔

نکات

☆ قرآن کریم میں لفظ ایمان کا صلہ (امن بہ)،(امن معہ) ور (امن لہ) کے ساتھ دکھائی دیتا ہے چنانچہ کسی جگہ پر"امن بہ" ہے اور کسی جگہ پر"امن معہ"اور کہیں (امن لہ) ہے ان میں سے ہر لفظ کی اپنی اپنی خاصیت ہے چنانچہ (امن بہ) ایمان لانے کے معنی میں ہے۔

پیام

۱۔ایمان کے ساتھ جذبہ تسلیم واطاعت ہونا چاہیئے۔(اٰمَنَ لِمُوْسٰى)
۲۔فکری تبدیلی اور حق کو تسلیم کرنے کی نوجوانوں میں زیادہ صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ ان کا دل نسبتاً پاک ہوتا ہے اور مال مقام سے ابھی ان کا تعلق جڑا ہوا نہیں ہوتا۔(اٰمَنَ۔۔۔۔ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ)
۳۔صرف پیغمبر اکرمؐ کو ہی لوگوں کی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا دوسرے انبیاء کو بھی اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔(فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰى)
۴۔بعض اوقات بزرگ غلطی پر ہوتے ہیں اور جوان حق پر ہوتے ہیں۔(اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ)
۵۔جو جوان موسیٰ پر ایمان لائے تھے انہیں دوطرفہ خطرات درپیش تھے پہلا خوف فرعون کی طرف سے تھا اور دوسرا خوف خود اپنی ہی قوم کے بزدل اور ڈرپوک بزرگوں کا تھا کیونکہ قرآن کریم میں (مَلَا۟ئِهِمْ) کے الفاظ ہیں نہ کہ (مَلَا۟ئِهٖ) کے الفاظ ہیں
۶۔نظام کتنا ہی فاسد حتیٰ کہ فرعونی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی حق پرستوں کو ایمان لانے سے نہیں روک سکتا۔(اٰمَنَ۔۔۔عَلٰى خَوْفٍ)
۷۔ایمان اگر مضبوط ہو تو وہ نامناسب فضا، فاسد نظام، غلط تبلیغات اور دہشت کی فضا میں بھی کمزور نہیں ہوتا۔(اٰمَنَ۔۔۔عَلٰى خَوْفٍ)

۸۔فرعونی نظام میں گھٹن اور سختی پائی جاتی ہے۔(عَلٰی خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ)

۹۔اذیت دینے والا نظام فرعونی نظام ہوتا ہے۔(یَّفۡتِنَهُمۡ)

۱۰۔دوسروں پر برتری کی خواہش ہی ہر خرابی کی جڑ ہے۔(اِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِی الۡاَرۡضِ)

۱۱۔وہ نظام جو اسراف پر مبنی ہو وہ فرعونی نظام ہوتا ہے۔(لَمِنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ)

آیت نمبر 84

وَقَالَ مُوۡسٰی یٰقَوۡمِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَیۡهِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو اور اگر تم اس کے لیئے سراپا تسلیم ہو تو خدا پر توکل کرو۔

پیام

۱۔رہبر کو چاہیئے کہ امت کے حوصلے بلند کرے۔(وَقَالَ مُوۡسٰی یٰقَوۡمِ)

۲۔ایمان اور توکل کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔(اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَیۡهِ تَوَکَّلُوۡۤا)

۳۔رضائے الٰہی کے سامنے سراپا تسلیم ہونا ایمان سے بلند تر درجہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایمان سے خدا پر ایمان اور تسلیم سے اطاعتِ موسیٰ مراد ہو۔قرآن کریم میں ''اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ'' کے الفاظ پہلے ہیں اور ''اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ'' کے الفاظ بعد میں ہیں

۴۔توکل اور تسلیم ایسی خصلتیں ہیں کہ ان کے ذریعہ سے مشکلات کو آسان بنایا جاتا ہے۔(تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ)

آیت نمبر 85-86

فَقَالُوۡا عَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۵﴾

وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: انہیں (قوم موسیٰ کے اہل ایمان) نے کہا کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا (انہوں نے یہ دعا مانگی) اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کے لیئے آزمائش (کا ذریعہ) نہ بنانا۔

نکات

☆مذکورہ بالا آیات میں دو گروہوں ظالموں اور کافروں کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کی گئی ہے۔لہٰذا ممکن ہے کہ ''ظالمین'' سے خود بنی اسرائیل کے وہ افراد مراد ہوں جو فرعون کے خوشامدی بنے ہوئے تھے اور ''کافرین'' سے فرعون اور اس کے ہم قبیلہ درباری مراد ہوں۔ان آیات میں اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے دشمنوں سے نجات کی درخواست کی گئی ہے۔

☆ خدا پر توکل رکھنا انتہائی عمدہ صفت ہے۔ توکل رکھنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ) (آل عمران / ۱۹۵) بے شک اللہ توکل رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا (وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ) (طلاق / ۳) اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے تو اللہ اس کے لیئے کافی ہوتا ہے۔

پیام

۱۔ توکل پہلے ہے اور دعا بعد میں ہے۔ (تَوَکَّلْنَا، رَبَّنَا)

۲۔ ایمان، توکل اور دعا کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے شر سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ (تَوَکَّلْنَا، رَبَّنَا، نَجِّنَا)

۳۔ فرعون کے پیروکار بیک وقت مُسرف بھی تھے اور ظالم اور کافر بھی تھے اسراف ظلم کا پیش خیمہ بنتا ہے اور ظلم کفر کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ (الْمُسْرِفِیْنَ، الظّٰلِمِیْنَ، الْکٰفِرِیْنَ)

۴۔ سب سے پہلے دین وایمان کی سلامتی اس کے بعد ذاتی سلامتی کی دعا کرنی چاہیئے۔ (لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً، نَجِّنَا) اگر ستم پرور افراد کامیاب ہوگئے تو پھر ظلم وکفر کو رواج دیں گے اور اہل ایمان کی حقارت وتوہین کریں گے۔

آیت نمبر 87

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْہِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کو مصر میں رہائش دلاؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو بشارت دو۔ (کہ آخری کامیابی انہی کو حاصل ہوگی)

نکات

☆ ”قِبْلَہ“ روبرو اور مقابل چیز کو کہا جاتا ہے علاوہ ازیں جہت کعبہ کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ تمہارا گھر اسرائیلوں کے گھروں سے آگے اور روبقبلہ ہونا چاہیئے ممکن ہے کہ آیت کا یہ مفہوم ہو کہ جب تک فرعون کا اقتدار قائم ہے اور تم زیرِ عتاب ہو تو عبادت کے مراسم اپنے گھروں میں ادا کرو۔ حضرت رسول اکرمؐ نے بعثت کے ابتدائی تین سال تک ایسا ہی کیا تھا۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ ظلم وستم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مومنین کے لیئے سب سے بڑی بشارت یہ تھی کہ خدا نے ان کی دعا قبول کیا ہے اور وہ فرعون کے مظالم سے نجات حاصل کرنے والے ہیں۔

پیام

۱۔ انبیاء کے تمام افعال وحی الٰہی پر مبنی ہوتے تھے یہاں تک کہ اپنا مکان بھی وحی کی روشنی میں بناتے تھے۔ (اَوْحَیْنَآ۔۔ اَنْ تَبَوَّاٰ)

۲۔ مکان اور ٹھکانہ اللہ کی ایک نعمت ہے۔ (اَوْحَيْنَآ ۔۔۔ اَنْ تَبَوَّاٰ)
۳۔ دینی رہنماؤں کو چاہیئے کہ وہ مادی اور امت کے رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی توجہ کریں۔ (تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا)
۴۔ مومنین کا رہائشی علاقہ کفار سے جدا ہونا چاہیئے تاکہ اہل ایمان اپنے علاقہ میں عزت وشان سے رہ سکیں۔ (تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا)
۵۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد تک شہر سازی کی تاریخ یقینی ہے۔ (تَبَوَّاٰ ۔۔۔ بُيُوْتًا)
۶۔ اسلامی شہر سازی اور معماری کے لیئے مذہب کے اہداف کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور جہتِ قبلہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ (وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً)
۷۔ مکان تعمیر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں نماز پڑھنے کی سہولت موجود ہو۔ (وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً)
۸۔ دیندار افراد کے گھروں میں نماز خانہ ہونا چاہیئے۔ (بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً)
۹۔ مکانات ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو اس سے ہمسایوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور حفاظت کے نقطہ نظر سے بھی ایسے مکانات بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ (وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً)
۱۰۔ اپنے محلہ اور گھروں میں بیگانہ افراد کو رہائش کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ (اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً)
۱۱۔ انبیاء کے پروگرام میں نماز سرفہرست ہوتی ہے اور نماز سے نجات کی راہیں کھلتی ہیں۔ (اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ)

آیت نمبر 88

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور موسیٰ نے کہا۔ اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیاوی زندگی میں زینت بخشی ہے اور دولت عطا کی ہے اور یہ اس ذریعہ سے لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کیونکہ جب تک یہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں تب تک ایمان نہ لائیں گے۔

نکات

☆ دشمن کی تیل کی رسد کو کاٹنا اور اس کے تجارتی اور فوجی راستوں کا بند کرنا اور دشمن کے گوداموں کو تباہ کرنا ''ربنا اطمس علی اموالھم'' کا ایک مصداق ہے

پیام

۱۔دعا کے لیئے لفظ (رَبَّنَآ) انتہائی موثر ہے اس آیت میں اس لفظ کو تین مرتبہ دہرایا گیا ہے

۲۔ ہر شخص کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کا عطا کردہ ہے۔(اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ)

۳۔ مال و دولت خدا کی محبوبیت کی دلیل نہیں ہے۔(اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً)

۴۔کفر دنیاوی کامیابی میں رکاوٹ کا ذریعہ نہیں بنتا۔(اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ۔۔۔زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا)

۵۔متکبرین کی چکا چوند صرف دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔(فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا)

۶۔طاغوت خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔(لِيُضِلُّوۡا)

۷۔انبیاء اگر کسی کو بددعا دیتے ہیں تو ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں دیتے وہ دین وامت کی حفاظت کی غرض سے دشمنانِ دین کو بددعا دیتے ہیں۔(لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ)

۸۔نااہل لوگوں کے پاس دولت آجائے تو وہ ان کے انحراف اور غفلت میں اضافہ کرتی ہے اور اسی طرح سے کبھی شدید فقر بھی کفر میں بدل جاتا ہے(اَمۡوَالًا ۔۔۔لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ)

۹۔دعا کرتے وقت سیاسی کامیابی اور دشمن پر بددعا کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔(رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ۔۔۔۔)

۱۰۔جہاں معجزہ اور دلیل کا اثر مرتب نہ ہو تو پھر بددعا کی باری آتی ہے۔(رَبَّنَا اطۡمِسۡ)

۱۱۔سنگ دل لوگ جب تک عذاب الٰہی کو نہ دیکھ لیں تب تک حق کو ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ (فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ) بالفاظ دیگر ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے''

آیت نمبر 89

قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ○

ترجمہ:(خدانے)فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو چکی ہے تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں حضرت موسیٰ کی بددعا نقل کی گئی اور اس آیت میں موسیٰ وہارون کی بددعا کی قبولیت کا اعلان کیا گیا ہے روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے اور لفظ ''ربنا''اس کی دلیل ہے (تفسیر نور الثقلین)

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی بددعا اور فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا فاصلہ تھا (تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔انبیاء کی دعا قبول ہوتی ہے۔(قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا)

۲۔حضرت موسیٰ کی دعا کی قبولیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بددعا حقیقت پر مبنی تھی اور اس کے ساتھی ہلاک ہونے کے اہل تھے ۔(اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا)

۳۔قبولیت دعا کے بعد بھی استقامت ضروری ہے۔(فَاسۡتَقِیۡمَا)

۴۔خدا کے مقرر کردہ ہادیوں کو جاہلانہ افکار کے مدمقابل سخت رویہ اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ سستی جہالت کی علامت ہے ۔(فَاسۡتَقِیۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ)

۵۔اہل علم کی پیروی جائز ہے۔(وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 90

وَجٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَجُنُوۡدُهٗ بَغۡیًا وَّعَدۡوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ○

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کرایا تو فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم و زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہا کہ میں اس ذات پر ایمان لایا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہو گیا ہوں۔

نکات

☆اس آیت میں لفظ "بحر" سے دریائے نیل مراد ہے۔دریائے نیل پر حضرت موسیٰ نے حکم الٰہی سے عصا مارا تھا تو دریا کی روانی رک گئی حضرت اپنی قوم کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

☆موت کے وقت توبہ کرنے اور ایمان قبول کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے چنانچہ رب العزت کا فرمان ہے "وَلَیۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ" (النساء/18) اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آئے تو کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔

پیام

۱۔جب کبھی طاغوت سے مقابلہ ہو تو پھر خدا پر بھروسہ کرنا چاہیئے وہ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔(جٰوَزۡنَا)

۲۔نظام ہستی کے تمام امور خدا کے ارادہ سے سرانجام پاتے ہیں۔(جٰوَزۡنَا۔اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ)

۳۔انبیاء کی دعا بہرصورت قبول ہوتی ہے۔(اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ)

۴۔فرعون موسیٰ کو زمین سے ہٹا دینے کا خواہش مند تھا لیکن خود ہی تباہ ہو گیا "فَاَرَادَ اَنۡ يَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا" (بنی اسرائیل ر ۱۰۲)

فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

۵۔نزول عذاب کے وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔(اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ قَالَ اٰمَنۡتُ)

۶۔متکبرین کو ایک دن عاجزی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔(قَالَ اٰمَنۡتُ)

۷۔فرعون جیسا متکبر کافر بھی موت کے وقت مومن اور مسلمان بن جاتا ہے لیکن اسے اس کا اسلام و ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ (اٰمَنۡتُ)

۸۔لخ حوادث کی وجہ سے غفلت کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور انسان حقیقت کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔(اٰمَنۡتُ)

۹۔غیر الٰہی قوت کی حیثیت تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے۔(قَالَ... اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ)

آیت نمبر 91-92

آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۹۱﴾ فَالۡيَوۡمَ نُنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: آیا اب؟ (موت کے دہانے پہنچ کر توبہ کرتا ہے؟!) جب کہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی تھی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا آج ہم تیرے بدن کو (ضائع ہونے اور دریائی جانوروں کی خوراک بننے سے) نجات دے رہے ہیں تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیئے عبرت بن جائے۔ یقیناً بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

نکات

☆تفسیر صافی میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب فرعون ڈوبا تو اس وقت وہ سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا لوہا بھاری دھات ہے اور ڈوب جاتا ہے حق تو یہ تھا کہ لوہے کی وجہ سے اس کی لاش دریا کی تہہ میں بیٹھ جاتی لیکن موجوں نے اس کی وزنی لاش کو ساحل پر لا کر پھینک دیا اور یہ ایک بذات خود معجزہ ہے۔

پیام

۱۔موت کے لمحات میں توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے لہٰذا آثار موت سے پہلے توبہ کرنی چاہیئے۔(آٰلۡـٰٔنَ)

۲۔قرآن کریم نے مستقبل کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے فرعون سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کے بدن کو نجات دیں گے خدا کا یہ

وعدہ پورا ہوا۔ فرعون کی لاش ''ممی'' آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے جسے لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں ۔(نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ)

۳۔طاغوت کی موت اور اس کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے ۔(اٰيَةً)

۴۔قدرت خداوندی کے آثار کی حفاظت کرنا چاہیئے ۔(لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً)

۵۔لوگوں کی اکثریت تاریخ اور واقعات سے عبرت حاصل نہیں کرتی ۔(كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ)

آیت نمبر 93

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

ترجمہ: بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو شائستہ ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ رزق سے نوازا پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ ان کے پاس علم آچکا تھا یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کردے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

نکات

☆ قرآنی آیات میں لفظ ''صِدْق'' استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ''مناسب اور شائستہ'' کے معانی کو ظاہر کرتا ہے مثلاً (قَدَمَ صِدْقٍ) (یونس/۲) سچی عزت و سرفرازی اور (مُدْخَلَ صِدْقٍ) (باعزت خروج اور باعزت دخول)(لِسَانَ صِدْقٍ) (مریم/۵۰) (سچی ناموری) (وَعْدَ الصِدْق) (احقاف/۱۶) (سچا وعدہ) (مَقْعَدَ صِدْقٍ)(سچی عزت کی جگہ) بنی اسرائیل کے لیئے خدا نے (مُبَوَّءَ صِدْقٍ) کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں مقصد آیت یہ کہ ہم نے بنی اسرائیل کو مناسب ٹھکانا عطا کیا یعنی ہم نے انہیں ایسے علاقہ میں رہائش دی جو کہ آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے انتہائی مناسب تھا اور وہ علاقہ شام و فلسطین کا علاقہ تھا (مَكَانَ صِدْقٍ) یعنی وہ ایسی جگہ تھی جو ہر لحاظ سے مناسب تھی وہ زمین ہر لحاظ سے رہائش کے قابل تھی اور انتہائی زرخیز تھی چنانچہ اس کی پیداواری صلاحیت کو (رَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پیام

۱۔رہائش کے لیئے مناسب جگہ خدائی نعمت ہے اور ادیان الٰہی کی نظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔(مُبَوَّاَ صِدْقٍ)

۲۔انبیاء صرف روحانیت کے مبلّغ ہی نہیں تھے ان کی نظر عوام کی مادی زندگی کی آسائشات پر بھی ہوتی تھی۔(بَوَّاْنَا،رَزَقْنَا)

۳۔عام اصول یہ ہے کہ انقلاب کے بعد معاشرے کی اقتصادی صورت حال دگرگوں ہوجاتی ہے اور گرانی اور قحط پیدا ہوجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعونی حکومت کی بربادی کے بعد بنی اسرائیل کو اشیاء کی قلت سے نجات دی۔(رَزَقْنٰهُمْ)

۴۔تفرقہ بازی سے تمام نعمات بے اثر ہوجاتی ہیں۔(بَوَّاْنَا،رَزَقْنٰهُمْ،اخْتَلَفُوْا)

۵۔صرف مادی اور رفاہی مسائل ہی اختلاف کا سبب نہیں ہوتے کبھی انسانی ہوس بھی اختلافات کا موجب بنتی ہے۔(بَوَّاْنَا، رَزَقْنٰهُمْ،اخْتَلَفُوْا)

۶۔نجات کے حصول کے لیئے اکیلا علم کافی نہیں ہے۔(اخْتَلَفُوْا،جَآءَهُمُ الْعِلْمُ)

۷۔قرآنی فلسفہ یہ ہے کہ زیادہ تر اختلافات علم آنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔(جَآءَهُمُ الْعِلْمُ)

آیت نمبر 94

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴿۹۴﴾

ترجمہ: جو کچھ ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اگر اس میں تجھے شک ہے تو پھر ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھ رہے ہیں یقیناً آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آچکا ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔

نکات

☆امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ کچھ جاہلوں نے کہا تھا کہ پیغمبرؐ کی بجائے اللہ نے ہماری طرف کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور واضح فرمایا کہ تمام انبیاء انسانی زندگی بسر کرتے تھے (تفسیر نور الثقلین)

☆سوال۔سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف آچکی ہے پھر اللہ نے اس آیت میں علماء اہل کتاب کو منصف کیوں بنایا؟

جواب۔یہ سچ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کی کچھ تعلیمات میں تحریف آچکی تھی لیکن پوری کی پوری کتابیں محرّف نہ ہوئی تھیں اور اہل کتاب میں کچھ حق پرست افراد بھی موجود تھے (تفسیر کبیر فخر رازی)

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

☆سوال۔یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں کہا گیا ہے (اِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ) یعنی پیغمبر! اگر آپ کو قرآن کی حقانیت میں شک ہے؟

جب کہ رسول خدا کو قرآن کریم میں کوئی شک نہیں تھا؟ عقل اس بات کو قبول نہیں کرسکتی کہ پیغمبر کو وحی میں شک ہو؟

جواب۔لفظ (اِنْ) حرف شرط ہے یہ حقیقت اور وقوع پذیر ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے ''ان کان للرحمن ولدا'' (مریم/۹) (اگر خدا کے ہاں کوئی بیٹا ہوتا) جب کہ اللہ اولاد سے پاک ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے''لم یلد و لم یولد'' خدا کسی کا باپ نہیں ہے اور وہ کسی کا بیٹا نہیں ہے۔

۲۔اسی صورت کی آیت ۱۰۴ میں رسول خدا کا لوگوں سے پیغام نقل ہوا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں ''ان کنتم فی شك من دینی'' (اگر تمہیں میرے دین کے متعلق شک ہے) جب کہ آنحضرتؐ کو دین میں کوئی شک نہیں تھا آپ یقین کی آخری منزل پر فائز تھے(آمن الرسول بما انزل الیه) (البقرہ/ ۲۸۲) رسول ایمان رکھتا ہے جو کچھ اس کی طرف بھیجا گیا ہے۔

۳۔بعض اوقات خطاب نبی سے ہوتا ہے لیکن اس سے دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے ''اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡکِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ کِلٰهُمَا'' (اگر آپ کے پاس آپ کے والدین میں سے ایک بوڑھا ہوجائے یا دونوں بوڑھے ہوجائیں) (بنی اسرائیل/ ۲۳) جب کہ آنحضرتؐ کے والد ماجد آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے اور ابھی آپ کمسن تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے والدین آپ کی زندگی میں بوڑھے نہیں ہوسکتے تھے اصل بات یہ ہے کہ ''کہا کسی سے جارہا ہے اور سنوایا کسی اور کو جارہا ہے'' عربی زبان کا محاورہ ہے ''ایاك اعنی و اسمعی یا جارہ'' (میری مراد تم ہو ہمسائی تم سننا) تربیتی مسائل میں بعض اوقات روئے سخن بزرگوں اور شخصیات کی طرف ہوتا ہے تاکہ دوسرے افراد اپنے آپ کا محاسبہ کرسکیں۔

۴۔بعض اوقات خطاب نبی سے ہوتا ہے لیکن وہ حکم مسلمانوں کے لیئے ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعد کے الفاظ جمع کے ہیں مثلاً ارشاد خداوندی ہے ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ'' (طلاق/ ۱) (اے نبی تم بیویوں کو طلاق دو) اس آیت میں ''طَلَّقۡتُمۡ'' صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے اور یہ جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کے برعکس واحد حاضر کا صیغہ ''طَلَّقۡتَ'' نہیں لایا گیا۔ اور ادھر ہم سب حقیقت سے بھی باخبر ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس آیت میں خطاب رسول اکرمؐ سے ہے لیکن مراد امت ہے۔

۵۔اگر اس آیت کو بنیاد بنا کر وحی کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کے مفروضہ کو مان لیا جائے تو اس صورت میں خود اس آیت کی حقانیت کے بارے میں بھی شک پیدا کیا جاتا ہے، جو شک کی بات کرتی ہے!!

۶۔اہل کتاب کو بہت سے شک اور اشکالات درپیش تھے لیکن وہ سوال کرنے میں خجالت محسوس کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ سے ان کے لیئے سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا۔

۷۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت فریق ثانی کے ساتھ بحث کے لیئے مفروضہ کی حیثیت رکھتی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اجرام فلکی کے پیروکاروں سے سورج، چاند اور ستارے کو دیکھ کر ''هذا ربی'' کہا تھا جب کہ ابراہیم علیہ السلام راسخ ایمان توحید پرست تھے۔

۸۔جب یہ آیت مجیدہ آنحضرتؐ پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے کوئی شک نہیں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کی قسم! رسول خدا کو کوئی شک نہیں تھا۔ (تفسیر صافی)

پیام

۱۔عقائد کو شک و شبہات سے پاک ہونا چاہیئے (فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡکِتٰبَ)

۲۔شک کے وقت علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے (فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ)اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کا قول حجت ہوتا ہے۔

۳۔آسمانی کتابیں ایک دوسرے کی مؤید ہیں۔(يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ)

۴۔کچھ اہل کتاب حق بات بھی کہتے تھے۔(فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ)

۵۔رہبر کو ہمیشہ دوٹوک بات کرنی چاہیئے اسے ہرطرح کے شک وشبہ سے بالا رہ کربات کرنی چاہیئے (فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ)

۶۔فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔کیا مخالفین کے اعترافِ حقانیت کے باوجود بھی تمہیں کوئی شک ہے؟(فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ)

آیت نمبر 95

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○

ترجمہ: آپ ہرگز ان لوگوں میں سے نہ بنیں جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی ہے ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار پاؤ گے۔

نکات

☆سابقہ آیت میں قرآن میں شک کرنے سے منع کیا گیا تھا جب کہ اس آیت میں آیات الٰہی کی تکذیب سے منع کیا گیا ہے کیونکہ شک اور تکذیب میں منطقی ترتیب پائی جاتی ہے اگر شک قائم رہے تو اس کا نتیجہ تکذیب کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

☆سابقہ آیت کے متعلق ہم نے شک کی بحث میں جتنے دلائل دیئے ہیں وہ تمام دلائل تکذیب آیات کے عنوان کے لیئے بھی کارآمد ہیں۔کیونکہ تکذیب شک سے بھی بدتر ہوتی ہے۔قرآن کریم کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث میں پیغمبر اکرمؐ کے یقین کامل کی خبر دی گئی ہے۔لہٰذا شک نہ کرنا اور آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں سے نہ ہونا جیسی ممانعت کا مقصود رسول خدا نہیں ہیں اس سے اور لوگ مراد ہیں۔بھلا وہ پیغمبر جس نے دنیا کے بے یقینوں میں یقین کی دولت بانٹی ہو اس کے متعلق یہ کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود یقین سے محروم تھے!!!

☆پیغمبر اسلام معصوم تھے مگر اس کے باوجود قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر آپ کو سخت لہجہ میں تنبیہ کی گئی ہے تاکہ لوگ اچھی طرح سے سنبھل جائیں حسب ذیل آیات کا لہجہ بھی کچھ ایسا ہی ہے: 1.(وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) (الانعام/14) مشرکین میں سے ہرگز نہ بنیں 2.(فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ) (قصص/86) کافروں کے ہرگز پشت پناہ نہ بنیں 3.(وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) (قصص/87) آپ کو آیات الٰہی سے نہ روکنے پائیں۔

پیام

۱۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی تنبیہ کی ہے۔(وَلَا تَكُونَنَّ)

۲۔ایمانی سرمایہ ہاتھوں سے لٹانا اور انبیاء کی رہبری سے محروم ہونے میں انسان کا سراسر نقصان ہے۔(الْخٰسِرِيْنَ)

آیت نمبر 96-97

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾
وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ:(جن لوگوں کے جرائم کی وجہ سے) تیرے رب کا فرمان حقیقت کی صورت اختیار کر چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگران کے پاس تمام معجزات بھی آجائیں یہاں تک کہ وہ عذاب الیم کو کیوں نہ دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہ لائیں گے۔(ویسے بھی اس وقت کا ایمان فائدہ مند نہیں ہوتا تھا)

نکات

☆ آیت ۹۷ کے جملہ ''حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ'' اور اس کے ساتھ آیت ۹۸ کے جملہ'' كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ '' پر توجہ کی جائے تو پھر ''كَلِمَتُ رَبِّكَ'' سے قہر الٰہی کا مفہوم متعین ہوتا ہے۔

پیام

۱۔خدا کا قہر کافروں کا حق ہے۔(حَقَّتْ عَلَيْهِمْ) ایک اور آیت میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔(لینذر من کان حیا و یحق القول علی لکافرین)(یٰس) تا کہ اسے خبردار کرے جو کہ زندہ ہو اور کافروں پر ہماری بات ثابت ہو جائے۔

۲۔کفار اپنی مسلسل تکذیب اور ضد بازی کی روش سے اگر ایمان سے محروم ہوتے ہیں تو ان کی محرومی ربوبیت کا تقاضا ہے اور خدائی سنت ہے۔(حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ)

۳۔سب لوگوں کے مومن بن جانے کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔(لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ)

4.جب سرکش اور متکبر لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کے عذاب کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کی ساری سرکشی ہوا ہو جاتی ہے اور حیثیت واضطراب میں مبتلا ہو کر ایمان قبول کرتے ہیں لیکن ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔(لَا يُؤْمِنُونَ.... حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ)

آیت نمبر 98

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: پھر کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیئے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ یونس کی قوم کے سوا (اس کی کوئی نظیر نہیں) وہ قوم جب ایمان لے آئی تھی تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا تھا اور اس کو ایک مدت تک زندگی سے بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا تھا۔

نکات

☆اس سورت میں حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے اور حضرت یونسؑ کی قوم کی توبہ کو نصف آیت میں بیان کیا گیا ہے لیکن اس مختصر اشارہ کے باوجود اس سورت کو حضرت یونسؑ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قوم یونس کے کام کی اتنی اہمیت اور حساسیت تھی کہ انہوں نے آخری لمحات میں توبہ کی اور خدا نے ان کی توبہ کو قبول کیا۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی عمر تیس برس کی تھی جب انہوں نے تبلیغ دین شروع کی تھی اور وہ تریسٹھ برس کی عمر تک تبلیغ کرتے رہے لیکن 33 برس کے عرصہ میں دو افراد ہی ان پر ایمان لائے حضرت یونسؑ نے اپنی قوم پر بددعا کی اور انہیں چھوڑ کر روانہ ہو گئے ان دو اہل ایمان میں سے ایک شخص صاحب علم و حکمت تھا جب اس نے دیکھا کہ نبی بددعا کر کے چلا گیا ہے تو وہ ایک بلند مقام پر کھڑا ہوا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے خبردار کیا لوگ اس کی باتوں سے متاثر ہوئے اور اس کے کہنے پر شہر سے نکل کر باہر ایک میدان میں آئے بچے ماں باپ سے جدا کر دیئے گئے اور سب نے مل کر خدا کے حضور توبہ کی۔ خدا کو ان پر رحم آ گیا۔ اور ان کی توبہ قبول کی اور آیا ہوا عذاب ان کے سر سے ٹل گیا پھر کچھ عرصہ کے بعد جناب یونس تباہی کا منظر دیکھنے آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ لوگ ہلاکت سے بچ گئے ہیں انہوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ کو اس کی وجہ بتائی گئی (مجمع البیان۔ صافی)

پیام

۱۔انسان ہمت کرے تو یقینی ہلاکت کے وقت بھی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔(اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ)

۲۔ایمان اور توبہ سے عذاب الٰہی دور ہو سکتا ہے (لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا) (تمام سابقہ امتوں میں سے صرف قوم یونس ہی ایسی ہے جنہوں نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کی تھی اور خدا نے ان کی توبہ قبول کی)

۳۔لوگوں کی سرنوشت خود ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔(اٰمَنُوْا كَشَفْنَا)

۴۔ایمان دنیا میں بھی خوش بختی کی وجہ ہے۔(اٰمَنُوْا ۔۔۔۔مَتَّعْنٰهُمْ)

۵۔دعااور عاجزی سے بلّیات بھی دور ہوتی ہیں اوراس سے کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ان آیات کے شان نزول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔(كَشَفْنَا ،مَتَّعْنٰهُمْ)

آیت نمبر 99

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴿۹۹﴾

ترجمہ:اوراگر تیرا پروردگار چاہتا توزمین پرتمام بسنے والے افراد جبراً) ایمان لے آتے (جب کہ خدااختیاری ایمان کو پسند کرتا ہے)تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر کے زبردستی مومن بنائیں گے؟

نکات

☆اللہ تعالٰی کے پاس جہاں قدرت موجود ہے وہاں حکمت بھی موجود ہے وہ اپنی قدرت سے اتنا ہی استفادہ کرتا ہے جتنا کہ حکمت کا تقاضا ہوتا ہے خدا کی حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ لوگ آزاد ہونے چاہئیں اورلوگوں کواپنی قدرت کے جبر سے ایمان لانے پر مجبور نہ کیا جائے جب کہ مشرک یہ کہتے تھے (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا) (انعام/۱۴۸) اگر خدا چاہتا تومشرک نہ ہوتے لہٰذا ہمارا شرک خدا کی مشیت کے عین مطابق ہے خدا نے اپنی قدرت کے جبر سے مشرک بنایا ہوا ہے! سورہ یونس کی اس آیت میں مشرکین کے اس اشکال کا جواب دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اگر خدا نے مجبور ہی کرنا تھا تو پھر وہ شرک پر کیوں کسے مجبور کرے گااس کے برعکس وہ ہدایت وایمان پر مجبور کیوں نہ کرے گا؟

پیام

۱۔ایمان کاتعلق انسان کے حسن انتخاب سے ہے ایمان نہ تو قدرت کی طرف سے مسلّط کیا جاتا ہےاورنہ ہی اس میں جبر کا کوئی عمل دخل ہے۔(اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ)

۲۔پیغمبراکرم کولوگوں سے ہمدردی تھی اسی لیئے آپ لوگوں سے ایمان لانے کا اصرار کیا کرتے تھے۔(اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ)

آیت نمبر 100

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۰

ترجمہ: اللہ کے اذن وارادہ کے بغیر کسی بھی جان کو ایمان کی توفیق حاصل نہیں ہوتی اللہ پلیدی (شک وکفر) کو بے عقل لوگوں پر ڈال دیتا ہے۔

پیام

ا۔لوگ ایمان لانے پر مجبور نہیں ہیں (سابقہ آیت کے مطابق) اور ہدایت اور توفیق الٰہی سے محروم بھی نہیں ہیں خدا کی عطا کردہ مہربانی سے انہیں ایمان لانے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔(اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ) اسی نکتہ کو ہادیانِ دین نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے:'' لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین ''(بحار جلد 4 / 197) نہ ہی جبر ہے اور نہ ہی تفویض کے درمیان ہے

۲۔کفر پلیدی ہے۔(الرِّجْسَ)

۳۔خدائی لطف وتوفیقِ ایمان ہمیشہ اہل عقل کو ہی نصیب ہوتی ہے جو لوگ اپنے اختیار سے غور وفکر نہیں کرتے تو وہ خدا کے عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔(وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ)

۴۔تندرست عقل ایمان کے لیئے زمین ہموار کرتی ہے اور بے ایمانی بے عقلی کی دلیل ہے۔(... لَا يَعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 101

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ (چشمِ عبرت سے) دیکھو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہے لیکن نشانیاں اور تنبیہات ایمان نہ لانے والوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں عدمِ تعقّل کو کفر کی دلیل کے عنوان سے پیش کیا گیا اور اس آیت میں تفکر وتدبر کو ایمان کا راستہ بنایا گیا ہے۔

☆ لفظ کے متعلق دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''نَذِيْر'' کی جمع ہو جس سے مراد انبیاء ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''اِنْذَار'' کی جمع ہو جس کا معنی خبردار کرنے کا ہے۔

پیام

۱۔نظام ہستی میں تدبر اور اس کا مطالعہ خدا شناسی کا سیدھا اور سادہ راستہ ہے۔(انْظُرُوْا)

۲۔وہ نگاہ جو انسان کے فیصلہ کن ارادہ کے ساتھ ہو انتہائی مؤثر ہوتی ہے صرف دیکھنے اور مغرور و اعصاب میں اشیاء کے انعکاس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔(انْظُرُوْا)

۳۔خدائی آیات اور تنبیہات صرف پاک فطرت اور سلیم المزاج افراد کے لیئے مؤثر ہیں۔(وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ ....)

۴۔انسان مکتبِ فکر کے انتخاب میں آزاد ہے اسی لیئے وہ انبیاء اور آسمانی کتابوں اور جہان میں پھیلی ہوئی دلائل آفاق و انفس کو بھی بعض اوقات نظر انداز کر دیتا ہے اور ایمان نہیں لاتا۔(قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ)

آیت نمبر 102

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: تو کیا (وہ لوگ جو اتنی خدائی آیات اور انبیاء کی مخالفت میں مصروف ہیں) ان جیسے (ذلت و رسوائی سے لبریز) دِنوں کے علاوہ کسی اور چیز کا انتظار کر رہے ہیں (کہہ دیجیے کہ) پس تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (تاکہ جو مصیبت ان پر پڑی تھی وہ ان کے اوپر بھی آ پڑے)

پیام

۱۔تمام انسانوں کے لیئے خدا کا قانون یکساں ہے۔(مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ)

۲۔گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ آنے والوں کے لیئے عبرت ہوتی ہے۔(خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ)

۳۔خدا کی طرف سے ملنے والی مہلت پا کر کسی دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔(انْتَظِرُوْۤا)

۴۔بے دینی کا انجام تباہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔(انْتَظِرُوْۤا)

۵۔لوگوں کے ضد کی وجہ سے انبیاء ان سے اتنے مایوس ہوئے کہ انہوں نے اپنی مایوسی کا کھل کر اظہار کیا تھا۔(قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ)

آیت نمبر 103

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: پھر (نزول عذاب کے وقت) ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کو نجات دیتے ہیں۔اسی طرح سے ہم پر حق ہے کہ ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

نکات

☆سوال۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ کبھی کبھی خشک کے ساتھ ہرا بھی جل جاتا ہے اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے اور سورہ انفال کی ۲۵ ویں آیت میں کہا گیا ہے کہ اس فتنہ سے بچو جو صرف ستم کرنے والوں پر ہی محدود نہیں رہے گا مومن بھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے جب کہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ عذاب نازل کرتے وقت اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں۔کیا ان دونوں آیات میں تضاد تو نہیں ہے؟

جواب۔ مذکورہ آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے اگر اہل ایمان کفار و مجرمین کے ردمیان خاموش رہیں تو ان پر بھی اللہ کا عذاب نازل ہوجاتا ہے اور اگر وہ اپنے خدائی فریضہ کو انجام دیں اور نہی عن المنکر پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کے وقت محفوظ رکھتا ہے۔

پیام

۱۔اللہ تعالیٰ انبیاء اور اہل ایمان پر اپنا غضب نازل نہیں کرتا۔(نُنَجِّي رُسُلَنَا ... نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ)

۲۔اہل ایمان کا خدا پر حق ہے کہ وہ انہیں عذاب سے نجات دے۔(كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ)

۳۔نجات کا وعدہ الٰہی تحریک کے لیئے بہترین مددگار ثابت ہوتا ہے۔(حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ)

۴۔روشن مستقبل اہل ایمان کے لیئے مخصوص ہے۔(حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ)

آیت نمبر 104

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَآ أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین (کی صداقت) میں کوئی شک ہے تو (تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ) میں ان خداؤں کی عبادت نہیں کرتا جن کی خدا کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو بلکہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے بنوں۔

پیام

۱۔دوسروں کے شک کی وجہ سے ہمیں شک وشبہہ میں میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے رہبری کے لیئے دوٹوک بات ضروری ہے۔(إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَآ أَعْبُدُ...)

۲۔کافروں کے ساتھ کسی بھی قسم کا میل جول اور مہربانی ممنوع ہے ہمیں چاہیئے کہ اہل کفر کو اپنی طرف سے مایوس کریں۔(فَلَآ أَعْبُدُ...)

۳۔دشمن کو عامۃ المسلمین کی بجائے ممتاز مسلمانوں سے بھی توقعات وابستہ ہیں لہٰذا دوٹوک جواب دے کر دشمنوں کی توقعات کو خاک

میں ملا دینا چاہیئے۔(فَلَآ اَعۡبُدُ)

۴۔عبادت کا حقدار وہی ہے جو موت وحیات کا مالک ہے۔(اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِیۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ)

۵اگرچہ موت وحیات دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں لیکن اس آیت میں موت کا خصوصی طور پر اس لیئے ذکر کیا گیا ہے کہ موت تنبیہ کا بہترین وسیلہ ہے۔(الَّذِیۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ)

۶۔مشرکین اپنے بے جان خداؤں کو بھی صاحب عقل سمجھتے تھے(الذین) یہ اسم موصول اہل عقل کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔

آیت نمبر 105-106

وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا‌ ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ‌ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو یکسو ہو کر اپنے چہرے کو دین کے سامنے سرنگوں کردے اور مشرکین میں ہرگز نہ بننا۔ اور خدا کو چھوڑ کر کسی ایسے کو مت پکار جو تجھے فائدہ دے سکے اور نہ تجھے نقصان پہنچا سکے اور اگر تو نے ایسا کیا تو پھر تو ظالمین میں سے ہوگا۔

نکات

☆"حَنِيۡف" اسے کہتے ہیں جو یکسو ہو کر چلے اور دائیں بائیں کسی بھی انحراف سے متاثر نہ ہو۔

پیام

۱۔دینداری کے لیئے مضبوط قوت ارادی، ہمت اور عشق کی ضرورت ہے۔(اَقِمۡ وَجۡهَكَ)

۲۔دین اسلام ایسا آئین ہے جس میں کوئی کجی موجود نہیں ہے۔(حَنِيۡفًا)

۳۔سچا مسلمان وہ ہے جو اسلام لانے کے بعد کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہ ہو اور طاغوت کو تسلیم نہ کرے۔(وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ)

۴۔اہل عقل کا ہر کام دو مقاصد میں سے کسی ایک مقصد سے ضرور وابستہ ہوتا ہے ہر عقل منداس لیئے کام کرتا ہے کہ اسے اس سے فائدہ ملنے کی توقع ہوتی ہے یا کم از کم نقصان دُور ہونے کی امید ہوتی ہے۔ جبکہ بت نہ تو فائدہ دیتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں لہٰذا بت پرستی اور شرک ایک طرح کی حمایت ہے۔(لَا تَدۡعُ...مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ)

۵۔شرک ظلم ہے اور مشرک ظالم ہے۔(فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ)

آیت نمبر 107

وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاِنۡ یُّرِدۡکَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِہٖ ؕ یُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ (آزمائش یا کسی دوسرے مقصد کے لیئے) تجھے نقصان پہنچائے تو اس کو کوئی اسے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر وہ تیرے لیئے بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی بھی نہیں روک نہیں سکتا وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیئے چاہتا ہے اسے بھلائی عطا کرتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات

☆ نقصان دور کرنے کے لیئے (اِلَّا ہُوَ) کے الفاظ آئے ہیں یعنی اگر خدا نقصان پہنچائے تو اس نقصان کو صرف وہی دور کر سکتا ہے اور جہاں فائدہ پہنچانے کا ذکر ہوا تو وہاں (اِلَّا ہُوَ) کی شکل میں یہ استثنا موجود نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا کسی پر فضل کرتا ہے تو اسے دور نہیں کرتا البتہ ہمارے اعمال ہی نعمت کے سلب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں (تفسیر روح المعانی)

بیان کیا ہے (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ) (الرعد/۱۱) (اللہ کسی قوم کو نعمت دے کر اسے تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اسے تبدیل نہ کریں) دعائے کمیل میں یہ الفاظ وارد ہیں (اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لِیَ الذُّنُوۡبَ الَّتِیۡ تُغَیِّرُ النِّعَمِ)

پیام

۱۔ خیر و شر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ, یُّرِدۡکَ بِخَیۡرٍ)

۲۔ ہر تکلیف اور تلخی کو شر نہیں سمجھنا چاہیئے بعض اوقات انسان کی آزمائش یا بیداری فطرت کے لیئے بھی تلخ حوادث کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لیئے اللہ نے (بِضُرٍّ) کہا ہے (بِشَرٍّ) نہیں کہا

۳۔ خدا لوگوں کو بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے اسی لیئے خیر کے لیئے (یُّرِدۡکَ) اور ضرر کے لیئے (یَّمۡسَسۡکَ) کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ (تفسیر روح المعانی)

۴۔ انسان کو جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ اس کا استحقاق نہیں ہوتی وہ فضل خداوندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (لِفَضۡلِہٖ)

۵۔ اللہ کا ارادہ اس کی حکمت کی اساس پر مبنی ہوتا ہے اسی لیئے خدا کی مشیت کا مفہوم مقرر کرنے کے لیئے اس کے (حکیم) ہونے کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ (یُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ)

آیت نمبر 108

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اے انسانو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ چکا ہے جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ کے لیئے ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو کوئی گمراہی اپناتا ہے تو وہ خود اس کا نقصان اٹھائے گا۔ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں (کہ تمہیں جبراً راہ حق پر لے چلوں)

پیام

۱۔ (قرآن اور تعلیمات انبیاء جیسی چیزیں جو بھی خدا کی طرف سے آئی ہیں سراسر حق پر مبنی ہیں اور یہ ربوبیت کا شعبہ ہیں۔ (الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ)

۲۔ انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد تمام انسانوں کی تربیت (یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔۔۔ رَّبِّکُمۡ)

۳۔ خدا کی طرف سے حجت تمام ہو چکی ہے اور حق کو قبول نہ کرنے کے لیئے ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ (قَدۡ جَآءَکُمُ الۡحَقُّ)

۴۔ ہم ہدایت حاصل کر لیں تو خدا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اگر ہم گمراہ ہو جائیں تو خدا کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہدایت حاصل کرنے میں ہمارا فائدہ ہے اور انحراف کرنے سے ہمارا ہی نقصان ہے۔ (لِنَفۡسِهٖ)

۵۔ انسان صاحبِ اختیار ہے اور ہر شخص کی سرنوشت خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے حد یہ ہے کہ انبیاء کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ (وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ)

۶۔ انبیاء کا کام ہدایت و تبلیغ ہے نہ کہ جبر واکراہ۔ (وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ)

آیت نمبر 109

وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: آپ (صرف) اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف کی جا رہی ہے اور ثابت قدم رہیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

پیام

۱۔ لوگ ایمان لائیں یا کفر کریں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے ہمارا فریضہ بس یہی ہے کہ خداوند عالم کی وحی اور اس کے نازل

کردہ احکام سے جدا نہ ہوں۔ (وَاتَّبِعْ۔۔۔)

۲۔انبیاءفرمان وحی کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ (وَاتَّبِعْ مَا يُوْحَى اِلَيْكَ)

۳۔وحی تدریجی طور پر نازل ہوئی۔ "يُوْحٰى" فعل مضارع ہے جو کہ تسلسل اور استمرار پر دلالت کرتا ہے

۴۔وحی کی پیروی کے لیئے صبر وثبات کی ضرورت ہے۔ (وَاتَّبِعْ۔۔۔اصْبِرْ)

۵۔رہبر کو ہمیشہ صابر اور ثابت قدم ہونا چاہیئے۔(وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ)

۶۔علم شرطِ عمل ہے(وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى)اور استقامت کامیابی کی شرط ہے۔(وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ)

۷۔ہمیں مستقبل کے لیئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَظِيْمِ

سورہ ھود

پارہ	11-12
سورت	11
تعداد آیات	123

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورہ ہود پر ایک نظر

یہ سورہ مبارکہ مکہ میں آنحضرتؐ کے قیام کے آخری دنوں میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ وہ دن تھے جب حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی وفات سے مسلمان مضمحل تھے اور انتہائی سخت حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ (تفسیر نمونہ۔ بحار جلد ۱۹۲/۱۹۱) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں آیتِ استقامت نازل ہوئی ہے جو کہ یہ ہے: (فَاسۡتَقِمۡ) (ہود/ ۱۱۲) جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ثابت قدم رہیں۔ ادھر آنحضرتؐ کے کچھ ساتھیوں کی بے تابی بھی آپ کو پریشان کر رہی تھیں یہ سورت ایک سو تیئس آیات پر مشتمل ہے اس میں کچھ انبیاء کی بالخصوص حضرت نوحؑ کی داستان بیان کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اعتقادی مسائل پر بھی توجہ دی گئی ہے تاریخ انبیاء پر گہری نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تاریخ ایک مسلسل تحریک ہے اور اسے کسی بھی طرح سے جلد ختم ہونے والا واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انبیاءؑ اور ان کی اقوام کی تاریخ ایک قانون کی پابند دکھائی دیتی ہے اور اس کے مطالعہ سے اقوام کے عروج و زوال کے علل و اسباب کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان تمام واقعات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین معاشرے سے جدا نہیں ہے اور کسی بھی معاشرے کی سرنوشت کا اس کے دین و آئین سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ پورے قرآن کریم میں حضرت ہود کا پانچ مرتبہ نام لیا گیا ہے اور اس اکیلی سورت میں بھی ان کا نام پانچ مرتبہ لیا گیا ہے۔

آیت نمبر 1-2

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمان ورحیم ہے۔ الف لام را (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو مستحکم بنایا گیا ہے پھر صاحبِ حکمت باخبر ذات کی طرف سے تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اللہ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

نکات

☆ قرآن حکیم الف با جیسے حروف تہجی سے تشکیل پایا ہے اور یہ حروف تہجی ہر شخص کی دسترس میں ہیں لیکن خدا کی قدرت تکلم کا کمال یہ ہے کہ اس نے انہی سادہ حروف سے ایسی کتاب تیار کی ہے جس کی مثال لانے سے کائنات عاجز ہے جس طرح سے انسان خاک سے برتن اور اینٹیں بناتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسی مُشتِ خاک سے ہزاروں اقسام کے پھول، سبزہ، پھل اور حیوان وانسان کو بناتا ہے چنانچہ جس طرح سے نظامِ تکوین میں بھی ہمیں خدا کی قدرتِ صناعی دکھائی دیتی ہے اسی طرح سے کتاب تشریع میں بھی ہمیں اس کی قدرت کاملہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

☆ قرآن ایک محکم اور مفصل کتاب ہے اس میں کہیں بھی تضاد اور سقوط دکھائی نہیں دیتا اور قرآن فصاحت وبلاغت کی بلندی پر دکھائی دیتا ہے اس کے مضامین عالیہ مختلف فصلوں اور سورتوں میں موجود ہیں جو کہ ایک دوسرے سے جدا بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مربوط بھی ہیں۔

☆ قرآن ایک محکم کتاب ہے اور اس میں ایک مخصوص روح پائی جاتی ہے اور اس کی روح کا نام عقیدہ توحید ہے اور قرآن کی تمام داستانیں، مواعظ واحکام اور آیات قرآن اسی روح کی تفصیل ہیں۔

☆ قرآن ایک محکم کتاب ہے جس میں تحریف وتبدیلی کا گزر نہیں ہے اور یہ عظیم کتاب ہر طرح کے شک وشبہہ سے پاک ہے اس کی بنیاد ہوس اور مفروضوں پر نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس کے تمام مطالب انتہائی محکم اور مضبوط ہیں

پیام

ا۔ قرآن کریم انتہائی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ (کتابٌ) یہاں لفظ کتاب کو نکرہ لایا گیا اور پھر اس میں تنوین شامل کی گئی جو کہ عظمت کی علامت ہے۔

۲۔ قرآن کے الفاظ ومضامین اس کی عظمت کی دلیل ہیں۔ (اٰيٰتُهٗ)

۳۔ قرآن حکیم کی بنیاد اتنی مضبوط ومستحکم ہے کہ کوئی بھی چیز اسے متزلزل نہیں کرسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید علوم جتنی ترقی کریں گے

اتنا ہی قرآن کے حقائق واضح ہوتے جائیں گے۔(اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ)
۴۔قانون اور کتاب کو واضح اور مضبوط ہونا چاہیئے۔(اُحۡكِمَتۡ...ثُمَّ فُصِّلَتۡ)(غیر الٰہی قوانین میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ یا تو محکم نہیں ہوتے یا پھر واضح نہیں ہوتے یا پھر قانون بنانے والے نے حکمت و مصلحت کو مدنظر نہیں رکھا ہوتا)
۵۔قرآن سراسر استدلال ہے اور اس میں کسی تزلزل کا دخل نہیں ہے اور دنیا و آخرت کی زندگی کے تمام ابعاد کا جامع ہے۔(اُحۡكِمَتۡ...ثُمَّ فُصِّلَتۡ)
۶۔اللہ حکیم ہے اسی لیئے اس کی کتاب محکم ہے اللہ تعالیٰ خبیر ہے اسی لیئے اس نے تمام ضروریات کی تفصیل بیان کی ہے۔(كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ)
۷۔تمام انبیاء کے تبلیغ کا مرکزی نقطہ توحید الٰہی کی دعوت ہے۔(اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ)
۸۔آسمانی کتابوں کی نزول کے دو اہم مقاصد ہیں۔ا۔لوگوں کو عقیدہ توحید کی دعوت دی جائے ۲۔معاشرے کو شرک سے پاک کیا جائے۔(كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ...اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ)
۹۔یکتا پرستی کی دعوت اور تنبیہ و بشارت کلام خدا کے محکم ہونے کا ثبوت ہیں۔(اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ...اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ)
۱۰۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو انسانوں کی سعادت کے لیئے بھیجا ہے۔(اِنَّنِيۡ لَكُمۡ مِّنۡهُ)
۱۱۔انبیاء کی تبلیغ بشارت و نذارت کے دو بنیادی نقاط پر گردش کرتی ہے۔(نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ)

آیت نمبر 3

وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ۳

ترجمہ:اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف پلٹ آؤ وہ تمہیں مقررہ مدت تک (تمہاری عمر میں) اچھا حصہ دے کر کامیاب کرے گا اور ہر صاحبِ فضیلت کی فضیلت میں اضافہ کرے گا اور اگر تم نے (خدا کی بندگی سے) منہ پھیر لیا تو مجھے تمہارے متعلق ایک بڑے دن کا خوف ہے۔

نکات

سابقہ آیت میں مسئلہ توحید کی وضاحت کی گئی اور اس آیت لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس سے مغفرت طلب کریں اور اس کے حضور لوٹ آئیں اور توحید کے عقیدہ کو اپنا مدار بنائیں☆(مَّتَاعًا حَسَنًا) سے ایسی دلنشین زندگی مراد ہے جس کے ساتھ روحانی سکون میسّر ہو جو شخص ذکر الٰہی سے بے رخی کرے ممکن ہے اسے مادی نعمات میسّر ہوں لیکن اسے روحانی سکون نصیب نہیں ہوگا وہ ہمیشہ تنگ اور تلخ زندگی بسر کرے گا۔

پیام

۱۔انبیائے کرام کا ایک وظیفہ یہ بھی ہے کہ وہ منحرف افراد کو خدا کی طرف پلٹنے کی تبلیغ کریں۔(اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا)

۲۔جب تک انسان اپنے آپ کو گناہوں سے پاک نہ کرے اس وقت تک وہ حق کی طرف پرواز نہیں کر سکتا۔(اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا)

۳۔صرف گناہ کا مٹ جانا ہی کافی نہیں ہے اس کے ساتھ (سیر الی اللہ) بھی ضروری ہے۔(اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا)

۴۔توبہ واجب ہے۔(تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ)

۵۔توبہ کے ذریعہ سے خدا کی مادی نعمات بھی انسان کو دوبارہ حاصل ہوتی ہیں۔(تُوْبُوْٓا۔۔۔۔يُمَتِّعْكُمْ)

۶۔کفار و مجرمین کے پاس جو مالی وسائل ہیں وہ ان سے فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں لہٰذا وہ وسائل نہ تو بابرکت ہیں اور نہ ہی بہتر ہیں۔(مَّتَاعًا حَسَنًا)

۷۔اسلام اپنے پیروکاروں کے لیئے بہتر زندگی کا خواہاں ہے۔(مَّتَاعًا حَسَنًا)

۸۔ایمان اور توبہ زندگی کے آخری لمحات تک انسان کی بہتری کی ضمانت دیتے ہیں۔(يُمَتِّعْكُمْ۔۔۔۔اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

۹۔توبہ سے ایسی کامیابی نصیب ہوتی ہے جو بلحاظ کمیّت و کیفیت بہتر ہوتی ہے۔(مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

۱۰۔توبہ مرگ ناگہانی سے محفوظ رکھتی ہے۔(اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

۱۱۔موت کی تاریخ اور وقت انسان سے مخفی ہے۔(اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

۱۲۔قیامت کے دن لوگوں کے درجات مختلف ہوں گے جس نے دنیا میں زیادہ فضائل حاصل کیئے ہوں گے آخرت میں اسے کئی گنا زیادہ فضائل نصیب ہوں گے۔(يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ)

۱۳۔انبیاء لوگوں کے خیر خواہ تھے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں (اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ) کا جملہ متعدد بار دکھائی دیتا ہے۔

۱۴۔ترک توبہ گناہ کبیرہ ہے۔(وَاِنْ تَوَلَّوْا۔۔۔۔عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ)

آیت نمبر 4-5

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

ترجمہ: تم سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ترجمہ: آگاہ رہو کہ یہ لوگ اپنے آپ کو پیغمبر سے مخفی رکھنے کے لیئے اپنے سر وسینہ کو قریب کر لیتے ہیں اور اپنے کپڑوں کو اپنے

سروں پر پھیلا لیتے ہیں (تاکہ ان کی پہچان نہ ہواور وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ) جب کہ اللہ ان کی تمام علانیہ اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے وہ یقیناً سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔

نکات

☆ ،، یَثۡنُوۡنَ ،، کے معنی دو چیزوں کوخم کرکے ایک دوسرے کے قریب لانے کے ہیں (اثنان) بھی اسی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے (یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ) علاوہ ازیں کے لفظ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دلوں میں بغض رکھتے ہیں اس طرح سے () کا مفہوم یہ بنے گا کہ یہ لوگ انبیاء کو خاموش کرنے کی غرض سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقاتیں کرتے تھے اور انبیاء کو ناکام بنانے کے طور طریقوں پر غور وخوض کرتے تھے۔

☆ سورہ نوحؑ کی ساتویں آیت میں قوم نوح کے طرز عمل کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا (جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَهُمۡ) انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنا لباس سر پر رکھ لیا تاکہ انبیاء کی پکار ان کے کانوں تک ہی نہ آئے۔

☆ منکرینِ معاد دو اہم اشکال پیش کرتے تھے۔ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ وہ کون سی قوت ہے جو مُردوں کو زندہ کرسکتی ہے؟ ان کے اس اعتراض کا جواب چوتھی آیت میں ان الفاظ سے دیا گیا ہے (و ھو علی کل شیئ قدیر) یعنی خدا ہر چیز پر قادر ہے منکرینِ معاد کا دوسرا اہم اعتراض یہ تھا کہ مرنے والوں کے متفرق اجزا کو کیسے جمع کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب سورہ ہود کی پانچویں آیت میں ان الفاظ سے دیا گیا ہے (یُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ) میں دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بخوبی جانتا ہوں۔

پیام

۱۔ ہماری بازگشت خدا کی طرف ہے نہ کہ اوروں کی طرف۔(اِلَی اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ)

۲۔ سابقہ آیات میں توحید ونبوت کا اثبات کیا گیا جب کہ اس آیت میں قیامت کا اثبات کیا گیا۔(اِلَی اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ)

۳۔ اگر کوئی اپنے مذموم مقاصد کے لیئے اپنے آپ کو پیغمبر سے مخفی بھی کرلے تو بھی اسے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ پیغمبر کی نظر سے مخفی ہونا آسان ہے جب کہ خدا کی نظر سے مخفی ہونا ناممکن ہے۔(یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ.... اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ)

آیت نمبر 6

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ○

ترجمہ: زمین پر کوئی بھی متحرک جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اللہ ہر جاندار کی مستقل قرارگاہ کو جانتا ہے اور اس کی عارضی رہائش گاہ کو بھی جانتا ہے یہ سب کچھ واضح کتاب میں ہے۔

نکات

☆لفظ (دَآبَّةٍ)(دَبِیب) سے ماخوذ ہے جس کا معنی آہستہ چلنا اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھنا ہے عمومی مفہوم کے تحت ہر چلنے والے کو لفظ (دَآبَّةٍ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆(رِزْق) مسلسل بخشش کو کہا جاتا ہے خواہ وہ مادی ہو یا معنوی ہو۔اسی لیئے ہم دعا میں اس طرح کے جملے ادا کرتے ہیں (اللھم ارزقنی ...قلبا خاشعا ...لسانا ذاکرا ...و علما نافعا) (بحار جلد ۹۵/ ۲۵۷) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رزق ملتا ہے وہ ہر لحاظ سے موجودات سے مطابقت رکھتا ہے۔مثلاً ایک ماں کے شکم میں جس قدر غذا کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے فراہم کرتا ہے اور جب بچہ شکم مادر سے باہر آتا ہے تو پھر وہی مادہ دودھ میں تبدیل ہوجاتا ہے یہ خدا کی شان رزاقیت ہے کہ وہ شکم مادر میں بھی غذا پہنچاتا ہے ورنہ انسان کے پاس یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ بچے کو شکم مادر میں غذا پہنچائے اور بچہ خود بھی رحم مادر میں غذا حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی شان رزاقیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے (وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا) (عنکبوت/ ۶۰) کتنے ہی جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھا کر نہیں چلتے۔اللہ ہی انہیں رزق دیتا ہے۔

☆(مُسْتَقَرّ) مستقل ٹھکانے کو کہا جاتا ہے اور (مُسْتَوْدَع) عارضی ٹھکانے کو کہا جاتا ہے لفظ (مُسْتَوْدَع) کے لفظی معنی ہیں امانت رکھنے کی جگہ

☆امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک وصیت میں فرمایا رزق کی دو قسمیں ہیں اس کی ایک قسم وہ ہے جو تلاش اور محنت سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرا رزق وہ ہے جو خود تجھے تلاش کرتا ہے (بحار الانوار جلد ۵/ ۱۴۷) (مثلاً نور، باران اور ہوا، اور استعداد، حافظہ اور صلاحیت جیسی چیزیں تلاش کے بغیر نصیب ہوتی ہیں) اس آیت مجیدہ کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ہم کام کاج چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلیں۔اس کے برعکس آیت مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ ہم پوری تندہی سے رزق تلاش کریں اور پھر ہمیں جو رزق ملے اسے خدا کا عطیہ قرار دیں۔یہی وجہ ہے کہ ہادیانِ دین ہمیشہ کام کاج کیا کرتے تھے۔

☆رزاقیت کے لیئے دو چیزوں کی ضرورت ہے رزق حاصل کرنے والے کے مکان کا علم ہونا چاہیئے اور اس کی ضروریات کا علم ہونا چاہیئے۔رزاقیت کے لیئے ایسے دقیق سسٹم کی ضرورت ہے کہ ہر موجود تک اس کا رزق پہنچ سکے۔رزاق ذات کے لیئے ضروری ہے کہ اسے تمام انسانوں کا علم ہو اور تمام بری، بحری اور فضائی جانداروں کا علم ہو اور سب کے لیئے مناسب رزق کا پتہ ہو تب کہیں رزاقیت کے تقاضوں کی تکمیل ہوگی۔(وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا)

☆تمام اشیا (كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ) میں موجود ہیں (كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ) اور جس کے پاس مکمل کتاب کا علم ہوگا تو اس کے پاس تمام اشیاء کا علم ہوگا۔سورہ رعد کی آخری آیت میں یہ کہا گیا ہے (قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ) آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔سنی شیعہ روایات میں بیان کیا ہے کہ (وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ) کے مصداق علی علیہ السلام ہیں۔

☆اللہ تعالیٰ کی دوسنتیں ہیں پہلی سنت رزق رسانی ہے اور دوسری سنت اسباب ووسائل کے ذریعہ سے معاملات کا اجرا ہے لہٰذا رزق کی جستجو رزق رسانی کی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

پیام

۱۔رزق ہر جاندار کا فطری حق ہے اور اس حق کو خدا نے اپنے اوپر واجب کیا ہے۔(وَمَامِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا)

۲۔ہمارا رزق خدا کے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہمیں رزق کے لیئے کسی کے سامنے گردن نہیں جھکانی چاہیئے۔(وَمَامِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا)

۳۔رزق روزی کے لیئے ہمیں نہ تو حریص ہونا چاہیئے اور نہ ہی کسی سے خوف زدہ ہونا چاہیئے۔(وَمَامِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا)

۴۔اللہ تعالیٰ نے رزق کے منابع ہمارے اختیار میں دیئے ہیں اور ہمیں ان منابع سے استفادہ کرنے کے لیئے عقل کی دولت عطا کی ہے(اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا)

۵۔ہم جہاں بھی چلے جائیں خدا کی نظر میں ہیں ہم خواہ سفر میں ہوں یا گھر میں خدا کو اس کی پوری خبر ہے۔(يَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا)

۶۔اس جہان کے تمام معاملات اور جملہ اطلاعات ایک مرکز میں ثبت کیئے جا چکے ہیں۔(كُلٌّ فِيۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ)

آیت نمبر 7

وَهُوَ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِيۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرۡشُهٗ عَلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّكُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَيَقُوۡلَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝

ترجمہ:اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام (چھ ادوار) میں پیدا کیا اور اس کا عرش (حکومت) پانی پر قائم تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کرنے والا کون ہے اگر آپ کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد دوبارہ مبعوث کیئے جاؤ گے تو اس کے جواب میں کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

نکات

☆"چھ ایام" سے چھ مراحل اور چھ ادوار مراد ہیں کیونکہ ابتداء تخلیق کے وقت سورج موجود نہ تھا اس کی بنا پر ہم دن رات کا حساب کریں۔

☆لفظ ''عرش'' کا اطلاق چھت، چھتے ہوئے مکان اور بادشاہوں کے بلند و بالا تخت پر کیا جاتا ہے بعض اوقات اس سے قوت وقدرت کا کنایہ مقصود ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ شخص تخت نشین ہوا اس کا مطلب ہوتا ہے کہ فلاں شخص برسر اقتدار آیا۔اسی طرح سے ایک محاورہ یہ ہے کہ فلاں شخص کو تخت سے معزول کر دیا گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اقتدار چھین لیا گیا۔

سوال۔اس آیت مجیدہ میں انسانی تخلیق کا ہدف اس کی آزمایش کو قرار دیا گیا ہے جب کہ کچھ آیات میں تخلیق کا ہدف کچھ اور قرار دیا گیا ہے تو کیا اس سے آیات میں منافات نہیں ہے مختلف مراحل میں اہداف بھی بدلتے رہتے ہیں مثلاً زمین کی سطح کاشت کاری کے لیئے ہے اور کاشت کاری کا ہدف گندم کا اُگانا ہے اور گندم کا ہدف روٹی تیار کرنا ہے اور روٹی بنانے کا مقصد انسان کو کھانا فراہم کرنا ہے اسی طرح سے انسان کی تخلیق کے اہداف بھی مختلف ہیں مرحلہ وار انسانی تخلیق کے حسب ذیل اہداف بیان کیئے گئے ہیں۔

الف۔تخلیق کا ہدف آزمایش ہے۔

ب۔آزمایش کا مقصد نیک و بد کو جدا کرنا ہے۔(لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ) (انفال/۳۷) تاکہ خدا ناپاک کو پاک سے جدا کرے۔

ج۔نیک و بد کی تمیز کا ہدف یہ ہے کہ ہر کسی کو اس کی مناسبت کے مطابق جزا سزا مل سکے (وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ) (جاثیہ/۲۲) تاکہ ہر جاندار کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے۔

د۔عمل کی مطابقت سے جزا سزا دینے کا ہدف یہ ہے کہ اس سے الٰہی وعدہ کی تکمیل ہو سکے (وَعْدًا عَلَيْنَا) (انبیاء/۱۰۴)

☆حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی آزمائش علم حاصل کرنے کے لیئے نہیں ہے آزمائش اس لیئے ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کا مناسب بدلہ دیا جائے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۴)

☆روایات میں (احسن عملا) کی تفسیر (احسن عقلا و اورع عن محارم الله و اسرع فی طاعة الله) (عقل کے لحاظ سے زیادہ بہتر) اور (تفسیر مجمع البیان)

(الٰہی محرمات سے زیادہ بچنے والا) اور () اطاعت الٰہی میں جلدی کرنے والا) اور بعض روایات میں (ازھد فی الدنیا) (دنیا سے زیادہ بے رغبتی کرنے والا) سے کی گئی ہے (بحار جلد ۴۷/ ۹۳)

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حسن عمل، علم و اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے نہ کہ عمل کی زیادتی کے ساتھ۔(تفسیر کنز الدقائق) اگر ہم الفاظ بدل دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا عمل کی کیفیت کو دیکھنا چاہتا ہے نہ کہ عمل کی کمیّت کو۔یعنی وہ عمل کے معیار کو دیکھنے کا خواہش مند ہے نہ کہ مقدار کو (بحار ج ۴ ص ۹۳)

پیام

۱۔کائنات انسان کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔(خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... لِيَبْلُوَكُمْ)

۲۔قدرت الٰہی کسی بھی چیز کوایک لحظہ میں بنا سکتی ہے جبکہ حکمت الٰہی تدریج کی متقاضی ہے۔(خَلَقَ ۔۔۔فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ)
۳۔آسمان وزمین پانی سے بنے ہیں یا پگھلائے گئے مواد سے بنے ہیں۔(كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ)
۴۔آسمانوں اورزمین کی تخلیق سے پہلے پانی موجود تھا۔(كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ)
۵۔تمام موجودات کی تخلیق کا مقصد انسان کی معنوی اور اختیاری رُشد ہے۔(خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔۔۔لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا)
۶۔خدا کے ہاں معیار کی اہمیت ہے نہ کہ مقدار کی۔(اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا)
۷۔زمین وآسمان بہتر مقصد کے لیئے بنے ہیں یہ کامیابی، لذت طلبی اور غافل رہنے کے لیئے نہیں بنائے گئے۔
۸۔منکرین معاد کے پاس کوئی علمی دلیل و برہان نہیں ہے یہ لوگ صرف تہمت بازی کرنا جانتے ہیں۔(اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ)

آیت نمبر 8

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸

ترجمہ: اور اگر ہم محدود مدت کے لیئے عذاب میں تاخیر کریں تو وہ (مسخرہ بازی کرتے ہوئے) کہتے ہیں کسی چیز نے اسے روک دیا ہے؟ انہیں جان لینا چاہیئے کہ جس دن ہمارا عذاب ان پر نازل ہوگا تو وہ ان سے نہیں ٹلے گا اور جس کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہ انہیں اپنے گھیرے میں لے لے گا۔

نکات

☆لفظ (اُمَّةٍ) کا اطلاق دو مفاہیم پر کیا جاتا ہے۔
۱۔ایسے گروہ کو امت کہا جاتا ہے جن کا ہدف مشترک ہو۔(مثلاً امت موسیٰ، امت عیسیٰ وغیرہ)
۲۔لفظ ''امت'' زمانہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے اس آیت مجیدہ (اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ) کے جو الفاظ آئے ہیں یہ زمانہ کے معانی میں ہیں اسی طرح سے سورہ یوسف میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے (وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ) (یوسف ۴۵) یعنی زندان سے آزادی پانے والے قیدی کو ایک عرصہ کے بعد یوسف یاد آیا۔
☆ کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ (اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ) سے حضرت قائم آل محمد کے قیام کا زمانہ مراد ہے یعنی اللہ نے امام علیہ السلام کی آمد تک عذاب کو اس امت سے موخر کر رکھا ہے۔(تفسیر کنز الدقائق)
☆اللہ تعالیٰ اگر کبھی عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو اس میں بھی چند مصالح کارفرما ہوتے ہیں۔
۱۔تاخیر عذاب سے گناہ گاروں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

۲۔منحرف والدین کے صلب سے ابھی مومن اولاد نے پیدا ہونا ہے۔

۳۔نیک لوگوں کی دعائیں عذاب الٰہی کے نزول میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

پیام

۱۔خدا کے کاموں میں زمان اور وقت کا عمل دخل ہوتا ہے۔(اَخَّرْنَا ۔۔۔اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ)

۲۔قہر خداوندی میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔(اَخَّرْنَا۔۔۔)

۳۔عذاب الٰہی کی تاخیر تھوڑے عرصہ کے لیئے ہوتی ہے۔(اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ)

۴۔عذاب میں تاخیر خدا کے کرم کی دلیل ہے نہ کہ اس کی کمزوری کی دلیل ہے لہٰذا اس کا مذاق اڑانا نامناسب ہے۔(وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا ۔۔۔لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ)

۵۔مذاق اڑانے والوں سے قہر الٰہی ٹلا نہیں کرتا۔(لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ)

۶۔خدا کی طرف سے اگر مہلت مل جائے تو ہمیں اس پر اترانا نہیں چاہیئے کیونکہ خدا کی گرفت میں دیر ہوسکتی ہے لیکن اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔(يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ)

۷۔کفار کا پرانا وطیرہ ہے کہ وہ دینی عقائد کا تمسخر اڑایا کرتے ہیں۔(مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ)

آیت نمبر 9

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨

ترجمہ:اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اس سے نعمت کو چھین لیں تو (اس وقت وہ) بڑا بے آس اور ناشکرا ہوجاتا ہے۔

نکات

☆ہر نعمت محبت الٰہی کی دلیل نہیں ہوتی اور نہ ہی نعمت کا چھن جانا غضب الٰہی کی دلیل ہے بعض اوقات یہ خدائی آزمائش ہوتی ہے

☆انسان خدائی مصلحت وحکمت سے نابلد ہوتا ہے اسی لیئے وہ جلد بازی میں غلط فیصلے کرتا ہے اور مایوس ہوکر کفر بکنے لگتا ہے۔

پیام

۱۔انسانی کامیابی صرف اتنی ہی دیر ہوتی ہے جتنی دیر انسان کسی چیز کو چکھتا ہے(اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ)

۲۔خدائی نعمات خدا کے فضل ورحمت کی مظہر ہوتی ہیں ہمارا استحقاق نہیں ہوتا(اَذَقْنَا۔۔۔رَحْمَةً)

۳۔نعمت عطا کرنا اور نعمت واپس کرلینے کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے(اَذَقْنَا۔۔ثُمَّ نَزَعْنٰهَا)

۴۔انسان سے کسی نعمت کا چھن جانا بڑا گراں محسوس ہوتا ہے اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ (نَزَعْنٰهَا) سے تعبیر کیا ہے کیونکہ نزع کا معنی طاقت کے بل پر کسی سے کچھ چھین لینا ہوتا ہے۔

۶۔انسان انتہائی کم ظرف ہے جب اس سے کوئی ایک نعمت چھن جائے تو وہ اللہ کی وسیع رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے (ثُمَّ نَزَعْنٰهَا ۔۔اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ)

۷۔رحمت الٰہی سے مایوسی کفر اور ناشکر گزاری کا پیش خیمہ ہے۔(نَزَعْنٰهَا ۔۔۔اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ) اسی نقطہ کو سورہ یوسف میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے (اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ) (یوسف/ ۸۷) کافروں کے علاوہ اللہ کی رحمت سے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

آیت نمبر 10

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم انسان کو نعمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں (تو وہ مغرور ہو جاتا ہے) کہنے لگتا ہے کہ (اب) میری تکالیف دُور ہو گئی ہیں (اب مجھے اور کوئی تکلیف نہ پہنچے گی) یقیناوہ خوش خوش ہوتا ہے اور فخر کرنے لگ جاتا ہے۔

نکات

☆ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے اور روایات کے بقول (والدهر يومان،يوم لك و يوم عليك فان كان لك فلا تبطروان كان عليك فاصبر فكلاهما ستخبر) (بحار جلد ۷۳/ ۸۱) زمانہ دو دن ہے ایک دن تیرے حق میں ہے اور ایک دن تیرے خلاف ہے جو دن تیرے حق میں ہے اس میں مغرور نہ ہونا اور جو دن تیرے خلاف ہو اس میں صبر کرنا۔ تیری دونوں طرح سے آزمائش کی جائے گی

☆ تکالیف و مشکلات کے بعد انسان کو نعمت ملے تو انسان کو اس پر خدا کا ذکر اور شکر کرنا چاہیئے اور اس کی بجائے نعمت پاکر مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔

☆ خوشی کی حالت میں دو چیزیں خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی چیز غلط تجزیہ و تحلیل ہے۔(ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ) دوسری چیز نعمت پاکر دوسروں کو حقیر سمجھنا ہے۔(لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ)

پیام

۱۔انسان انتہائی کم ظرف ہے وہ چھوٹی سی نعمت پاکر جھومنے لگتا ہے۔(اَذَقْنٰا ۔۔۔لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ)

۲۔قرآنی آیات میں الفاظ کی مخصوص غنائیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس آیت میں (نَعْمَآءَ) (ضَرَّآءَ) کے ہم آہنگ ہے اور (لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ) اور (لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ) کا ایک ہی ردیف وقافیہ ہے

۳۔خوشی ہو یا غمی دونوں کے لمحات انتہائی مختصر ہوتے ہیں۔(اَذَقْنٰا ۔۔۔مَسَّتْهُ)

۴۔ یہ تصور بالکل باطل ہے کہ اب پھر کبھی دُکھ نہیں آئیں گے۔(ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ)
۵۔ مادی کامیابی خدا کے محبوب ہونے کا معیار نہیں ہے اور مادی کامیابی کے حصول پر یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ اب میری زندگی میں کبھی پریشانی نہیں آئے گی۔(ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ)
۶۔ غلط تجزیہ و تحلیل غلط اعمال کا سبب بنتی ہے جب کوئی شخص یہ تجزیہ کرتا ہے کہ اب مجھے دُکھوں سے پالا نہیں پڑے گا (ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ) تو اس وقت وہ ناجائز طور پر فخر کرنے لگ جاتا ہے۔(لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ)
۷۔ کچھ انسان ایسے بھی ہیں جن کی شخصیت بیرونی حوادث سے وابستہ ہوتی ہے اور وہ اندرونی کمالات سے عاری ہوتے ہیں اسی لیئے جب ان پر تکالیف آتی ہیں تو مایوس ہو کر کفر بکنے لگتے ہیں (لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ) اور جب دُکھ ٹل جائیں تو پھر ناجائز اِترانے لگ جاتے ہیں۔(لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ)

آیت نمبر 11

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: مگر وہ لوگ جنہوں (ایمان حقیقی کے زیر سایہ) نے صبر کیا اور نیک اعمال بجالائے (یعنی نعمت کے زوال پر مایوس نہ ہوئے اور نعمت کے حصول پر فخر نہ کیا) تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے لیئے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے۔

نکات

☆ قرآن کریم کی یہ روش ہے کہ وہ جب بھی (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) کی بات کرتا ہے تو اس سے پہلے (صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) کہتا ہے اور اس طرح سے قرآن یہ تاثر دیتا ہے کہ تمام نیک اعمال ایمان کے سائے میں انجام دیئے جاتے ہیں۔البتہ یہ آیت قرآن کریم کی واحد آیت ہے جہاں (عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) سے (اٰمَنُوْا) کی بجائے (صَبَرُوْا) کا لفظ کہا گیا ہے۔اور صابرین سے مراد وہی حقیقی مؤمن ہیں۔شاید یہاں الفاظ کو اس لیئے تبدیل کیا گیا ہے کہ بحث کم ظرف افراد پر ہو رہی تھی اسی لیئے یہاں (اٰمَنُوْا) کچھ زیادہ مناسب نہیں تھا۔بے صبر اور جزع فزع کرنے والے افراد اور اہل ایمان کے تقابلی جائزے کے لیئے یہاں (صَبَرُوْا) کا لفظ زیادہ موزوں تھا۔

☆ صبر صرف تلخ حوادث پر ہی نہیں کیا جاتا۔خوشی اور مسرت کے لمحات میں بھی صبر ضروری ہے کیونکہ اگر ان مواقع پر انسان صبر کے دامن کو چھوڑ دے تو انسان سرکش بن جاتا ہے اس کی واضح مثال بنی اسرائیل ہیں جب انہیں فرعون کے ظلم و ستم سے نجات ملی اور انہیں ہر طرح کی خوشیاں ملیں اور انہیں بادشاہت عطا ہوئی (جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا) (مائدہ/ ۲۰) تو انہوں نے سرکشی شروع کر دی تھی۔اور ایک موقع پر تو ان کی سرکشی اتنا بڑھی کہ حضرت ہارون کے فرمان کو کوئی اہمیت نہ دی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے (اعراف/ ۱۵۰) قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے۔

پیام

۱۔زندگی کے تلخ وشیریں حوادث کے وقت صبر، عمل صالح کا بہترین مصداق ہے۔ (صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ)

۲۔مومن حوادث میں مایوس نہیں ہوتا اور سکھ کی گھڑیوں میں ناحق فخر نہیں کرتا۔ مومن ہر مقام پر پُروقار رویہ اختیار کرتا ہے۔ (صَبَرُوْا)

۳۔عمل صالح سے صبر کو پائیداری حاصل ہوتی ہے۔ (صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ)

۴۔صبر اور پائیداری گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ (الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۔۔۔لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ)

۵۔اگر ہمیں صبر کے میٹھے پھل کا علم ہو جائے تو صبر ہمارے تلخ گھونٹ کی بجائے شربتِ شیریں ثابت ہو سکتا ہے۔ (الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۔۔۔لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ)

۶۔خطرے کا دور کرنا منفعت کے حصول پر مقدم ہے اسی لیئے پہلے (مَّغْفِرَةٌ) فرمایا بعدازاں (اَجْرٌ كَبِيْرٌ) کے الفاظ ارشاد فرمائے۔

آیت نمبر 12

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: شاید (لوگوں کی طرف سے تبلیغ قبول نہ کرنے کی وجہ سے) آپ اس وحی کا کچھ حصہ چھوڑنے والے ہیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے اور ان کا یہ طعنہ سن کر آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے کہ اس پر خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ (خبردار ایسا نہ کرنا) آپ تو صرف تنبیہ کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا ناظر اور نگہبان ہے۔

نکات

☆ کفار مکہ آنحضرت کو تنگ کرنے کی غرض سے نت نئے معجزات طلب کرتے تھے چنانچہ کبھی وہ کہتے کہ اگر آپ نبی ہیں تو پھر مکہ کے پہاڑوں کو معجزہ سے سونے میں بدل دیں یا آپ کی تائید کے لیئے ایک فرشتہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں اتارا گیا؟ ان کے یہ طرفہ مطالبات صرف ضد بازی کے لیئے ہوتے تھے اگر بالغرض آنحضرت ان کے مطالبات کو خدا کی طرف سے پورا بھی کر دیتے تو بھی وہ آپ پر ایمان نہ لاتے۔ یہ لوگ پیغمبر اسلام کی زبان سے حضرت علی کی فضلیت سننے کے روادار نہیں تھے اور جب آنحضرت حضرت علی کی فضلیت بیان کرتے تو اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے چنانچہ انکے منفی رویوں کی وجہ سے آنحضرت تنگدل ہوتے تھے اور اس تنگدلی کی وجہ سے آیات کی تبلیغ میں تاخیر واقع ہو جاتی تھی واضح رہے کہ یہ چیز عصمتِ رسول کے منافی نہیں ہے کیونکہ کچھ آیات کا فوراً پہنچانا ضروری نہ ہوتا تھا آنحضرت تبلیغ رسالت کی مصلحت کے تحت (نہ کہ ذاتی مصلحت کے تحت) تبلیغ آیات میں

تاخیر کرتے تھے اور جب یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آپ تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اُسی وقت تبلیغِ آیات کرتے تھے۔

☆اس آیت مجیدہ کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت نے صرف ضدی افراد کے سامنے تبلیغ وحی کرنا مناسب نہ سمجھا ہو کیونکہ آپ انکی ہدایت سے مایوس تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہ رہنمائی فرمائی کہ آپ اپنا فریضہ سرانجام دیں خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔

☆اس آیت مجیدہ کا احتمالی طور پر یہ مفہوم بھی ممکن ہے کہ کفار و مشرکین آپ کی تبلیغ سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوئے اور ان کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا آپ نے ان کے سامنے تلاوتِ آیات کی ہی نہیں ہے۔علاوہ ازیں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ تاخیر کے اندیشہ اور ترک تبلیغ کی وجہ سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔

پیام

۱۔کلام الٰہی کے مبلّغ کو دوٹوک رویہ اپنانا چاہیئے وہ لوگوں کے طعنوں اور اعتراضات کی پروہ کیئے بغیر پیغام الٰہی کو لوگوں تک پہنچائے ۔(فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ۔۔۔اَنْ یَّقُوْلُوْا ۔۔۔)

۲۔جب کسی کی رہنمائی مقصود ہو تو اسے ''تو ایسا ہے'' کی بجائے ''شاید آپ ایسے ہیں'' کہہ کر مخاطب کیا جائے بالفاظ دیگر (انّك) کی بجائے (فَلَعَلَّكَ) کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

۳۔کفار و مشرکین آنحضرت کو جہاں جسمانی اذیتیں دیا کرتے تھے وہاں آپ کو زبان کے گھاؤ بھی لگایا کرتے تھے۔(ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا)

۴۔لوگوں کی عقل ان کے مشاہدے تک محدود ہوتی ہے وہ نبوت و رسالت کو بھی دولت کی چھاؤں میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ (لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ)

۵۔ہم اپنے فریضہ کی ادائیگی کے ذمہ دار ہیں ہم نتیجہ کے ضامن نہیں ہیں۔لہٰذا ہمیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے اور باقی معاملات خدا کے سپرد کر دینے چاہئیں۔(اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ)

۶۔مبلّغ کی ذمہ داری لوگوں کو خبردار کرنا ہے ان سے جبراً ایمان کا اقرار کرانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔(اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ)

۷۔لوگوں کے معجزہ کے مطالبہ کو پورا کرنا نہ کرنا خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔(اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ)

آیت نمبر 13

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: یا پھر مخالفین یہ کہتے ہیں کہ قرآن خود اس کا ساختہ پرداختہ ہے آپ کہہ دیں کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو خدا کے علاوہ

جتنے بھی تمہارے مددگار ہیں ان سب کو بلاؤ اور اس جیسی دس ساختہ پرداختہ سورتیں بنا کر لاؤ۔

نکات

☆ قرآن کا اعجاز صرف فصاحت و بلاغت تک ہی محدود نہیں ہے قرآن معارف، مواعظ، براہین، غیب کی خبروں اور قوانین کے لیئے بھی معجزہ ہے کیونکہ (وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ تم جنہیں بھی بلا سکتے ہو بلالو) کا جملہ تمام انسانوں کے لیئے ہے عرب قرآن کی فصاحت و بلاغت کو محسوس کر سکتے تھے اور یہی چیلنج سورہ بنی اسرائیل میں بھی موجود ہے (قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا○) (بنی اسرائیل ۸۸) آپ کہہ دیں کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو کر بھی قرآن کی مثال لانا چاہیں تو وہ نہیں لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر قرآن کا اعجاز صرف فصاحت و بلاغت تک محدود ہوتا تو غیر عرب افراد کو قرآن کے مقابلہ کا چیلنج نہ دیا گیا ہوتا۔

☆ اعجاز قرآن کی جہات بہت زیادہ ہیں قرآن کی تلاوت میں جو حلاوت و شیرینی پائی جاتی ہے وہ کسی اور کتاب میں نہیں ہے قرآن کریم تیئیس برس تک نازل ہوتا رہا مگر جو بات پہلے دن کہی گئی تھی وہی تیئیس برس بعد کہی گئی اس میں کسی طرح کا تضاد نہیں پایا جاتا۔ قرآن نے ان علوم کی پیشین گوئی کی جن کا اس وقت وجود تک نہیں تھا اسی طرح سے قرآن نے آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں کی ہیں۔ قرآن نے دنیا سے نابود ہو جانے والی بہت سی اقوام کی خبریں دی ہیں اور علاوہ ازیں قرآن نے فرد و معاشرہ کی صلاح وفلاح کے لیئے جامع قوانین عطا کیئے۔ قرآن کا آج تک غیر محرف رہنا بھی اس کا ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح سے صدیاں گزرنے کے باوجود قرآن کا تر و تازہ رہنا بھی ایک معجزہ ہے۔

☆ قرآن نے منکرین کو چیلنج دیا کہ وہ اس جیسی کتاب بنالائیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن نے اپنے چیلنج میں تخفیف بھی کی ہے اس کے باوجود کسی سے بھی قرآن جیسی کتاب نہ بن سکی یہ چیلنج ابتدا میں اس طرح سے تھا کہ قرآن جیسا قرآن بنالائیں پورا قرآن کسی سے نہ بن سکا تو اس کے بعد قرآن نے اپنے چیلنج میں تخفیف پیدا کی اور فرمایا کہ تم اس جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ مگر تاریخ گواہ ہے کہ آج تک دس سورتیں بھی کسی سے نہ بن سکیں پھر قرآن کریم نے اپنے چیلنج میں مزید تخفیف کی اور فرمایا کہ تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ مگر قرآن کا یہ چیلنج آج تک لاجواب ہے کسی سے اس جیسی ایک سورت نہ بن سکی قرآن نے صرف چیلنج ہی نہیں دیا۔ لوگوں کی غیرتوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر انہیں میدان میں لانے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ ایک جگہ فرمایا کہ تمام جن وانس مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک اور مقام پر فرمایا کہ روئے زمین کے تمام مغز جمع کرلو پھر بھی تم قرآن جیسی کتاب نہیں بنا سکو گے۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ لوگوں نے اسلام اور ملتِ اسلام کے خلاف ہر دور میں سازشیں کیں اور مسلمانوں سے جنگیں کیں لیکن آج تک قرآن کی ایک سورت نہیں بنا سکے۔ کیا معجزہ اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا ہے؟

پیام

۱۔ کفار کے پاس کوئی دلیل و برہان موجود نہیں تھی اسی لیئے انہوں نے رسول خدا پر یہ تہمت تراشی کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے یہ

حضرت محمد کا ساختہ پرداختہ ہے۔(یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ)

۲۔قرآن تاریخ کا جاودانی معجزہ ہے۔(وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ)

آیت نمبر 14

فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ‏ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: پس اگر وہ لوگ آپ کی اس پیش کش کو قبول نہ کریں تو پھر تمہیں جان لینا چاہیئے کہ جو کچھ نازل ہوا ہے وہ علم خدا کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے کیا تم (اس صورت میں) سرتسلیم خم کرلو گے؟

نکات

☆ کفار ومشرکین آنحضرتؐ پر قرآن کے متعلق دو طرح کے الزامات عائد کرتے تھے۔

۱۔قرآن کسی اور شخص کا کلام ہے اور محمد مصطفیٰؐ نے اس سے یہ کلام یاد کرلیا ہے (فَهِىَ تُمۡلٰى عَلَيۡهِ)(فرقان/۵)

۲۔قرآن خود حضرت محمدؐ کا ساختہ پرداختہ ہے اور اس عمل میں دوسروں نے ان کی مدد کی ہے (اَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ) (فرقان/۴) سورہ ہود کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کے دونوں الزامات کی تردید کی ہے اور یہ کہا ہے قرآن کا سرچشمہ علم الٰہی ہے۔

پیام

۱۔قرآن کا سرچشمہ خدا کا لامحدود علم ہے۔(اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ)

۲۔قرآن کسی کے وہم وگمان اور مفروضوں اور تخیلات کا ثمرہ نہیں ہے اس کی بنیاد علم الٰہی پر ہے۔

۳۔قرآن کسی زمان، مکان، نسل اور قوم تک محدود نہیں ہے جس طرح سے اللہ تمام زمان ومکان ونسل وقوم کا خدا ہے اسی طرح سے قرآن علم الٰہی کا حصہ ہے لہٰذا یہ بھی تمام زمان ومکان پر محیط ہے۔(اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ)

۴۔خدا کا علم لامحدود ہے لہٰذا اسرار قرآن بھی لامحدود ہیں۔(اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ)

۵۔مخالفین کے انکار اور تردید سے حقانیت قرآن کے عقیدہ میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔(فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا ... اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ)

آیت نمبر 15

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ﴿۱۵﴾

ترجمہ: جولوگ دنیاوی زندگی اوراس کی زینت کے خواہش مند ہوں تو ہم اسی دنیا میں ان کے اعمال کا پورا نتیجہ انہیں دے دیتے ہیں اوران کے بدلے میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

نکات

سوال: ☆قرآن کریم کی اس آیت مجیدہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم دنیا طلب افراد کے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں پورا پورا دے دیتے ہیں اوراس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کرتے۔ جب کہ قرآن کریم کی ایک اورآیت میں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں (مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ) (بنی اسرائیل ۱۸) جوکوئی جلد بازی کا خواہش مند ہوتو ہم جسے چاہئیں اس دنیا میں جلد نتیجہ دے دیتے ہیں آخران دو آیات کوکس طرح سے مطابقت دی جاسکتی ہے؟

جواب: دونوں آیات کے کے مفہوم میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ سورہ ہود کی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ جولوگ اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں تو ہم انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتے ہیں جب کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت میں اعمال کے بدلے کا تذکرہ نہیں ہے اس میں صرف آرزو اور خواہش کا ذکر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جوصرف دنیا کے حصول کا آرزومند ہوتو ہم ایسے افراد میں سے کچھ لوگوں کی آواز کوقبول کرلیتے ہیں۔

☆وہ لوگ جن کا معاد پر ایمان نہیں ہے جولوگ خدا کے لیئے کام نہیں کرتے تو وہ اپنے کام کا معاوضہ بھی خدا سے طلب نہیں کرتے اور وہ جتنی ایجادات اور علمی انکشافات کرتے ہیں تو انہیں اس کی اُجرت دنیا میں دولت اور شہرت کی شکل میں مل جاتی ہے آخرت کے اجر کی امید صرف وہی کرسکتا ہے جوآخرت پر ایمان رکھتا ہو جسے خدا اور معاد پر ایمان ہی نہ ہوتو اسے اللہ سے کسی طرح کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔

☆اگر کوئی شخص آخرت کی بجائے دنیا اور باقی کی بجائے فانی اور لامحدود کی بجائے محدود دنیا کا خواہش مند ہوتو اس کے عمل کا نتیجہ اسے مادی زندگی ہی میں مل جاتا ہے۔

پیام

۱۔مقصد اور ہدف کوعمل سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے۔(مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا)

۲۔انسان فعل مختار ہے وہ اپنی خواہش کے مطابق اپنا فیصلہ خود کرسکتا ہے۔(مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ)

۳۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس کی عدالت کی حد یہ ہے کہ جو لوگ اس کے لیئے کام نہیں کرتے وہ انہیں بھی ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا۔

۴۔ دنیا طلبی وہ آفت ہے جو انسان کو حق کی قبولیت سے روکتی ہے۔(فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا ... مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا)

آیت نمبر 16

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ایسے لوگوں کے لیئے قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ بنایا ہے وہ برباد ہو جائے گا اور ان کا کیا دھرا سب بیکار ہو جائے گا۔

نکات

☆ انسان کا وظیفہ عبادت ہے اور عبادت کے لیئے قصدِ قربت کی ضرورت ہے اگر قصدِ قربت موجود نہ ہو تو عمل باطل ہو جاتا ہے اور جو عمل صرف حصول دنیا کے لیئے ہو تو اس کا نتیجہ بھی دنیا تک محدود رہتا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ عمل ضائع ہو جائے گا۔

☆ رسول اکرم کے ایک صحابی کی نظر کسی جوان لڑکی پر پڑی یہ اس کی طرف بڑھا۔ لیکن یہ اس کے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور اچھا خاصا زخمی ہو گیا۔ جب رسول خدا نے یہ واقعہ سنا تو آپ نے اپنے صحابی سے فرمایا کہ خدا نے تجھے اسی دنیا میں سزا دے دی تا کہ تو آخرت کے عذاب سے بچا رہے۔ اسی طرح سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے اور آخرت کے دن ان کے لیئے کوئی اجر نہ ہوگا۔(تفسیر مجمع البیان)

☆ جب حضرت علی علیہ السلام اس آیت کی تلاوت کرتے تو کہا کرتے تھے کہ میں بھلا ایسی آگ پر کیسے صبر کر سکتا ہوں جس کی ایک چنگاری زمین پر گرے تو اس کی ساری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دے(بحار الانوار جلد ۴۰/ ۳۴۶)

پیام

۱۔ دنیا طلب انسان آخرت کے دن تہی دست ہوں گے۔(لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ)

۲۔ جو عمل حصول دنیا کے لیئے ہو یا ریا کاری پر مبنی ہو تو ایسا عمل لائق اجر نہیں ہے۔(حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ)

آیت نمبر 17

اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: آیا وہ (پیغمبر اسلام کی مانند) واضح دلیل (قرآن کی طرح) رکھتا ہو اور اس کے پیچھے ایک گواہ چل رہا ہو جو خود اس میں سے ہو اور اس سے موسیٰ کی کتاب جو کہ رہبر و رحمت تھی (اس میں اس کی آمد کی بشارت بھی موجود ہو تو کیا وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس میں یہ صفات موجود نہ ہوں) وہ لوگ (جو کہ حق کے متلاشی ہیں) اس پر ایمان لاتے ہیں اور مختلف گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کریں گے تو ان کے لیئے جائے وعدہ دوزخ ہے اس (وحی) کی صداقت میں شک نہ کرنا یقینا یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان قبول نہیں کرتی۔

نکات

☆ ائمہ ہدیٰ علیھم السلام سے بہت سی روایات مروی ہیں کہ اس آیت میں لفظ "شَاهِدٌ" سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں (تفسیر نور الثقلین، کافی جلد اول/۱۹۰)

☆ یہ آیت مجیدہ واضح کرتی ہے کہ پیغمبر کا شاہد وہ ہے جو کہ (مِنۡهُ) کا مصداق ہے یعنی شاہد پیغمبر وہ ہے جو کہ نبی کا حصہ ہو اور نبی سے جدا نہ ہو چنانچہ شیعہ سنی روایات میں آنحضرتؐ سے یہ حدیث منقول ہے (عَلِيٌّ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ) علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں (صحیح بخاری، کتاب صلح، باب) (کیف نکتب) (مسند احمد حنبل جلد ۵/۳۵۶)

☆ سورہ رعد کی آخری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں حکم الٰہی کے تحت پیغمبرؐ انہیں یہ جواب دیتے ہیں: (كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا بَيۡنِىۡ وَ بَيۡنَكُمۡ وَ مَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ) آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے شیعہ سنی روایات میں مذکور ہے کہ (وَ مَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ) کے مصداق حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں اور وہی پیغمبر اسلامؐ کے گواہ ہیں سورہ ہود کی آیت میں حضرت علیؑ کو "شاھد" کہا گیا ہے اور سورہ رعد کی آخری آیت میں آپ کو لفظ (شھید) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پیام

ا۔ تبلیغ کے سوال قائم کر کے صحیح وجدان رکھنے والوں سے فیصلہ طلب کرنا چاہیئے۔ (اَفَمَنۡ)

۲۔ قرآن لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔ (بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ)

۳۔رسول خدا کی زندگی میں جو گواہ آپ کے پیچھے چلتا رہا وہی آنحضرت کے بعد اُن کا جانشین ہے۔(يَتْلُوْهُ)
۴۔سچے اور ایثار گر پیروکاروں کا وجود انبیاء کی صحیح شناخت اور حقانیت کا ایک راستہ ہے۔(بَيِّنَةٍ...شَاهِدٌ مِّنْهُ)
۵۔اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم کو قرآن کا معجزہ دے کر اور حضرت علی سے ان کی گواہی دِلوا کر اور تورات میں آپ کی بشارت دے کر لوگوں پر حجت کو تمام کیا ہے۔(بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ...شَاهِدٌ مِّنْهُ...وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى)
۶۔آسمانی کتابیں ایک دوسرے کی مؤید ہیں۔(مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى)
۷۔حجاز میں عیسائی بہت کم تھے جب کہ یہودی زیادہ تھے اسی لیئے صداقتِ پیغمبر کے لیئے خدا نے انجیل کی بجائے تورات کا حوالہ دیا۔اگرچہ انجیل میں بھی آنحضرت کی آمد کی بہت سی بشارتیں موجود ہیں۔(مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى)
۸۔آسمانی کتابیں اور الٰہی قوانین راہ ہدایت ہیں اور لوگوں کے لیئے وسیلہ رحمت ہیں۔(اِمَامًا وَّرَحْمَةً)
۹۔لوگوں کو چاہیئے کہ آسمانی کتاب کو اپنا رہبر و امام تسلیم کریں۔(كِتٰبُ مُوْسٰى اِمَامًا)
۱۰۔امامت اور رحمت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔(اِمَامًا وَّرَحْمَةً)
۱۱۔ہمیشہ حق کی پیروی کرنی چاہیئے گروہ، علاقہ اور نسل کی پیروی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔(وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ)
۱۲۔تمام افراد اور گروہوں کو چاہیئے کہ وہ قرآن کی طرف متوجہ ہوں ورنہ قہر الٰہی میں گرفتار ہو جائیں گے۔(وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ)
۱۳۔کچھ لوگوں کا کفر اہل ایمان کے تزلزل کا سبب نہیں بننا چاہیئے۔(وَمَنْ يَّكْفُرْ...فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ)
۱۴۔اکثریت حقانیت کی دلیل نہیں ہوتی۔(الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ...اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ)

آیت نمبر 18

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ:اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا پر جھوٹ تراشے۔ایسے لوگ قیامت کے دن خدا کے حضور پیش کیئے جائیں گے اور گواہ (انبیاء و ملائکہ) گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا۔جان لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

نکات

☆محشر کی عدالت میں بہت سے گواہ ہوں گے۔

الف۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہوگا۔ وہ ہمارے تمام اعمال کا شاہد ہے (اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ) (حج/ ۱۷) بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

ب۔ رسول اکرمؐ گواہ ہوں گے۔ (فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا) (النساء/ ۱۴) بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ قرار دیں گے۔

ج۔ ائمہ معصومینؑ گواہ ہوں گے۔ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ) (البقرہ/ ۱۳۴) اور اس طرح سے ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ (امت وسط) (درمیانی امت) سے ائمہ معصومین مراد ہیں قیامت کے دن امت کے باقی افراد کے پاس گواہی کے قابل علم وعصمت نہیں ہوگی۔

د۔ ملائکہ گواہ ہوں گے (وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ) (ق/ ۲۱) قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ ایک ہانکنے والا فرشتہ ہوگا اور ایک گواہی دینے والا فرشتہ ہوگا۔

ہ۔ زمین گواہ ہوگی (يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا) (زلزال/ ۴) ایک دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔

و۔ ہر شخص کا وجدان اس کا گواہ ہوگا۔ (اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا) (بنی اسرائیل/ ۱۴) اپنے نامہ اعمال کو پڑھ کر خود ہی فیصلہ کر کہ تجھ سے کیا سلوک کیا جائے۔

ز۔ بدن کے اعضاء گواہی دیں گے (يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ) (نور/ ۲۴) جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

ح۔ زمانہ اور وقت گواہی دے گا چنانچہ صحیفہ سجادیہ کی چھٹی دعا میں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ (هٰذَا يَوْمٌ حَادِثٌ جَدِيْدٌ وَهُوَ عَلَيْنَا شَاهِدٌ عَتِيْدٌ) یہ نیا دن ہے اور قیامت کے دن یہ ہمارے اعمال کا گواہ ہوگا۔

ط۔ انسان کے اعمال مجسم ہو کر اس کے سامنے آجائیں گے (وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا) (کہف/ ۴۸) انہوں نے جو بھی عمل کیا ہوگا وہ اسے اپنے ہاں موجود پائیں گے۔

سوال۔ لفظ (اَظْلَمُ) اسم تفضیل ہے جس کا معنیٰ ہے بہت بڑا ظالم۔ قرآن کریم میں کئی قسم کے گناہ گاروں کو لفظ (ظلم) سے تعبیر کیا گیا ہے سیدھی سی بات ہے کہ ان میں سے سب سے بڑا ظالم تو ایک ہی ہوسکتا ہے سارے تو نہیں ہو سکتے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

جواب۔ قرآن کریم میں پندرہ قسم کے مجرموں کے لیئے لفظ (اظلمُ) استعمال ہوا ہے۔ لیکن تمام مقامات کے سیاق وسباق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لفظ شرک، افتراء، کتمانِ حق اور یادِ خدا سے روکنے جیسے فکری انحرافات کے لیئے استعمال ہوا ہے اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ فکری، فرہنگی اور عقیدتی قسم کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔

☆ قرآن کریم کی اس آیت اور اس سے چند آیات بعد میں خداوند عالم پر افتراء باندھنے والے شخص کی سرنوشت کو ان الفاظ

میں بیان کیا ہے ا۔ایسا شخص سب سے بڑا ظالم ہے۔ ۲۔الطافِ الٰہی سے محروم ہے۔ ۳۔اس شخص کا روز قیامت پر ایمان نہیں ہے۔ ۴۔ایسا شخص حقائق میں تحریف کرتا ہے۔ ۵۔اللہ کے راستے سے روکتا ہے۔ ۶۔ایسا شخص دنیا میں سلطنتِ خداوندی سے فرار کرسکتا ہے اور نہ آخرت میں اس کو کہیں سے مدد ملے گی۔ ۷۔ایسے شخص کے عذاب کو کئی گنا زیادہ کر دیا جائے گا۔ ۸۔اس کی عمر برباد ہو جائے گی۔اس کی تمام تر کوششیں ناکامی سے دوچار ہوں گی۔ ۹۔ایسا شخص اپنی نفس وجان کو تباہ کرتا ہے۔

پیام

ا۔خدا پر جھوٹ باندھنا ظلم کی بدترین شکل ہے۔لہٰذا مذہبی اور دینی خطباء اور لکھنے والوں کو ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیئے۔(وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا)

۲۔ظلم کی قباحت کا تعین اس سے متاثر ہونے والی شخصیت سے کیا جائے گا۔(اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ)

۳۔قیامت کے دن تمام پردے ہٹ جائیں گے اور مخفی امور ظاہر ہو جائیں گے۔(يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ)

۴۔قیامت کے دن گواہ زیادہ ہوں گے لہٰذا ہمیں کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے۔(وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ)

آیت نمبر 19

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور اسے الٹا کر پیش کرنا چاہتے ہیں جب کہ یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔

نکات

☆ دشمنان دین مختلف حربوں سے لوگوں کو خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔چنانچہ بدعت، تہمت، تفسیر بالرائے، حدیث سازی، شبہات کے ایجاد، مساجد کو غیر فعال بنانا، اہل بیت رسول سے کنارہ کشی، نیک کاموں سے روکنا، بہانہ تراشی، غیر اخلاقی سرگرمیوں کو رواج دینا، فروعی مسائل کو اچھال کر لوگوں میں تفرقہ ڈالنا، شخصیت پرستی، باطل کی ترویج، اہل ایمان کی تحقیر، مباحات کو حرام قرار دینا، ناحق شوق دلانا، غلط تبلیغات اور طاغوت کی تعریف وثنا جیسے امور کو رواج دے کر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا جاتا ہے۔

☆ راہِ خداوندی سے روکنے کا واضح ترین مصداق اولیائے خدا اور اہل بیت پیغمبرؐ اور معصوم ہادیانِ دین کے راستوں کا بند کرنا ہے

پیام

ا۔خدا کے راستے کو روکنا یا اسے الٹا راستہ بنا کر پیش کرنا ظلم ہے۔(الظّٰلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ .....)

۲۔دشمن کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ راہِ ہدایت کو بند کر دے اور اگر وہ اس میں ناکام ہو جائے تو پھر وہ راہِ ہدایت کو الٹا کر کے پیش کرتا ہے۔

۳۔دینی معارف میں تحریف کرنا اور دین کو بدنما بنا کر پیش کرنا راہِ خدا کو روکنے کی ایک قسم ہے۔
۴۔خدا کے دین میں کوئی کجی ہے اور نہ ہی انحراف ہے البتہ دشمنانِ دین اپنی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔
(یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا)
۵۔آخرت پر ایمان نہ لانا ہر ظلم کا پیش خیمہ ہے۔(بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ)

آیت نمبر 20

أُولَٰٓئِكَ لَمۡ يَكُونُواْ مُعۡجِزِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنۡ أَوۡلِيَآءَۘ يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلۡعَذَابُۚ مَا كَانُواْ يَسۡتَطِيعُونَ ٱلسَّمۡعَ وَمَا كَانُواْ يُبۡصِرُونَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: یہ زمین میں (ہمیں) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔(اور انہوں نے اپنے اختیار سے اپنے لیئے جو بُرا انجام مقرر کیا ہے وہ اس سے فرار نہیں کر سکتے) اور خدا کے مقابلہ پر ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ان کے لیئے عذاب دوگنا کیا جائے گا (کیونکہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کے لیئے خدائی راستہ بند کر کے یا اسے الٹا دکھا کر ان کو گمراہ کرتے تھے) یہ لوگ (شدت عداوت کی وجہ سے حق) سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی حق کو دیکھتے تھے۔

نکات

☆سوال۔کیا عذاب کا دوگنا کیا جانا عدل الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے؟
جواب۔جو شخص اثر رسوخ رکھتا ہو اور خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو گمراہ کرے تو عام سادہ لوح افراد کی بہ نسبت وہ دوگنا مجرم ہے اور اگر ایسے مجرم کو دوگنا عذاب دیا جائے تو یہ عدل الٰہی کے عین مطابق ہے۔مثلاً اگر ایک تعلیم یافتہ شخص ان پڑھ افراد کو گمراہ کرے تو اسے دوہری سزا ملنی چاہیئے اور یہ سزا کسی بھی طور پر عدل الٰہی کے خلاف نہیں ہے۔

پیام

۱۔اس دنیا میں خواہ کوئی کتنا ہی طاقت کیوں نہ رکھتا ہو قدرت الٰہی سے باہر نہیں جا سکتا۔اور وہ ہر قیمت پر اپنے انجام کو پائے گا۔(لَمۡ يَكُونُواْ مُعۡجِزِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِ)
۲۔افترا کرنے والے یہ نہ سوچیں کہ انہیں طاغوت کی جو حمایت میسّر ہے۔یہ حمایت انہیں نجات دلانے میں معاون ثابت ہوگی۔
(مَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنۡ أَوۡلِيَآءَ)
۳۔ایسے افراد جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ بنانے میں مصروف ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ دوسروں کی گمراہی کے بھی ذمہ دار ہیں۔(يَصُدُّونَ ۔۔۔ يَبۡغُونَهَا عِوَجًا ۔۔۔ يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلۡعَذَابُ)
۴۔ضد بازی، کفر اور تعصب نے لوگوں کو اندھا اور بہرا بنایا ہوا ہے۔اسی لیئے وہ حق کو سننے اور دیکھنے سے محروم ہو چکے ہیں۔

آیت نمبر 21-22

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنے وجود اور عمر کا سرمایہ) کھو دیا ہے اور جو کچھ وہ افترا کیا کرتے تھے وہ اسے بھی کھو بیٹھیں گے۔

ترجمہ: یہ لازمی بات ہے کہ ایسے افراد آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

نکات

اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں دنیا ایک بازار ہے اور جان و مال اور عمل اس بازار کے سودے ہیں اس بازار میں بہت سے گاہک موجود ہیں اس بازار میں اللہ بھی گاہک ہے اور ابلیس بھی گاہک ہے اور ہوائے نفس اور گناہ کی خواہش بھی آپ کے جان و مال کی گاہک ہیں اسی لیئے صاحب عقل انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنا سودا اچھی اور کھری قیمت پر فروخت کرے اور کسی طرح کے نقصان دہ سودے سے اپنے آپ کو بچائے اللہ تعالیٰ نے مومن کی جان و مال کی قیمت کے اعلان کے لیئے "اجر، ثواب، ضعف اور اضعاف" جیسے الفاظ استعمال کیئے ہیں اور اگر کوئی بدبخت اپنی جان و مال کو کسی غلط آدمی کے ہاتھ بیچتا ہے تو اس طرح کے زیان آور سودے کو خدا نے (خُسْر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ہمیں سرِ بازار کھڑے ہو کر یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اگر ہمیں مالی نقصان ہو تو ہم اسے برداشت کر جائیں گے اور اگر ہم نے جان ہار دی تو پھر اس کا ہم سے کوئی ازالہ نہ ہو سکے گا کیونکہ جان صرف ایک ہی بار ملا کرتی ہے روز روز نہیں ملتی۔

☆ بعض اوقات انسان سے اس کا گھر اس کی دولت اور اس کے اعزاز چھن جاتے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ چھن جائے تو بھی قابل برداشت ہے لیکن انسان اپنے آپ کو اور اپنی انسانیت کو ہاتھوں سے نہ جانے دے اور اگر کوئی شخص اپنی انسانیت کو لٹاتا ہے تو یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔

(بقول علامہ اقبال:

سر بدہ از کف مدہ ناموس را   پشت پا زن تختِ کیکاؤس را

(اضافہ من المترجم)

پیام

۱۔ باطل کی گفتگو اگرچہ خوبصورت اور لچھے دار ہوتی ہے لیکن اس کے مقدر میں تباہی ہے۔ (ضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ)

۲۔ مالی نقصان چھوٹا نقصان ہے اور زندگی اور شخصیت کا گنوانا بڑا نقصان ہے۔ (خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ ... هُمُ الْأَخْسَرُونَ)

۳۔ دنیاوی نقصان کی تلافی ممکن ہے لیکن اُخروی نقصان کی تلافی ناممکن ہے۔ (فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ)

آیت نمبر 23

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے رہے یقیناً یہی جنت میں جانے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات

☆(أَخْبَتُوا) کا لفظ (خَبت) سے مشتق ہے جس کا معنی تسلیم وخضوع ہے اور اس کا معنی تسکین وآرام بھی ہے وعید وتہدید کے ساتھ ترغیب وتشویق بھی ہونی چاہیئے سابقہ آیات میں افتراء کرنے والوں کی سزائیں بیان کی گئی ہیں جب کہ اس آیت میں اہل حق کے اوصاف کو واضح کیا گیا ہے۔

پیام

۱۔ ہمیں اپنے ایمان اور چند صالح اعمال پر ناز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ سرتا سر تسلیم ہونا عبودیت کی شرط ہے۔ (آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ)

۲۔ انسان کی جزا کے لیئے قلبی اور معنوی حالات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ (أَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ)

آیت نمبر 24

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○

ترجمہ: ان دو فریقوں (اہل ایمان وکفار) کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا اور بہرا ہو (دوسری طرف) دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟

نکات

☆جس طرح انسانی وجود کان اور آنکھ رکھتا ہے اسی طرح سے دل اور روح بھی کان اور آنکھ رکھتے ہیں چنانچہ انسانی بدن جو کان اور آنکھ سے محروم ہو تو وہ آواز سننے اور اشیاء کو دیکھنے سے عاجز ہوتا ہے اسی طرح سے جو دل آنکھ اور کان سے محروم ہو وہ معارف الٰہی کے ادراک سے قاصر ہے۔

پیام

۱۔جس کی آنکھیں صرف مادی محسوسات تک محدود ہوں تو وہ شخص معنویت و آخرت کے مشاہدے سے عاجز ہوتا ہے اور وہ اندھوں جیسا ہے۔(مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ ...وَالْبَصِيرِ)

۲۔تبلیغ کے لیئے سوال جواب کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور لوگوں کے وجدان سے فیصلہ طلب کرنا چاہیئے۔(هَلْ يَسْتَوِيَانِ)

آیت نمبر 25-26

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے لوگوں سے کہا) میں تمہارے لیئے واضح تنبیہ کرنے والا ہوں (میری دعوت یہ ہے کہ) اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ میں تمہارے متعلق ایک درد دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

نکات

☆اولی العزم انبیاء میں سے حضرت نوح علیہ السلام پہلے اولی العزم رسول تھے آپ نے شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد کیا تھا۔طوفان نوح کے نتیجہ میں کفار کی نسلیں معدوم ہوگئی تھیں اور دنیا میں انسانوں کی نسل آپ کی صلب سے جاری ہوئی تھی اس لیئے آپ کو (آدم ثانی)اور (پدر دوّم) کہا جاتا ہے آپ کی عمر باقی انبیاء سے زیادہ تھی اسی لیئے آپ کو (شیخ الانبیاء) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

☆حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی تبلیغ میں قوم سے یہ کہا تھا کہ مجھے تمہارے متعلق ایک دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ممکن ہے کہ اس عذاب سے مراد طوفان کا عذاب ہو کیونکہ چند آیات بعد ہمیں کفار کے وہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں جو انہوں نے حضرت نوح کی دعوت کے جواب میں کہے تھے (فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ) آپ اس عذاب کو لے آئیں جس کا ہم سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

پیام

۱۔انبیاء کی تعلیم کا پہلا مرکز ان کا اپنا گھر ہوتا ہے اور ان کی تبلیغ کی مخاطب ان کی اپنی قوم ہوتی ہے۔(أَرْسَلْنَا ...إِلَىٰ قَوْمِهِ)

۲۔انبیاء لوگوں کو ان کے فائدے کے لیئے خبردار کیا کرتے تھے۔(إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ)

۳۔ایک غافل انسان ہر چیز سے پہلے تنبیہ کیئے جانے کی ضرورت رکھتا ہے۔(إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ)

۴۔پیام اور تبلیغ واضح الفاظ میں ہونی چاہیئے۔(نَذِيرٌ مُّبِينٌ)

۵۔انبیاء نے لوگوں کو جہاں عذاب الٰہی سے خبردار کیا وہاں ان کی مصلحتوں کو بھی واضح کیا۔(نَذِيرٌ مُّبِينٌ)

۶۔انبیاء کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ توحید الٰہی کا بیان ہے۔(اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ)
۷۔حضرت نوح کے زمانہ میں بھی شرک پایا جاتا تھا۔(لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ)
۸۔ہر انسان میں فطری طور پر عبادت کا جذبہ پایا جاتا ہے البتہ انبیاء اس کی جہت کو متعین کرتے ہیں۔(لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ)
۹۔انبیاء لوگوں کے خیر خواہ تھے۔(اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ)
۱۰۔ایک سچے مبلغ اور مربی کے لیئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو شرک کے خطرات سے آگاہ کرے۔(اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ)

آیت نمبر 27

فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیۡنَ ہُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَکُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۭ بَلۡ نَظُنُّکُمۡ کٰذِبِیۡنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ:ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہماری نظر میں تم ہم جیسے انسان ہو اور جن لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے ہماری نظر میں وہ ہمارے معاشرے کے ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں اور وہ سطحی سوچ رکھنے والے ہیں اور ہمیں کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی جس سے تمہیں ہم پر فضلیت حاصل ہو۔سچ تو یہ ہے کہ ہم تو تمہیں کاذب خیال کرتے ہیں۔

نکات

☆حق کے مخالفین ہمیشہ حق کو کمزور کرنے کے لیئے تین طرح کے حربے استعمال کیا کرتے ہیں۔
۱۔وہ انبیاء کو کمزور بنانے کے لیئے ان کی شخصیت کو کمتر ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی ہمارے جیسے انسان ہو تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔
۲۔انبیاء کی دعوت کو کمزور کرنے کے لیئے ان کے پیروکاروں کی تذلیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے پیروکار انتہائی گھٹیا قسم کے انسان ہیں۔
۳۔مخالفین کا تیسرا حربہ یہ ہے کہ وہ نبی کی دعوت کو کمزور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم سراسر جھوٹے اور افترا پرداز ہو۔یا پھر کہتے ہیں کہ تم جادوگر ہو اور تمہاری تعلیمات پرانے ادوار کی اساطیر پر مبنی ہیں اور یہ کہ تمہاری الہامی کتاب بھی ایک عام سی کتاب ہے اگر ہم چاہیں تو ایسی باتیں خود بھی بنا کر پیش کر سکتے ہیں۔

پیام

۱۔ مراعات یافتہ اشرافیہ طبقہ عموماً انبیاء کی مخالفت میں پیش پیش ہوتا ہے۔ (فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا)

۲۔ مستکبرین اپنے لیئے خصوصی حقوق کے قائل ہوتے ہیں اور وہ قانونی مساوات کو اپنے لیئے توہین سمجھتے ہیں۔ (هُمْ أَرَاذِلُنَا)

۳۔ وہ لوگ جن کی دنیا سے وابستگی کم ہوتی ہے وہ جلد ایمان لاتے ہیں۔ (وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا)

۴۔ دنیا پرست لوگوں کی نظر میں مال و دولت کی اہمیت ہوتی ہے حق وحقیقت کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ (وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ)

۵۔ انبیاء کے مخالفین کے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی ان کے نظریات محض تخمین وظن پر مبنی ہوتے ہیں۔ (بَلْ نَظُنُّكُمْ)

۶۔ کفار کی عقل ان کی آنکھوں میں ہوتی ہے چنانچہ اس ایک آیت میں (وَمَا نَرَى) (ہم نہیں دیکھتے) کے الفاظ کو تین بار دہرایا گیا ہے

آیت نمبر 28

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: (نوح نے) کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور خدا نے اپنی طرف سے مجھ پر رحمت (منصب نبوت) بھی کی ہے جو کہ تم سے مخفی ہے (کیا اس کے باوجود بھی تم سرپیچی کرو گے) کیا ہم تمہیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟

نکات

☆ سابقہ آیت میں کفار کی طرف سے تین اعتراضات کیئے گئے تھے اس آیت میں ان کے دو اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے۔

الف۔ کفار نے کہا کہ تم تو بھلا ہم جیسے انسان ہو۔ تم پھر نبی کیسے بن گئے؟ اس آیت میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ اگرچہ میں ظاہری طور پر تم جیسا ہی انسان ہوں مگر اس کے باوجود مجھ پر خدا کا خصوصی لطف وکرم ہوا ہے اور خدا کی طرف سے مجھ پر وحی بھیجی جاتی ہے۔

ب۔ کفار نے جب حضرت نوح پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ کے پیروکار انتہائی سادہ لوح اور کوتاہ فکر ہیں اس آیت میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ میرے ماننے والے اگرچہ ظاہری طور پر کمزور ہیں لیکن وہ اتنے عقل کے مالک ہیں کہ جب انہوں نے بینہ اور برہان کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے ایمان قبول کر لیا۔ وہ بے دلیل ایمان نہیں لائے۔ ☆ مخالفین کے الزامات پر انبیاء برہم

نہیں ہوتے اور وہ پوری وسعت قلبی سے ان کے ناجائز طعنوں کو سنتے ہیں اور دلیل و بُرہان سے اس کا جواب دیتے ہیں۔

پیام

۱۔انبیاءکرام اخلاق حسنہ کا مجسمہ ہوتے تھے وہ لوگوں کے ساتھ اخلاق سے باتیں کرتے تھے۔(قَالَ يٰقَوْمِ)

۲۔تبلیغ کے لیئے رشتہ داری کے جذبات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیئے۔(قَالَ يٰقَوْمِ)

۳۔انبیاء کی دعوت ہمیشہ دلیل و برہان پر مبنی ہوتی ہے۔(كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ)

۴۔مقام نبوت رحمت الٰہی ہے۔(رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ)

۵۔انبیاء اپنے کمالات کو خدا کی دَین سمجھتے ہیں(مِّنْ رَّبِّيْ ... مِّنْ عِنْدِهٖ)

۶۔جو شخص نبوت کی دلیل و بُرہان کا ادراک نہ کرے تو ایسا شخص دل کا اندھا ہے۔(فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ)

۷۔انسان دین و مذہب کے اختیار میں آزاد ہے۔(اَنُلْزِمُكُمُوْهَا)

۸۔جب تک کوئی انسان قبولیت حق کے لیئے ذہنی طور پر آمادہ نہ ہو اس وقت تک وہ نور وحی سے مستفید نہیں ہوسکتا۔(وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ)

آیت نمبر 29

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: (نوح نے جواب جاری رکھتے ہوئے کہا) امیری قوم! اس دعوت کے لیئے میں تم سے کوئی دولت نہیں مانگتا۔ میرا اجر بس خدا کے ذمہ ہے اور میں (تمہارے غلط مطالبہ پر) ایمان لانے والوں کو بھی اپنے پاس سے دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ یقینا یہ لوگ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں۔ (اور اس صورت میں وہ خدا کے حضور میری شکایت کریں گے) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔

پیام

۱۔ہر طرح کی لالچ اور معاوضہ سے بے نیاز ہو کر تبلیغ دین کرنا انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی ایک نشانی ہے۔(لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا)

۲۔کسی بھی مبلغ کی کامیابی کا راز اس بات میں مُضمر ہے کہ وہ دولت مند افراد سے مال و دولت کی توقع نہ رکھے۔(لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا) دین کے مبلغین کا اجر خدا کے پاس محفوظ ہے۔(اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ)

۳۔اگر انبیاء دنیا کے طلب گار ہوتے تو پھر فقراء کی بجائے دولت مندوں کی خوشامد کرتے۔(لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا)

۴۔اشرافیہ طبقہ کے افراد نے کہا تھا کہ ہم صرف اس صورت میں ایمان لائیں گے کہ پہلے غرباء وفقراء کو اپنے ہاں سے ہٹا دو۔لیکن انبیاء نے دوٹوک انداز میں ان کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا اور فرمایا:(مَآ اَنَا بِطَارِدِ) (میں انہیں دھتکارنے والا نہیں ہوں) جملہ اسمیہ اور حرف قطعیت کی علامت ہے۔

۵۔جس کی تبلیغ کا مقصد مال و دولت نہ ہو تو اس کی نظر میں امیر و غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔(مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۶۔ہمیں چاہیئے کہ متکبرین کی توقعات پر پورا نہ اتریں۔(مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۷۔کفار اہل ایمان کو گھٹیا اور پست قسم کے افراد سمجھتے تھے جب کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا میں ان کو ہٹا کر تمہیں لینا پسند نہیں کرتا۔(مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۸۔حکومت حق کو چاہیئے کہ وہ دولت مند طبقہ کی رضامندی کے لیئے محروم طبقہ سے اعتراض نہ کرے (مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۹۔جن کا خدا کے ہاں مقام ہو انہیں بارگاہ نبوت سے ہٹانا ظلم ہے(مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

۱۰۔قیامت کے کی یاد میں اتنا اثر ہے کہ اس سے ہر شخص کو قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔(مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ)

۱۱۔غربت کی وجہ سے کسی مومن کی تحقیر کرنا جاہلانہ فعل ہے۔(قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ)

۱۲۔جو لوگ اہل ایمان کو رذیل سمجھتے تھے قرآن نے انہیں جاہل اور بے عقل کہا ہے۔(قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ)(دولت مندی عقل وفہم کی دلیل نہیں ہے اور غربت وافلاس جہالت کی دلیل نہیں ہے)

۱۳۔ملاقات وشہود عرفان کا ایک ایسا درجہ ہے جس سے دولت مند طبقہ بے خبر ہے۔(الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ)

آیت نمبر 30

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰

ترجمہ:(حضرت نوح نے مفلس مومن کے ہٹانے جانے کے مطالبہ کے جواب میں کہا) اے لوگو! اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کے سامنے میری کون مدد کرے گا کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟

پیام

۱۔اہل ایمان کی تحقیر کرنا اور انہیں دھتکارنا ایک ایسا گناہ ہے جو کہ قہر الٰہی کا سبب بن سکتا ہے(حدیہ ہے کہ خواہ انبیاء کی طرف سے ہی

کیوں نہ ہو) (مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ طَرَدۡتُّہُمۡ)

۲۔قہرالٰہی کوروکنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔(مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ)

۳۔اگراہل ایمان کو دھتکار دیا جائے تو پھر دین خداوندی کی مدد کون کرے گا؟(مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ)

۴۔اللہ کی ناراضگی خرید کر مخلوق کی رضا حاصل نہیں کرنی چاہیئے۔(مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ طَرَدۡتُّہُمۡ)

۵۔اہل ایمان کی حوصلہ افزائی انبیاء پر فرض تھی۔وہ ذاتی یا اجتماعی وجوہات کی بنا پر اہل ایمان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے۔ (مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ)

۶۔تبلیغ میں اثر پیدا کرنے کے لیئے مخاطب افراد سے سوال بھی کیئے جائیں اور ان سے فیصلہ طلب کیا جائے۔(مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ ... اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ)

۷۔تمام کائنات اس امر کا اعتراف کرتی ہے کہ وہ قہرالٰہی کے سامنے عاجز ہیں البتہ بعض اوقات لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں (اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ)

آیت نمبر 31

وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّیۡ مَلَکٌ وَّلَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ لَنۡ یُّؤۡتِیَہُمُ اللّٰہُ خَیۡرًا ؕ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۚۖ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: (نوح نے کہا) میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور یہ بھی نہیں کہتا کہ میں (ذاتی طور پر) غیب جانتا ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نظر میں خوار ہیں میں ان کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ خدا انہیں ہرگز بھلائی نہیں دے گا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس سے اللہ بخوبی واقف ہے ورنہ (اگر اس کے علاوہ کچھ اور کہوں تو) میں ظالموں میں سے قرار پاؤں۔

نکات

☆مطلق علم غیب اور ہر چیز کے لیئے غیب کا علم رکھنا اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے (وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ) (انعام/۵۹) غیب کی چابیاں خدا کے پاس ہیں جسے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا بعض اوقات اللہ کے اذن وارادہ سے اولیائے الٰہی کے لیئے علم غیب کا دریچہ کھول دیا جاتا ہے (تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ) (ہود/۴۹) یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں لہٰذا عطائے پروردگار کے تحت انبیاء کو کچھ نہ کچھ علم غیب حاصل تھا ارشاد خداوندی

ہے:(عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ) (سورہ جن/۲۶) وہ غیب کے جاننے والا ہے اور اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو۔

☆صرف علم غیب ہی نہیں بلکہ تمام خارق عادت کاموں کو انجام دینے کی قدرت بھی خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔البتہ یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے کہ جسے چاہے خارق عادت افعال بجالانے کی قوت عطا کرے۔مثلاً موت وحیات پر خدا کا قبضہ ہے (وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا) (نجم/۴۴) وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مردہ زندہ کرنے کی قوت عطا فرمائی تو انہوں نے یہ کہا (اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ) میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں موت دینا خدا کا کام ہے (اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ) (الزمر/۴۲) اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے ادھر ملک الموت کو خدا نے مارنے کا اختیار دیا تو فرمایا (یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ) ملک الموت تمہیں مارے گا۔ (سجدہ/۱۱) کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ (اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ) (رعد/۱۶) مگر جب خدا نے اپنی قدرت سے حضرت عیسیٰ کو پرندہ پیدا کرنے کی طاقت دی تو انہوں نے پرندہ بنایا اور اسے ہوا میں اڑایا۔ (وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ) (المائدہ/۱۱۰) (اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے تھے)

پیام

۱۔انبیائے کرام کھوکھلے دعوے نہیں کیا کرتے ان کا کام دعوت اور ان کا ہدف رہنمائی ہوتا ہے اور وہ بھی خدا کی بندگی کے حدود میں رہتے ہوئے۔(وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ)

۲۔علم غیب اور خدائی خزانوں کا مالک ہونا نبوت کی شرط نہیں ہے (وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ)

۳۔انبیاء کا ہدف معنوی رہنمائی ہوتی ہے مادی دولت تقسیم کرنا ان کا ہدف نہیں ہوتا۔(وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ)

۴۔ہم تک جو بھی نعمت پہنچتی ہے خدا کے ہاں اس کا سرچشمہ اور خزانہ ہے چنانچہ لفظ (خزائن) جمع ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر نعمت کے لیئے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔

۵۔اولیائے الٰہی کے متعلق ہمیں غلو سے کام نہیں لینا چاہیئے۔(وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ)

۶۔قوم نوح کا اشرافیہ طبقہ ظاہر بین تھا۔(تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ)

۷۔دوسروں کے متعلق فیصلہ کرتے وقت صرف ان کے ظاہر پر نگاہ نہیں کرنی چاہیئے۔(تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ)

۸۔گمنام اور کمزور اہل ایمان پر اپنا لطف وکرم نازل کیا کرتا ہے اور اس کے لیئے وہ معاشرے کے اشرافیہ سے صلاح مشورہ نہیں کرتا (تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ)

۹۔خدا کے لطف وکرم کا معیار انسان کی باطنی اور معنوی صلاحیتوں پر ہے (اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ)

۱۰۔غرباء ومفلس افراد کو اللہ کی رحمت سے محروم سمجھنا ظلم ہے (اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ)

۱۱۔ہمیں جھوٹے دعووں اور کھوکھلے نعروں سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے (اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ)

آیت نمبر 32

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ﴿۳۲﴾

ترجمہ: انہوں (مخالفین) نے کہا کہ اے نوح! تونے ہم سے بہت زیادہ مباحثہ کرلیا ہے (اب زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے) اگر تو سچا ہے تو پھر ہمارے پر اس عذاب کو لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کر رہا ہے۔

نکات

☆ اگر مجادلہ (مباحثہ) حق کے لیئے ہو تو اس کی بڑی قدر و قیمت ہے (وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ) (النحل/ ۱۲۵) اور مخالفین کے ساتھ احسن انداز سے مباحثہ کرو۔ اور اگر مجادلہ ومباحثہ کا مقصد باطل کا اثبات ہو تو پھر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے (مومن/ ۵) اور وہ باطل ذرائع سے جھگڑتے رہے تاکہ اس سے حق کو نا کام بنا دیں۔

پیام

۱۔ انبیاء اپنی دعوت پر مستقل مزاجی سے قائم رہے تھے۔ (جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا)

۲۔ حق کے مخالف حق کی منطق و برہان کو جنگ وجدال سے تعبیر کرتے ہیں۔ (قَدۡ جٰدَلۡتَنَا)

۳۔ خدا کی طرف سے ملنے والی مہلت کو صداقت کی علامت نہیں سمجھنا چاہیئے۔ (فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ)

۴۔ انسان ہر بات میں جلد بازی کرتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اپنے لیئے نزول عذاب کے لیئے بھی جلد بازی کرتا ہے۔ (فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ)

۵۔ جب کفار نے اپنی بربادی کے لیئے حضرت نوح کو مسلسل چیلنج کیا تو انہوں نے ان کے لیئے عذاب کی درخواست کی۔ (فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ)

۶۔ کفار کسی منطق کے قائل نہیں ہیں وہ مذاکرات ختم کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ (فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ)

۷۔ حضرت نوح مسلسل عذاب کی آمد سے ڈراتے رہتے تھے اسی لیئے آیت میں تَعِدُنَاۤ کا جملہ ہے اس کی بجائے () کے الفاظ نہیں ہیں۔

۸۔ کفار کو انبیاء کی صداقت پر شک تھا یا انہیں ان کے بیان پر شک تھا۔ (اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ)

آیت نمبر 33-34

قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۝۳۳
وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ ؕ
هُوَ رَبُّکُمْ ۣ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۳۴

ترجمہ: حضرت نوح نے کہا کہ اگر خدا چاہے تو تم پر عذاب لائے گا اور تم اسے عاجز نہ کرسکو گے اور اگر خدا نے (تمہاری عدم لیاقت کی وجہ سے) تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تو میری نصیحت وخیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی خواہ میں تمہاری کتنی ہی خیر خواہی کروں وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

نکات

☆ لفظ (نصح) اس کام یا کلام کو کہا جاتا ہے جس کا مقصد اصلاح ہو اور اخلاص پر مبنی ہو اور لفظ (غیّ) کا اطلاق اس جہالت پر ہوتا ہے جو فاسد عقیدہ کی پیداوار ہو اور (اضلال) اور (اغواء) کا باہمی فرق یہ ہے کہ (ضالّ) ہدف کو پہچانتا ہے لیکن وہ راہ سے بھٹک چکا ہوتا ہے جب کہ (اغواء) اس گمراہی کو کہا جاتا ہے جس میں ہدف بھی ناپید ہو اور راستہ بھی مفقود ہو۔

☆ (اضلال) اور (اغواء) کی خداوند عالم کی طرف نسبت کا تعلق از مجازات سے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے غلط انتخاب کی بنا پر غلط راستے کا انتخاب کرتا ہے تو پھر خدا اسے اسی پر ہی رہنے دیتا ہے۔ ورنہ خدا نہ تو کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو خواہ مخواہ بھٹکنے پر مجبور کرتا ہے۔ گمراہی کی ابتدا انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور جب انسان گمراہی کو پسند کر لیتا ہے تو خدا کی طرف سے اس سے توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ (وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ○) (البقرہ/۲۶)

پیام

۱۔ پیغمبر تبلیغ پر مامور ہوتا ہے جب کہ گمراہوں کو سزا دینے کا اختیار خدا کے پاس ہے۔ (اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ)
۲۔ کوئی بھی چیز خدا کو کسی کام پر مجبور نہیں کرسکتی حد یہ ہے کہ تہدید کے بعد بھی وہ مجبور نہیں ہوتا۔ (اِنْ شَآءَ)
۳۔ کفار کے مقدر میں عذاب لکھا جا چکا ہے لہٰذا وہ اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ (مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ)
۴۔ انبیاء لوگوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ (نُصْحِیْٓ)
۵۔ خدا کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے۔ (وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ ....اِنْ کَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ) حد یہ کہ پیغمبر کی خیر خواہی کا جذبہ بھی اسی کے ارادہ کے تحت ہے۔
۶۔ مخالفین کی ضد بازی کے باوجود بھی انبیاء پر دین کی تبلیغ فرض ہے۔ (اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ)

۷۔جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق یہ احتمال ہو کہ اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا تو اس حالت میں امر و نہی واجب نہیں رہتی۔(وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ۔۔۔اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ)

۸۔لوگوں کی ہدایت اور گمراہی ارادہِ خداوندی کے دائرے سے خارج نہیں ہے۔(یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ)

۹۔جب گمراہوں کی گمراہی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اپنے منہ سے عذابِ الٰہی کا مطالبہ کرنے لگ جائیں اور (فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ) کہنے لگیں تو ان کو گمراہی کی وادی میں چھوڑ دینا بھی ربوبیت کا ایک تقاضا ہے۔(اَنْ یُّغْوِیَکُمْ ھُوَ رَبُّکُمْ)

۱۰۔انبیاء کی نصیحتوں کو قبول نہ کرنا خدائی عذاب ہے۔(لَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ۔۔۔اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ)

۱۱۔اگر بالغرض اس دنیا میں کسی بدکار کو خدا کی طرف سے کوئی سزا بھی نہ ملے تو بھی اسے خوش نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ قیامت برحق ہے جہاں خدا نے تمام فیصلے کرنے ہیں۔(ھُوَ رَبُّکُمْ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ)

۱۲۔خدا کی طرف لوٹائے جانے میں ہر شخص مجبور ہے اسی لیئے (تُرْجَعُوْنَ) فعل مضارع مجہول کے صیغہ سے آیا ہے اور اس کی بجائے (ترجعون) فعل مضارع معروف کے صیغہ سے نہیں آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو جبراً خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

آیت نمبر 35

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ۝۳۵

ترجمہ: کیا کفار و مشرکین یہ کہتے ہیں کہ محمد نے تمام باتوں کا خدا پر افترا کیا ہے آپ کہہ دیں کہ (اگر بالفرض) میں نے افترا باندھا ہے تو اس کا مجرم میں ہی ہوں جبکہ میں اس جُرم سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو (کہ تم میری طرف افترا کی نسبت دے رہے ہو)۔

نکات

☆"اِجرام" و "جُرم" دونوں کا تعلق ایک ہی مادہ سے ہے جس کا لفظی معنی کچے پھل کا توڑنا ہے۔ بعدازاں یہ لفظ ہر ناپسندیدہ کام اور خلاف واقع معاملات کے لیئے استعمال کیا گیا ہے

پیام

۱۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مشرکین کے اعتراضات کے جواب کا طریقہ سکھایا ہے۔(یَقُوْلُوْنَ۔۔۔قُلْ)

۲۔خود ساختہ مطالب کو خدا کی طرف منسوب کرنا جُرم اور گناہ ہے۔(اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ)

۳۔ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے۔(اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ)

۴۔مشرک سے بیزاری کرنی چاہیئے۔(وَاَنَا بَرِیْٓءٌ)

۵۔شرک جرم ہے۔(مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ)

آیت نمبر 36

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ آپ کی قوم میں سے اور کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا لہٰذا یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے آپ رنجیدہ نہ ہوں۔

نکات

☆ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیئے یہ بددعا کی تھی۔ (رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا) (نوح/۲۶۔۲۷) روئے زمین پر کسی بھی چلتے پھرتے کافر کو زندہ نہ رکھ۔ اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل میں صرف بدکار کافر ہی پیدا ہوں گے حضرت نوح کی مذکورہ بالا بددعا اس وحی کے بعد ہوئی جس میں آپ کو بتایا گیا کہ اب تمہاری قوم میں سے اور کوئی بھی شخص ایمان نہیں لائے گا۔

پیام

۱۔ انسان کبھی ایسی گمراہی میں چلا جاتا ہے کہ اس کی نجات کا کوئی بھی راستہ باقی نہیں رہتا۔ (لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ)

۲۔ انبیاء اگرچہ بڑے شفیق اور ہمدرد ہوتے تھے۔ خدا نے انہیں یہ تعلیم دی کہ وہ منکرین حق کی بربادی پر کوئی غم نہ کریں۔ (فَلَا تَبْتَىِٕسْ)

۳۔ تبلیغ ایسے افراد کو کرنی چاہیئے جن کی اصلاح کی توقع موجود ہو۔ (فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ)

آیت نمبر 37

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: (اے نوح!) آپ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیں اور ظالموں کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔ یقیناوہ ڈوبنے والے ہیں۔

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے ارادوں کو فطری علل واسباب سے بروئے کار لاتا ہے اسی لیئے ہمیں غیبی امور کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ (وَاصْنَعِ

الْفُلْكَ)
۲۔اولیاء اللہ کے لیئے کام کرنا معیوب نہیں ہے۔(وَاصْنَعِ الْفُلْكَ)
۳۔لوگوں کی نجات کے لیئے صرف تبلیغ اور تقریر ہی کافی نہیں ہے اس کے لیئے وسیلہ نجات کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔(وَاصْنَعِ الْفُلْكَ)
۴۔کشتی سازی کی تاریخ بہت پرانی ہے حضرت نوح کے زمانہ میں اس کا سراغ ملتا ہے۔(وَاصْنَعِ الْفُلْكَ)
۵۔جب کسی کو یہ یقین ہو کہ خدا براہ راست اس کے عمل کی نگرانی کر رہا ہے تو اس سے قوت کار میں اضافہ ہوتا ہے اور جذبات کو جوانی ملتی ہے۔(وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا)
۶۔صنعتی ایجادات اور انکشافات کا تعلق خدائی الہامات سے ہے۔(اصْنَعِ...بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا)
۷۔ظالموں کے لیئے انبیاء کی شفاعت غیر موثر ہوتی ہے۔(وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا)
۷۔انبیاء کے سامنے ضد بازی کرنا ظلم ہے۔(فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا)
۹۔جب تقدیر کا فیصلہ ہو جائے تو اس کے بعد ہر طرح کی شفاعت غیر موثر ہوتی ہے۔(وَلَا تُخَاطِبْنِي....اِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ)
۱۰۔ظالم افراد کسی بھی وقت خدا کی گرفت میں آسکتے ہیں۔(اِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ)
۱۱۔اللہ تعالیٰ بے گناہوں کو عذاب سے بچا لیتا ہے۔(وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ)

آیت نمبر 38

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸

ترجمہ: اور نوح فرمان الٰہی کے تحت کشتی بنانے لگے اس دوران اس کی قوم کے سرداروں کا جب اس کے پاس سے گزر ہوتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے۔نوح کہتے جس طرح سے تم مذاق اڑا رہے ہو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے۔

نکات

☆مخالفین کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اہل حق کا مذاق اڑاتے ہیں اسی لیئے ہمیں مخالفین کی طنز وتشنیع سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ کفار ومشرکین نے انبیاء کو بھی معاف نہیں کیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت نوح کشتی بنانے میں مصروف تھے تو کوئی مذاق کر کے کہتا کہ لو،اب انہوں نے نبوت چھوڑ کر بڑھئی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے!! کوئی یہ کہتا کہ حضرت! کشتیاں دریاؤں میں چلا کرتی ہیں آپ دریا کہاں سے لائیں گے؟! کیا آپ کی کشتی خشکی پر چلے گی؟! امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے

اسی برس تک کشتی بناتے رہے تھے۔ (تفسیر برہان) یہ کشتی وہاں بنائی گئی جہاں اب مسجد کوفہ ہے (نور الثقلین) کشتی کی لمبائی چارسو میٹر اور چوڑائی چالیس میٹر کی تھی۔ (نور الثقلین)

پیام

۱۔ انبیاء حکم خداوندی پر عمل کرتے ہیں۔ (اصْنَعِ الْفُلْكَ... يَصْنَعُ الْفُلْكَ)

۲۔ حضرت نوح نے کھلی جگہ پر کشتی بنائی تھی جہاں سے لوگوں کی آمد ورفت رہتی تھی۔ (مَرَّ عَلَيْهِ)

۳۔ کفار حضرت نوح کا مذاق اس لیئے اڑاتے تھے کہ انہیں اپنی اکثریت اور قوت کا گھمنڈ تھا۔ (كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا)

۴۔ انبیاء کا کام تبلیغ اور دشمنانِ حق کا کام انبیاء کو اذیت دینا ہے۔ اور یہ سلسلہ نبی کی بعثت سے لے کر آخر تک جاری رہتا ہے۔ (كُلَّمَا مَرَّ)

۵۔ اگر ہمیں کسی کام کی (بالخصوص انبیاء کے کام کی) حکمت معلوم نہ ہو تو پھر اس کا مذاق نہیں اڑانا چاہیئے۔ (كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ.... سَخِرُوْا مِنْهُ)

۶۔ جب حق کے مخالفین کے پاس منطق واستدلال باقی نہیں رہتی تو پھر وہ مذاق اڑانے کے حربے پر اتر آتے ہیں۔ (سَخِرُوْا مِنْهُ)

۷۔ لوگوں کی تنقید اور اعتراضات کی وجہ سے ہمیں اپنا عمل نہیں چھوڑنا چاہیئے اور مستقبل کے لیئے زمین ہموار کرنے سے غفلت نہیں کرنی چاہیئے۔ (يَصْنَعُ الْفُلْكَ.... سَخِرُوْا مِنْهُ)

۸۔ حضرت نوح کے پیروکار کشتی سازی کے عمل میں ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ (اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ)

۹۔ دشمنوں کے مخاطب اگرچہ حضرت نوح ہی تھے لیکن ان کا ہدف حضرت کے آئین اور پیروکاروں کی توہین تھا۔ (سَخِرُوْا مِنْهُ.... تَسْخَرُوْا مِنَّا)

۱۰۔ استہضرا میں پہل کرنا بری بات ہے اور استہضرا کا ترکی بہ ترکی جواب دینا عین عدل ہے۔ (اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ) قرآن کریم میں ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے (جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا) (شوریٰ ر ۴۰) برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

۱۱۔ جب دشمن ہمارا استہزا کرے تو ہمیں بھی ردعمل کے طور پر اس کا استہزا کرنا چاہیئے۔ (اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ)

آیت نمبر 39

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پس تم عنقریب دیکھ لوگے کہ رسوا کرنے والا اور جاودانی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔

نکات

☆ تفسیر المیزان میں مرقوم ہے کہ ''رسوا کرنے والے عذاب'' سے دنیا میں غرق ہونا ''جاودانی عذاب'' سے قیامت کا عذاب مراد ہے۔

پیام

۱۔ کفار کے استہزا کے جواب میں جب ان سے استہزا کیا جائے تو اس میں انذار وتہدید کا عنصر بھی شامل ہونا چاہیئے۔ (فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ)

۲۔ اگر ایمان باللہ کی وجہ سے کسی مومن کا مذاق اڑایا جائے تو پھر اسے چاہیئے کہ مذاق اڑانے والے کافر کے جاودانی عذاب پر نظر کرے اس سے اسے تسلی محسوس ہوگی۔ (يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ)

۳۔ مسخرہ کرنے والے کفار کے لیئے اُخروی عذاب ہمیشہ کے لیئے ہوگا۔ (عَذَابٌ مُّقِيْمٌ)

آیت نمبر 40

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: (کفر اور طنز کا سلسلہ جاری تھا کہ) ہمارا قہر نازل ہوا اور تنور (سے پانی) ابلنے لگا تو ہم نے کہا کہ (اے نوح) ہر جوڑے میں سے دو دو کشتی پر سوار کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی بات پہلے ہو چکی ہے اور ان کو بھی (سوار کرو) جو ایمان لا چکے ہیں۔ ان پر بہت تھوڑے سے افراد ایمان لائے تھے۔

نکات

☆ ''تنور'' سے مراد وہی تنور ہے جو فارسی (اور اردو) میں استعمال ہوتا ہے۔ اور تنور سے پانی ابلنے کا یہ مفہوم ہے کہ اس وقت قہر الٰہی اپنے جوبن پر تھا کہ آگ بھڑکانے کی جگہ سے پانی ابلنے لگ گیا۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے پانی کے ابلنے کا آغاز تنور سے ہوا تھا۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ بعض روایات میں مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں جہاں ہر جانور کا جوڑا بٹھایا وہاں اپنی کشتی میں درخت بھی ساتھ رکھے۔ (تفسیر روح المعانی) اس کی غالباً وجہ یہ تھی انہیں ہر چیز کے جوڑے کو سوار کرنے کا حکم ملا تھا اور نر و مادہ کا جوڑا صرف حیوانات تک ہی مخصوص نہیں ہے البتہ ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز کے دو جوڑوں سے ایک گھریلو جوڑا اور ایک صحرائی جوڑا مراد ہے (تفسیر نور الثقلین)

☆ تفسیر روح المعانی میں مرقوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے کنعان ہلاک ہو گیا۔ سام کی نسل سے عرب پھیلے اور

حام کی نسل سے سیاہ فام پھیلے اور یافث کی نسل سے ترک پھیلے۔ ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح کی ایک بیٹی بھی تھی جو کہ صاحبِ ایمان تھی وہ بھی حضرت کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئی تھی (تفسیر نور الثقلین) ☆ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب اللہ نے قوم نوح پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کیا تو ان کی عورتوں کو بانجھ بنا دیا اور یہ سلسلہ چالیس سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد خدا کا عذاب نازل ہوا۔ اور چالیس سال تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ (بحار جلد ۱۱/ ۳۱۲)

پیام

۱۔ عذاب خداوندی کے آنے تک کفار کی طرف سے استہزا کا سلسلہ جاری رہا۔ (حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا)

۲۔ حضرت نوح کی داستان انتہائی اہم تھی۔ (اَمْرُنَا)

۳۔ پانی کا ابلنا اور اس کا جوش امرِ خداوندی کے تحت ہے۔ (جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ)

۴۔ اللہ تعالیٰ کے کارنامے بھی نرالے ہیں تنور آگ کا مقام ہے وہاں سے پانی کو جاری کر دیا اور آگ کو ابراہیم کے لیئے گلستان کر دیا۔ پانی زندگی کی علامت ہے اس کے ذریعہ سے پوری نسل کو تباہ و برباد کر دیا۔ (فَارَ التَّنُّوْرُ)

۵۔ حیوانی نسل کو معدوم ہونے سے بچایا جائے۔ (احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ)

۶۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی مومن کے تمام افراد خاندان بھی مومن ہوں۔ حضرت نوح نبی تھے لیکن ان کی بیوی اور بیٹا کافر تھے۔ (اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ)

۷۔ حق کے مددگار ہر دور میں بہت کم رہے ہیں۔ (وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ) ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر صرف اسی افراد ایمان لائے تھے۔ (تفسیر نور الثقلین)

آیت نمبر 41

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور اس (نوح) نے (مسافرینِ کشتی سے) کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور اس کا رکنا اللہ کے نام سے مربوط ہے۔ یقینا میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات

☆حضرت ابوذر غفاری رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مشہور صحابی تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خانہ کعبہ کی زنجیر در کو پکڑا اور بلند آواز سے کہا کہ اے لوگو! میں نے پیغمبر اکرم سے اپنے ان دو کانوں سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمایا کرتے تھے: (مَثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح، مَن رَکبها نجیٰ و مَن تخلّف عنها هلك) میری اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ہلاک ہو گیا اس حدیث کو حضرت ابوذر کے علاوہ صدر اسلام

کے اور بھی بہت بزرگوں مثلاً ابوسعید خدری، ابن عباس، عبداللہ بن زبیر اور انس بن مالک نے بھی بیان کیا ہے اور یہ حدیث اہل سنت کی مشہور کتابوں میں مرقوم ہے جن میں چند ایک کے نام یہ ہیں ۱۔معجم کبیر طبری۔ ۲۔مستدرک حاکم۔ ۳۔تفسیر ابن کثیر۔ ۴۔تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ۵۔عیون الاخبار ابن قتیبہ۔ ۶۔ذخائر العقبیٰ طبری۔ ۷۔تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ۸۔حلیۃ الاولیاء ابونعیم۔ ۹۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ ۱۰۔روح المعانی آلوسی ایسی تمام کتابوں کی تفصیل کے لیئے احقاق الحق جلد ۹/ ۲۷۰ اور بعد کے صفات کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر اس حدیث سفینہ کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس متواتر حدیث کو شامل کریں جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے بنیں گے ان میں سے ایک ناجی ہوگا اور باقی ہلاک ہو جائیں گے تو "ناجی فرقہ" واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اکرم نے واضح کیا ہے کہ نجات وہی پائے گا جو کشتی اہل بیت پر سوار ہو گا۔ "من رکبھا نجیٰ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات پانے والا فرقہ صرف اہل بیت کے پیروکاروں کا ہے۔

☆ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ کشتی یکم رجب کو مسجد کوفہ سے چلی تھی۔ (تفسیر نور الثقلین) (الکافی جلد ۳/ ۴۹۲)

پیام

۱۔ ہر کام کا آغاز اللہ کے نام سے ہونا چاہیئے۔ اور یہ خدا پر توکل اور اس سے مدد طلب کرنے اور اس کام کو خدائی رنگ دینے کی علامت ہے۔ (ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ)

۲۔ حرکت اور توقف کا تعلق خدا کی مدد سے ہونا چاہیئے۔ (بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا)

۳۔ کشتی کی حیثیت ایک وسیلہ سے زیادہ کی نہیں ہے انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ خدا کو یاد کرے کیونکہ تمام چیزیں اس کے ارادہ کی تابع ہیں۔ (ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ)

۴۔ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں مومن صرف وہی تھے جو ان پر ایمان لائے تھے مگر وہ اہل ایمان عیب اور گناہ سے خالی نہ تھے اسی لیئے حضرت نوح نے فرمایا تھا کہ میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ (اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)

۵۔ حضرت نوح کے پیروکاروں کی نجات خدا کی ربوبیت اور اس کی شان مغفرت و رحمت کا ایک شمہ تھی۔ (ارْكَبُوْا ۔۔۔ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)

آیت نمبر 42

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ○

اور کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو کہ کچھ فاصلہ پر کھڑا تھا۔ اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھی نہ بنو۔

نکات

☆ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے سے جو گفتگو کی تھی وہ کشتی روانہ ہونے سے پہلے ہوئی تھی ورنہ جب کشتی چلی تو پہاڑوں جیسی امواج میں اس کا کچھ فاصلے پر کھڑا ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ اور بلند و بالا طوفانی موجوں میں اسے سوار کرنا ناممکن تھا۔ (تفسیر روح المعانی)

سوال۔ حضرت نوح نے صرف اپنے بیٹے کو ہی سوار ہونے کی دعوت کیوں دی تھی؟

جواب ا۔ ہر انسان پر اولاد کے لیئے بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ۲۔ جب حضرت نوح نے اپنے کو کچھ فاصلے پر کھڑا دیکھا تو ممکن ہے کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ حق کو ماننے پر آمادہ ہو چکا ہے اسی لیئے آپ نے اس کو آواز دی ہو۔ ۳۔ ممکن ہو کہ اس لیئے آواز دی ہو کہ باقی لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہو کہ عذاب بہت سخت ہے اسی لیئے وہ اپنے بیٹے کو عذاب سے بچنے کے لیئے آواز دے رہے ہیں۔

☆ تفسیر نور الثقلین کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ وہ بیٹا حضرت نوح کی بیوی کا بیٹا تھا۔ اور وہ اس کے پہلے شوہر سے تھا۔ اس لیئے اس کے مرنے کے بعد حضرت نوح نے اس سے نکاح کیا تھا اور یہ لڑکا ماں کے ساتھ حضرت کے گھر آ گیا تھا

عرض مترجم۔ یہ روایت دل کو نہیں لگتی کیونکہ قرآن میں یہ الفاظ ہیں "وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ" نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی یہاں "ابْنَهٗ" ہے اگر وہ بیٹا حضرت کا بیٹا نہ ہوتا تو یہاں "اِبْنَهَا" کے الفاظ دکھائی دیتے۔ حضرت نوح نے اسے "يٰبُنَيَّ" کہہ کر خطاب کیا تھا۔ لہٰذا یہ روایت کسی طور بھی قابل قبول نہیں ہے۔ (اضافة من المترجم)

☆ جس دن حضرت نوح کشتی پر سوار ہوئے تو آپ نے اس دن روزہ رکھا تھا آپ نے ساتھیوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ روزہ خطرات سے نجات کی علامت ہے (تفسیر مجمع البیان)

☆ حضرت نوح کی کشتی اتنی مضبوط تھی کہ وہ پہاڑ جیسی موجوں پر بھی بے خطر چلتی رہی۔ اس سے حضرت نوح کے کمالِ ہنر کا پتہ چلتا ہے۔

پیام

۱۔ نجات پانے والوں کو اگرچہ کشتی نجات نصیب ہوئی تھی۔ اور انہیں حضرت نوح جیسا ناخدا میسّر آیا تھا لیکن اس کے باوجود ان کا تلاطم خیز موجوں سے واسطہ رہا تھا۔ (فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ)

۲۔ ہمیں آخری وقت تک لوگوں کے نجات کی فکر کرتے رہنا چاہیئے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (نَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ)

۳۔ گوشہ گیری اور عزلت نشینی ذریعہ نجات نہیں ہے۔ (فِيْ مَعْزِلٍ)

۴۔ اولاد کی صحیح رہنمائی والدین کا فریضہ ہے۔ (يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا)

۵۔ صُحبت انسان کے افکار و کردار پر اثرات مرتب کرتی ہے چنانچہ ایک نبی زادہ نے کافروں کی صحبت اختیار کی تو وہ بھی آئین حق کو

چھوڑ بیٹھا۔(لَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ) شیخ سعدی نے کیا ہی خوب کہا تھا:

پسر نوح بابدان بنشست خاندان بنوتش گم شد

فرزند نوح برے لوگوں کے ساتھ بیٹھا تو اپنے خاندان نبوت کو گم کر بیٹھا۔

۶۔کافروں کی جماعت کا فرد ہونا ہی خطرناک نہیں ہے کافروں کی جماعت کے ساتھ کھڑا ہونا بھی خطرناک ہے۔(لَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ)

۷۔کفر آلود ماحول شریف خاندان کے افراد کو بھی بگاڑ دیتا ہے۔(لَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ)

آیت نمبر 43

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ○

پسر نوح نے کہا میں بہت جلد پہاڑ کی پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے مگر جس پر وہ رحم کرے۔اوران دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے بن گیا۔

نکات

☆امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ طوفان نوح کے وقت خانہ کعبہ کے علاوہ پوری زمین ڈوب گئی تھی۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔خطرات ومشکلات کے وقت ایک توحید پرست خدا سے پناہ چاہتا ہے اور ایک مشرک پہاڑ سے پناہ طلب کرتا ہے۔یادرکھیں شرق وغرب اور مال ومقام کا سہارا شرک ہے۔(سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ)

۲۔خدائی عذاب کے وقت بلند وبالا پہاڑ بھی پانی جیسی نرم ونازک چیز کے مقابلہ پر مدد دینے کے قابل نہیں ہوتے۔(لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ)

۳۔زندگی کا دارومدار پانی پر ہے لیکن بعض اوقات یہی پانی امر الٰہی سے ہلاکت وعذاب کا سبب بن جاتا ہے۔(لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ)

۴۔طبعی حوادث اتفاق پر مبنی نہیں ہیں۔یہ خدا کے پُرحکمت فرمان کا نتیجہ ہوتے ہیں۔(اَمْرِ اللّٰهِ)

۵۔خدا کے قہر سے بچنے کے لیئے خدا کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیئے۔(لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ ....اِلَّا مَنْ رَّحِمَ)

۶۔(مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ) کا نتیجہ (مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ) کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

۷۔خدا کے سامنے خاندانی روابط اور رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دیتی۔نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کی آنکھوں کے سامنے ڈوبتا رہا اور باپ اپنے بیٹے کی کوئی مدد نہ کرسکا۔(وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ)

۸۔اللہ تعالیٰ صرف رحیم ہی نہیں حکیم بھی ہے وہ ایسا رحیم ہے کہ بچے کی پیدائش سے بھی پہلے اس کی ماں کے سینہ کو دودھ سے بھر دیتا ہے اور اتنا حکیم ہے کہ باپ کی نگاہوں کے سامنے اس کے بیٹے کو ہلاک کردیتا ہے۔(مِنَ الْمُغْرَقِينَ)

آیت نمبر 44

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○

(اور جب طوفان ہر جگہ پھیل گیا تو) کہا گیا اے زمین! اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان! اپنے پانی کو روک لے۔ پانی تہ نشین ہوگیا اور معاملہ اختتام کو پہنچا اور کشتی کوہ جودی کے دامن پر لنگر انداز ہوئی۔(اس وقت) کہا گیا کہ ظالم قوم کے لیئے رحمتِ الٰہی سے دُوری ہو۔

نکات

☆ یہ آیت مجیدہ قرآن کریم کی انتہائی مؤثر اور بلیغ ترین آیات میں سے ہے۔عصر پیغمبر سے لے کر آج تک کے جملہ ادیب اس کے حسن و جمال کو سراہتے آئے ہیں۔کچھ لوگوں نے قرآن کے مقابلہ کی کوشش کی تھی لیکن جب وہ اس آیت مجیدہ پر پہنچے تو اس کے ظاہری اور معنوی حُسن کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور قرآن کے مقابلہ سے دست کش ہو گئے۔

☆ (بَلَعَ) کے معنی نگل جانے کے ہیں (اِقلاع) کے معنی روک لینے کے ہیں اور (غِیض) کے معنی جذب ہونے اور پانی کے کم ہونے کے ہیں

☆ (جُودی) یا تو مطلقاً سخت پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔یا پھر یہ کسی مخصوص پہاڑ کا نام ہے اور اس کے محل وقوع میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ماہرین جغرافیہ کے اس کے متعلق چار اقوال ہیں۔ ۱۔موصل (عراق) میں پائے جانے والا ایک پہاڑ ہے۔ ۲۔یہ پہاڑ شام کی حدود میں ہے۔ ۳۔یہ پہاڑ موصل اور جزیرہ کے درمیان واقع ہے۔ ۴۔ترکی میں جبال ارارات کے ایک سلسلہ کا نام ہے۔

☆ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ کشتی نوح چھ ماہ تک پانی پر تیرتی رہی اور مکہ وحجاز کی سرزمین سے ہوتی ہوئی تہذیب الاحکام کی روایت کے مطابق مسجد کوفہ میں لنگر انداز ہوئی۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کشتیِ نوح نوروز کو پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی تھی۔(بحار جلد ۱۱ / ۳۴۲)

پیام

۱۔آسمان و زمین شعور رکھتے ہیں۔اور حکم الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں۔(يَا أَرْضُ ۔۔۔يَا سَمَاءُ ۔۔۔۔) اور ان کی اطاعت رغبت کے

تحت ہے نہ کہ جبر سے (فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ○) (ختم السجدہ/۱۱) پھر خدا نے زمین وآسمان سے کہا دونوں آجاؤ خواہ خوشی سے خواہ کراہت سے۔ ان دونوں نے کہا ہم بخوشی آ گئے۔

۲۔ ظالموں کی ہلاکت کے بعد بھی ظالم پر لعنت کرنی چاہیئے۔ (بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ)

آیت نمبر 45

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ○

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور (میرے اہل کے نجات کا) تیرا وعدہ حق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

نکات

☆اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا تھا کہ میں تجھے اور تیرے خاندان کے افراد اور جملہ اہل ایمان اور تمام موجودات ارضی کے دو دو جوڑوں کو نجات دوں گا البتہ جس کے متعلق میرا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے اسے نجات نہیں دوں گا اس سے حضرت نوح سمجھے کہ میرے پورے خاندان میں صرف میری بیوی ہی ہلاک ہوگی۔ اسی لیئے انہوں نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی اور اس کی نجات کے لیئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی تھی

☆اگر نوح کو معلوم ہوتا کہ ان کا بیٹا کافر بن چکا ہے تو وہ اس کے لیئے دعا نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے اپنی بیوی کے لیئے بھی دعا نہیں کی تھی۔ کیونکہ یہ بات کسی طور سے بھی قرین عقل نہیں ہے کہ نوح علیہ السلام ایک طرف تو کفار کی بربادی کی درخواست کریں اور دوسری طرف بیٹے کے بچانے کی دعا کریں۔

پیام

ا۔ دعا کے لیئے ادب ضروری ہے حضرت نوح کی دعا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے دعا میں یہ نہیں کہا کہ خدایا تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے اہل کو نجات دوں گا لہٰذا میرے بیٹے کا حق بنتا ہے کہ اسے نجات ملنی چاہیئے تو نے اسے نجات کیوں نہ دی؟ اس کے برعکس حضرت نے بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کیا کہ تیرا وعدہ حق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔

۲۔ اگر خدا کی مدد شامل حال نہ ہو تو اولیاء اللہ بھی اس کے مصداق تلاش کرنے میں اشتباہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ (اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ) اور یہی حال خلقت آدم کی داستان کا ہے ملائکہ کو بھی انسان کی شناخت میں اشتباہ ہوا تھا اور انہوں نے خون بہانے والے اور فساد پھیلانے والے موجود کی پیدائش کو خلاف حکمت سمجھا تھا۔ جس کا خدا نے ضروری جواب دے کر انہیں مطمئن کیا تھا۔

آیت نمبر 46

قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ‌ۖ فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ○

خدا نے جواب میں فرمایا۔ اے نوح یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ غیر صالح عمل (کا حامل) ہے جس چیز کا تجھے علم نہیں ہے اس کا مجھ سے سوال نہ کر میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا نادانوں میں سے ہو جاؤ۔

نکات

☆ "فَلَا تَسۡـئَلۡنِ" (پس مجھ سے سوال نہ کر) کا جملہ ایک معصوم نبی سے خطاب ہے۔ اس جملہ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ نوح علیہ السلام نے سوال کیا تھا۔ اس کا مقصد اول وآخر صرف یہی ہے کہ خدا نے انہیں نصیحت کی کہ خبردار نااہل کے لیئے مجھ سے سوال نہ کرنا۔ اور کہیں رشتہ داری کی وجہ سے اسے اپنا اہل نہ سمجھ بیٹھنا۔

☆ حضرت رسول اکرم اور ائمہ ہدیٰ علیھم السلام سے بہت سی روایات موجود ہیں جن میں انہوں نے کچھ لوگوں کو "لیس منا" یا "لیس منی" کہہ کر اپنی صفوں سے باہر نکالا ہے۔ چنانچہ سفینۃ بحار جلد دوم صفحہ ۳۱۸،۶۹۱ میں اس مضمون کی بہت سی احادیث کو نقل کیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے بطور نمونہ چند احادیث پیش کرتے ہیں۔ ۱۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: (من غش مسلما فلیس منا) جس نے کسی مسلمان سے خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: (من اکرمہ الناس اتقاء شرہ فلیس منی) جس کے شر کے خوف سے لوگ اس کا احترام کریں وہ مجھ سے نہیں ہے۔ ۳۔ آنحضرت کا فرمان ہے۔ (النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی) نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت سے رُخ موڑے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ ۴۔ آنحضرت کا فرمان ہے۔ (من اصبح و لم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلم) جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اسے امورِ مسلمین کی پرواہ نہ ہو تو ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔

سوال۔ سورہ تحریم میں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کے متعلق یہ لفظ وارد ہے (فخانتا ھما) ان دونوں عورتوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تھی۔ ادھر سورہ ہود میں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں (انہ لیس من اھلك) تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ کیا ان دونوں آیات کے ملانے سے ہم یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ پسر نوح حلال زادہ نہ تھا؟!

جواب۔ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اور جہاں تک حضرت نوحؑ کی بیوی کے خائنہ ہونے کا سوال ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وہ حضرت نوحؑ کے رازوں میں خیانت کرتی تھی اور کفار تک پہنچاتی تھی۔ فرزند نوح کی نااہلی کی وجہ اس کے غیر صالح اعمال تھے۔

عرض مترجم ۔ مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ نبی کی بیوی کافرہ اور منافقہ ہوسکتی ہے لیکن زانیہ اور آبرو باختہ نہیں ہوسکتی اور اسی پر علمائے مذہب کا اجماع ہے۔(اضافۃ من المترجم عفی عنہ)

پیام

۱۔ مذہبی اور مکتبی روابط کو خاندانی اور خونی روابط پر فوقیت حاصل ہے۔ (اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ) بیٹا نبی پر ایمان نہ لایا تو ڈوب گیا اغیار ایمان لائے تو انہوں نے نجات پائی۔ حضرت سلمان فارسی رسول خدا کے کچھ نہ لگتے تھے انہیں اتباع کی وجہ سے "سلمان منا اهل البيت" کا تمغہ نصیب ہوا اور ابولہب رسول اکرم کا چچا تھا لیکن وہ سورہ (تبت یدا) کا مصداق بنا۔

۲۔ بعض اوقات انسان کسی نیک یا برے کام میں اس قدر متفرق ہوجاتا ہے کہ وہ وہی عمل مجسم بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرزند نوح کے لیئے ارشاد ہوا (اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ) وہ تو مجسم غیر صالح عمل ہے۔

۳۔ انبیاء کو بھی الٰہی موعظہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ (اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ) (اللہ تعالیٰ حساس لمحات میں اپنے انبیاء کو خبردار کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے)

۴۔ جاہلانہ افعال سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ) (خدا سے غیر حکیمانہ فعل کا مطالبہ کرنا جہالت ہے)

آیت نمبر 47

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ○

نوح نے کہا۔ اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسی بات کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو نے میری اس درخواست کو معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤں گا۔

پیام

۱۔ انبیاء ہر وقت تسلیم مجسم ہوتے ہیں۔ (فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ۔۔۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ)

۲۔ اپنی دعا کا آغاز لفظ ،،رَبِّ،، سے کرنا چاہیئے۔ (رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ۔۔۔)

۳۔ مشکلات و تکالیف سے نجات حاصل کرنے کے لیئے استعاذہ اور تعوّذ کی ضرورت ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو خدا کی پناہ میں دے دے۔ (رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ)

۴۔ مواعظ الٰہی کے سامنے جھک جانا چاہیئے۔ (اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ۔۔۔ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ)

۵۔ جب تک مصلحت کا علم نہ ہو تب تک سوال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ)

۶۔ ہر طرح کے بے جا کلام اور بے جا سوال پر توبہ کی ضرورت ہے (اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ) (اگر نبی نے ایک بے جا مطالبہ کیا تو قدرت کی طرف سے عتاب ہوا اور اگر ہم دن میں کئی بار خدا سے بے جا مطالبات کریں تو نجانے ہمارا حال کیا ہوگا؟)

۷۔ بخشش پہلے ہے اور رحمت بعد میں ہے۔(اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ)

۸۔ بخشا نہ جانا حقیقی خسارہ ہے۔(اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ... اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ)

۹۔ عام انسان تو بجائے خود اللہ کے لطف وکرم کے بغیر انبیاء بھی مقصد حاصل نہیں کر سکتے اور مغفرت الٰہی سے محروم رہنے والا شخص زیان کار ہے۔(اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ)

آیت نمبر 48

قِيۡلَ يٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ‌ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○

نوح سے خطاب ہوا کہ ہماری طرف سے سلامتی اور اپنے اوپر برکتیں لے کر کشتی سے اترو۔ یہ سلامتی اور برکات ان تمام امتوں پر ہوں گے جو تیرے ساتھ ہیں۔ عنقریب (انہی نجات یافتگان) کی نسل سے ہم کچھ امتوں کو نعمات سے مستفید کریں گے پھر (غفلت، کفر و گناہ کی وجہ سے) ہماری طرف سے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

نکات

☆ ''هبوط'' نیچے اترنے کا حکم حضرت آدم کو بھی ملا تھا انہیں جنت سے زمین پر اترنے کا حکم ملا تھا اور حضرت نوح کو کشتی سے اترنے کا حکم ملا تھا۔ حضرت آدم بھی اترے اور حضرت نوح بھی اترے۔ جب آدم اترے تو نسل کافر و مومن کے دو حصوں میں تقسیم ہوئی اور حضرت نوح اترے تو ان کی نسل بھی دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔

☆ (امم معك) (تیرے ساتھ والی امتیں) سے مراد وہ افراد ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ کیونکہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی قبیلہ کا جد اعلیٰ بنا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''امم'' سے مراد وہ حیوانات ہوں جو آپ کی کشتی پر سوار ہوئے تھے۔ اور اس مفہوم پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن کریم نے زمین پر چلنے والی تمام اشیاء کے متعلق (امم امثالکم) کے جملے ارشاد فرمائے ہیں۔ (انعام/ ۳۸) یعنی حیوانات میں بھی تمہاری طرح سے امتیں ہیں۔

پیام

۱۔ حضرت نوح کے زمانہ میں جو عالمی سیلاب آیا تو اس نے ہر طرف تباہی کی داستانیں رقم کیں۔ سیلاب کے بعد دو خطرات انسان کے لیئے منہ کھولے کھڑے تھے۔ پہلا مسئلہ ہر طرف پھیلی ہوئی آلودگی کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''سلام'' فرما کر نوعِ انسان کی سلامتی کو یقینی بنایا۔ اور اس کے ساتھ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ تمام درخت صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے (سَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ

عَلَيۡكَ) کہہ کر زمین کی قوت نمو کو بحال کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر نصیحتیں کیں لوگوں کو خبردار کیا اور حد یہ ہے کہ بے دین بیٹے کو باپ کی نظروں کے سامنے غرق کیا یہ سب اس کا جلال تھا اور اس کی رحمت یہ تھی کہ وہ اپنی طرف سے سلامتی اور برکات نچھاور کر رہا تھا۔ (سَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ)

۳۔ خدا کی طرف سے مومن کے لیئے سلامتی اور برکت بہترین تحفہ ہے۔ اور کافر بھی دنیاوی نعمات سے مستفید ہوتا ہے لیکن اس کو ملنے والی نعمات صرف دنیا تک محدود رہتی ہیں۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اسے متاع کہا گیا ہے لہٰذا ہر متاع نعمت و برکت نہیں ہے۔ نعمت اس انعام کو کہا جاتا ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ (سَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ)

۴۔ اللہ تعالیٰ متاع دنیا سے کافروں کو محروم نہیں رکھتا۔ (سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ)

۵۔ خدا کی یہ روش ہے کہ وہ نعمت و مہلت دیتا ہے اور اگر انسان کی طرف سے ناشکری کا مظاہرہ ہو تو اس پر عذاب دیتا ہے۔ (سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ)

۶۔ لطف و کرم بھی خدا کی طرف سے ہے اور قہر و عذاب بھی اسی کی طرف سے ہے۔ (سَلٰمٍ مِّنَّا ... يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو یہ بتادیا تھا کہ آج جن لوگوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے نجات ملی ہے ان لوگوں کی نسل ہمیشہ مومن نہیں رہے گی ان کی نسلوں میں کافر پیدا ہوں گے۔ (وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ)

آیت نمبر 49

تِلۡكَ مِنۡ اَنۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ ۚ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا ۛؕ فَاصۡبِرۡ ۛؕ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ○

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے قبل ان باتوں کو نہ آپ جانتے تھے اور نہ ہی آپ کی قوم جانتی تھی آپ صبر کریں بے شک آخری کامیابی پرہیزگاروں کے لیئے ہے۔

حضرت نوح اور ان کی شخصیت

وضاحت۔ ہم نے یہ نکات تفسیر المیز ان سے حاصل کیئے ہیں۔

☆ اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں چالیس مقامات پر کیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے یہ وضاحت نہیں کی کہ آپ کہاں پیدا ہوئے، گھر کہاں تھا؟ آپ کا تعلق کس پیشہ سے تھا؟ اور آپ کی وفات کہاں واقع ہوئی اور آپ کہاں دفن ہوئے؟ اس طرح کی معلومات قرآن کریم میں موجود نہیں ہیں۔ قرآن کریم نے ان کی زندگی کا بس اتنا ہی پہلو بیان کیا ہے جتنا کہ ہماری ہدایت کے لیئے ضروری تھا۔

☆ حضرت نوح کا واقعہ قرآن کریم کی حسب ذیل چھ سورتوں میں بیان ہوا ہے ۱۔ اعراف۔ ۲۔ ہود۔ ۳۔ مومنون۔ ۴۔ شعراء۔

۵۔قمر۔۶۔نوح۔اس واقعہ کی زیادہ تفصیل سورہ ہود میں بیان کی گئی ہے۔

☆ آپ پہلے اولوالعزم رسول تھے آپ کی رسالت اور کتاب وشریعت تمام دنیا والوں کے لیئے تھی۔

☆ آپ کی بعثت حضرت آدم وادریس کے بعد اس زمانہ میں ہوئی جب ہر طرف شرک، بت پرستی اور ظلم کا دور دورہ تھا۔ آپ نے عقیدہ توحید، نماز، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور قیام عدالت کے لیئے تبلیغ فرمائی تھی۔

☆ آپ کی رسالت کا عرصہ ۹۵۰ سالوں پر محیط ہے جب اللہ نے آپ کو بتایا کہ اب کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا تو آپ مایوس ہوگئے اور کفار کی تباہی وبربادی کی التجا کی۔ آپ کی بددعا کی وجہ سے سیلاب آیا اور تمام کفار جن میں آپ کی بیوی اور بیٹا بھی موجود تھے ہلاک ہوگئے۔

☆ آپ انسانوں کے دوسرے باپ ہیں آپ خدا کے چنے ہوئے انسان تھے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: (اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ) (آل عمران ر ۳۳) بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں میں سے چن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجے (سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ) (صافات،۷۹) تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو۔ حضرت نوح کی داستان کچھ الفاظ ومطالب کے اختلاف کے ساتھ تورات میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ کلدانیوں، ہنود، اہل چین، یونانیوں اور پارسیوں کی کتابوں میں بھی واقعہ کا ذکر دکھائی دیتا ہے اور طوفان نوح کو لوگوں کے ظلم وفساد کا نتیجہ کہا گیا ہے۔ ''اوستا'' زرتشتیوں کی مقدس کتاب ایک عالمگیر سیلاب سے خبردار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے تمام اہل زمین غرق ہوجائیں گے۔ چنانچہ ''اوستا'' میں لکھا ہے۔ کہ جمشید کو وحی ہوگی کہ ایک بہت بڑی حویلی تیار کرے جس میں تمام نیک مرد اور عورتوں اور حیوانات کے ایک ایک جوڑے کو جگہ دے۔

☆ حضرت نوح کی رسالت عالمی رسالت تھی زمین حجت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے کفار کے متعلق جو بددعا کی تھی اس میں اپنے علاقہ کے کفار کی بربادی کی درخواست نہیں کی تھی آپ نے تمام روئے زمین کے کافروں کی بربادی کی درخواست کی تھی اور کہا تھا: (رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا) پروردگار! زمین پر کسی بھی چلنے والے کافر کو نہ چھوڑ۔ آپ کی نبوت ورسالت کے عالمی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اگر آپ کی نبوت ایک مخصوص علاقہ اور منطقہ تک محدود ہوتی تو سیلاب بھی اسی علاقے تک محدود رہتا اور خدا آپ کو حکم نہ دیتا کہ تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا سوار کرلو۔ یہ حکم اس لیئے دیا گیا کہ اگر آپ جانوروں کے جوڑوں کو سوار نہ کرتے تو طوفان کی وجہ سے ان کی نسل معدوم ہوجاتی۔ تفسیر ''المنار'' میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت نوح کی رسالت صرف ایک علاقہ تک محدود تھی جب کہ صاحب المیز ان نے اس نظریہ کی بھرپور تردید کی ہے۔

☆ حضرت نوح کا واقعہ ایک ہزار سال پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی بددعا کی وجہ سے روئے زمین پر طوفان آیا اور سابقہ آبادی ختم ہوئی اس کے بعد انسانیت کی تاریخ نئے انداز سے رقم ہوئی اور اس تاریخ کا عنوان یہ تھا کہ حق باطل پر غالب آتا ہے۔ اس واقعہ سے

انبیاء کی دعا استجاب ثابت ہوتی ہے۔اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مذہب کا رشتہ خونی رشتوں پر فوقیت رکھتا ہے یہ قصہ ہمیں تسلیم وتواضع کا درس دیتا ہے اور اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانی نسل کو تحفظ فراہم کرنا چاہیئے اور انہیں معدوم ہونے سے بچایا جائے۔اس داستان میں کشتی سازی کی صنعت کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔

☆اس داستان سے واضح ہوتا ہے کہ کبھی انسان اتنی پستی میں چلا جاتا ہے کہ وہ انبیاء کے مواعظ سن کر متاثر نہیں ہوتا۔اور انبیاء کے پیروکاروں کو اپنے معاشرے کے گھٹیا ترین افراد قرار دیتا ہے اور پھر جب خدا کا عذاب سامنے آتا ہے تو وہ پہاڑوں کی پناہ طلب کرتا ہے۔

پیام

۱۔انسانی تاریخ معلوم کرنے کے لیئے قرآن بہترین منبع ہے۔(تِلْكَ)

۲۔تاریخ کے بہت سے واقعات انسان کی نظروں سے اوجھل تھے جن میں سے ایک حضرت نوح کی تاریخ بھی ہے۔(تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ)

۳۔پیغمبر اسلام اور آپ کی قوم کے پاس حضرت نوح کے واقعات کو معلوم کرنے کا وحی کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔(تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ)

۴۔وحی کی زبانی تاریخ کی مفید اور صحیح معلومات حاصل ہوسکتی ہیں کیونکہ وحی خدا کے لامحدود علم کا صاف وشفاف سرچشمہ ہے جس میں کوئی کوتاہی اور غلطی نہیں ہے۔(اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ)

۵۔انبیاء کے پاس غیب کا علم اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ خدا انہیں تعلیم کرتا ہے۔(اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ)

۶۔سابقہ انبیاء کی تاریخ بعد میں آنے والے رہنماؤں کے لیئے تسلی کا ذریعہ ہے۔(فَاصْبِرْ)

۷۔صبر اور تقویٰ کامیابی کی ضروری شرائط ہیں۔(فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ) واضح رہے کہ آیت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔(اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ)

۸۔آخری فتح حق کو ہی نصیب ہوتی ہے اور باطل شکست سے دوچار ہوتا ہے۔(اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ)

آیت نمبر 50

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ○

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔اس نے (لوگوں سے) کہا۔اے میری قوم! (صرف) اللہ کی ہی عبادت کرو۔اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔(تم بت پرست غلطی پر ہو) تم اہل افترا وتہمت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو۔

نکات

☆ حضرت نوح کے بعد حضرت ہود مبعوث ہوئے تھے ان کی سرگزشت سورہ اعراف کی آیات ۶۵ تا ۷۲ میں بیان کی گئی ہے۔
حضرت ہود کا تعلق قوم عاد سے تھا اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ''اخاھم'' (ان کے بھائی بند) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے
☆ جب حضرت نوح کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے پیروکاروں سے فرمایا کہ میرے بعد کچھ عرصہ کے لیئے غیبت کا زمانہ ہوگا اور اس دور میں طاغوت نمودار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے ایک قائم کے توسط سے تمہارے لیئے کشائش کا سامان پیدا کرے گا اس کا نام ''ہود'' ہوگا۔ (تفسیر نور الثقلین۔ اکمال الدین جلد اول / ۱۳۵) ☆ بتوں کو شفیع قرار دینا خدا پر افترا ہے کہ اس نے انہیں اپنا شریک بنایا ہے۔ اور یہ عقیدہ بتوں پر تہمت بھی ہے کہ انسان انہیں نفع یا نقصان دینے والا تصور کرے۔

پیام

۱۔ حضرت ہود کی رسالت قوم عاد تک محدود تھی۔ (اِلٰی عَادٍ)
۲۔ بھائی چارے کی فضا میں تبلیغ مؤثر ہوتی ہے۔ (اَخَاهُمْ)
۳۔ انبیاء اپنی امتوں کے لیئے بھائی ہیں۔ وہ ان کے نا تو ملازم ہوتے ہیں اور نہ ہی فریب کار اور نہ ہی ان پر داروغہ ہوتے ہیں۔ (اَخَاهُمْ)
۴۔ انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ توحید کی تبلیغ ہوتا ہے۔ (يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ)
۵۔ عملی توحید، عقیدتی توحید کی اساس پر قائم ہے۔ (اعْبُدُوا اللّٰهَ... مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ)
۶۔ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا وہم و تہمت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ (اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ)

آیت نمبر 51

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝

(ہود نے کہا) اے میری قوم میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر صرف اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی؟

نکات

☆ قرآن کریم میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جن میں انبیاء کے اس قول کو نقل کیا گیا ہے کہ ہم تم سے تبلیغ کے عوض کوئی اجرت طلب نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادی امور حق کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

پیام

۱۔ انبیاء کے پاس کوئی مادی ہدف نہیں ہوتا ان کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ (اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى) اللہ ہی انبیاء کو اجر

دیتا ہے۔

۲۔تبلیغ کی کامیابی کے لیئے اخلاص بنیادی شرط ہے۔(اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ)

۳۔خدا کی صفتِ خلاّقیت کی طرف توجہ سے اخلاص کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

۴۔عقل ہم سے وحی اور انبیاء کی تعلیمات کی پیروی کا تقاضا کرتی ہے۔(اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)

۵۔جسے دنیا طلبی کی ضرورت نہ ہو اسے کیا پڑی ہے کہ اپنے آپ کو زحمت میں نہ ڈالے؟۔(اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 52

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ○

(حضرت ہود نے اپنی تبلیغ کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا) اے میری قوم! اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو۔ پھر اس کی طرف پلٹ آؤ توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور مجرم بن کر (راہ حق سے) منہ نہ موڑو۔

پیام

ا۔گناہوں سے توبہ واستغفار واجب ہے۔(اسْتَغْفِرُوْا ۔۔۔ تُوْبُوْٓا)

۲۔استغفار خدا کی طرف پلٹ آنے کا مقدمہ ہے۔(اسْتَغْفِرُوْا ۔۔۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا)

۳۔انفرادی توبہ واستغفار سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب نہیں ہوتے۔اجتماعی توبہ واستغفار سے خدا کی مدد نازل ہوتی ہے۔ (يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا ۔۔۔ تُوْبُوْٓا ۔۔۔ يُرْسِلِ ۔۔۔)

۴۔اعمال وعقائد طبیعی حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں (تُوْبُوْٓا ۔۔۔ يُرْسِلِ) (قوم عاد شرک اور گناہوں کی وجہ سے خشک سالی میں مبتلا تھی)

۵۔طبیعی عوامل ہمیں ارادہ الٰہی کی طرف متوجہ ہونے سے مانع نہیں ہونے چاہئیں۔(يُرْسِلِ السَّمَآءَ)

۶۔اگر اسلامی حکومت اقتصادی ترقی چاہتی ہے تو پھر اسے چاہیئے کہ لوگوں کو معنوی عوامل کی طرف متوجہ کرے۔ (تُوْبُوْٓا ۔۔۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ)

۷۔استغفار وتوبہ کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں ثروت وقدرت حاصل ہوتی ہے۔ (تُوْبُوْٓا ۔۔۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً ۔۔۔)

۸۔خدا پر ایمان اور اس کی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے کوئی دنیاوی نقصان نہیں ہوتا۔ (تُوْبُوْٓا ۔۔۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ ۔۔۔ يَزِدْكُمْ قُوَّةً)

۹۔خدا کے حضور توبہ واستغفار کی وجہ سے ہم ذلیل نہیں ہوں گے بلکہ پہلے سے قوی تر اور معزز تر بن جائیں گے۔(یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ)

۱۰۔قوم عاد کے افراد تنومند اور طاقتور تھے۔(قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ)

۱۱۔اگر جسمانی قوت کے ساتھ ایمانی قوت بھی شامل ہوجائے تو اس سے انسانی قوت میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔(قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ)

۱۲۔آسمانی ادیان کے ہدف میں صحیح سالم معاشرے کا قیام اور نعمات سے اجتماعی استفادہ بھی شامل ہے۔(یٰقَوْمِ... تُوْبُوْٓا ...یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ)

۱۳۔اقتصادی قوت کی وجہ سے دوسری قوتیں نصیب ہوتی ہیں۔اسی لیئے آیت میں پہلے "یُرْسِلِ السَّمَآءَ" کے الفاظ ہیں اس کے بعد (وَّیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ) کے الفاظ ہیں۔

۱۴۔تبلیغ کرتے وقت تشویق کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔(تُوْبُوْٓا...یُرْسِلِ...یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ)(مادی نتائج کے بیان سے ہدف تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی)

۱۵۔انبیاء سے روگردانی بدترین جرم اور گناہ ہے۔(مُجْرِمِیْنَ)

آیت نمبر 53

قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَۃٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ○

مشرکین نے کہا کہ اے ہود! تو نے ہمارے سامنے کوئی واضح دلیل پیش نہیں کی ہے۔تیرے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑیں گے۔ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

پیام

۱۔لوگوں کی روش پر تعجب ہے کہ پتھر اور لکڑی کے بے جان بتوں کے پجاری نبی کے روشن دلائل کو دیکھ کر انہیں یہ کہیں کہ تم کوئی واضح چیز نہیں لائے؟!!۔(مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَۃٍ)

۲۔کفار نے اپنے مافی الضمیر کو ان الفاظ سے ظاہر کیا کہ ہم تیرے کہنے پر اپنے بتوں کو نہیں چھوڑیں گے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کوئی واضح نشانی پیش نہیں کر سکے۔(تَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کو سرے سے کسی دلیل کی خواہش ہی نہیں تھی۔اسی لیئے انہوں نے دوبارا ان جملوں کو دہرایا۔(مَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ)

۳۔جب انبیاء کی طرف تبلیغ کا آغاز ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی مشرکین کا ردعمل منظر عام پر آجاتا ہے ان کے سخت ردعمل کے باوجود بھی انبیاء تبلیغ سے باز نہیں آئے۔(مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ)

آیت نمبر 54-55

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ○

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ○

(مشرکین نے کہا) ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے نقصان پہنچایا ہے۔یعنی تیری عقل چھین لی ہے۔ہود نے کہا میں خدا کو گواہ بنا کر اور تمہیں بھی گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تم لوگ جو شرک کر رہے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔خدا کے علاوہ ہر اس چیز سے بیزار ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔تم سب میرے خلاف چال چلو پھر مجھے کوئی مہلت نہ دو۔(تمہیں خود بخود معلوم ہوجائے گا کہ تم اور تمہارے بت میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے)

نکات

☆''اعتراء'' کا معنی پہنچانا ہے

☆حضرت ہود علیہ السلام نے بت پرستوں کو رسوا کرنے کے لیئے انہیں چیلنج دیا کہ تم میرے خلاف جو کچھ بھی کرنا چاہو تمہیں اس کی مکمل اجازت ہے میں تم سے کوئی مہلت نہیں مانگتا۔اس طرح کا چیلنج حضرت نوح نے بھی کیا تھا اور انہوں نے مشرکین سے کہا تھا (فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ)(یونس/۷۱) مقصد یہ تھا کہ تم جو کچھ میرے خلاف کرنا چاہو کرلو تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اس طرح کا چیلنج پیغمبر اکرم نے بھی دیا تھا آپ نے فرمایا (قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ)(اعراف/۱۹۵) آپ کہہ دیں کہ اپنے تمام شرکاء اور مددگاروں کو بلالو پھر میرے خلاف سازش کرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

پیام

۱۔قوم عاد بت پرست تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے خودساختہ معبود نظامِ کائنات میں دخل اندازی کا اختیار رکھتے ہیں۔(بَعْضُ اٰلِهَتِنَا)

۲۔انبیائے کرام کو لوگوں نے بے وقوف کہا اسی طرح سے رسومات و خرافات کے ہر منکر اور صالح کو لوگ آج بھی سرپھرا اور بے وقوف سمجھتے ہیں اور یہ انداز فکر بہت پرانا ہے۔(اعْتَرٰىكَ ... بِسُوْٓءٍ)

۳۔انبیاء کرام نے شرک اور مشرکین سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا تھا۔(بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ)
۴۔خرافات کا کھل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔(اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ)
۵۔حضرت ہود کی طرف سے مبارزت طلبی ان کی صداقت اور حقانیت کی دلیل تھی۔(فَكِيْدُوْنِیْ۔۔۔)
۶۔انبیاء دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے۔(فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا)
۷۔بتوں کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔(فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا)

آیت نمبر 56

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

میں نے اللہ پر توکل کیا ہے جو کہ میرا اور تمہارا رب ہے اور کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اللہ کی گرفت میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

پیام

۱۔ ہر جگہ خدا کی ربوبیت کا مشاہدہ کرنے سے انسان میں توکل کی صفت پیدا ہوتی ہے۔(تَوَكَّلْتُ۔۔۔رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ)
۲۔توکل شجاعت کو جنم دیتی ہے۔ (فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا ۔۔۔اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ) خدا پر کامل بھروسہ ہو تو اکیلا انسان پوری دنیا سے ٹکر لے سکتا ہے۔
۳۔اذنِ خداوندی کے بغیر کوئی بھی جاندار دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا ۔۔۔مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا)
۴۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور وہ عادل بھی ہے۔(اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا۔۔۔عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)
۵۔انسان کو اس ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے جو قادر بھی ہو اور عادل بھی ہو۔(تَوَكَّلْتُ۔۔۔اٰخِذٌ، عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)
۶۔کفار کے عناد اور ضد بازی کے وقت ہمیں خدا کے قہر اور عدل کی گفتگو کرنی چاہیئے۔ (اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ، عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)

آیت نمبر 57

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖۤ اِلَيۡكُمۡ‌ ؕ وَيَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۚ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَيۡـئًا‌ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ○

پھر اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیرلو۔ جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ پیغام میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور اب میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔

پیام

۱۔ انبیاء دعوت اور امر الٰہی کی تبلیغ کے بعد لوگوں پر اتمامِ حجت کرتے ہیں۔ (فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ)

۲۔ مبلغ کی ذمہ داری معارف دینی کے بیان تک محدود ہے لوگوں کو مجبور کر کے مومن بنانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ)

۳۔ اگر لوگ راہ ہدایت کو قبول نہ کریں تو مبلغ اسے اپنی ناکامی تصور نہ کرے۔ (فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ)

۴۔ امتوں کا عروج و زوال اچانک عمل میں نہیں آتا۔ اس کے کچھ قواعد وضوابط ہیں اور عروج و زوال کے قواعد خدا کے مقرر کردہ ہیں (يَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ) چنانچہ شرک، جرائم اور انبیاء کی مخالفت ایسے جرائم ہیں جن کی وجہ سے ملتیں تباہ ہوجاتی ہیں اور شہر اجڑ جاتے ہیں۔

۵۔ کسی کے کفر اور روگردانی اور کسی کی موت اور بربادی سے خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ (فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ... يَسۡتَخۡلِفُ ... غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ)

۶۔ خداوندِ عالم ہر چیز اور ہر کسی کا محافظ ہے لہٰذا کفر اور کوئی سازش اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ)

آیت نمبر 58

وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا هُوۡدًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ○

اور جب ہمارا فرمان (عذاب) آیا تو ہم نے اپنی رحمت کے ذریعہ سے ہود کو اور جو ان پر ایمان لائے تھے۔ انہیں نجات دی اور انہیں سخت عذاب سے رہائی دی۔

پیام

ا۔عذاب اور نجات دونوں کا خدا کے فرمان سے براہ راست واسطہ ہے۔(نَجَّيْنَا)

۲۔انبیاء اور ان کے پیروکار قہر الٰہی سے محفوظ رہتے ہیں۔(نَجَّيْنَا)

۳۔انبیاء پر صرف زبانی کلامی ایمان کافی نہیں ہے انبیاء کی حمایت اور ان کی اتباع بھی ضروری ہے۔

۴۔اللہ تعالیٰ رحمت کا منبع و مصدر ہے۔(رَحْمَةٍ مِّنَّا) جب کہ خدا کے قہر و غضب کا سبب ہمارے اعمال ہیں(عَذَابٍ غَلِيظٍ) یہاں اللہ تعالیٰ نے(عَذَابٍ مِّنَّا) کے الفاظ ارشاد نہیں فرمائے۔۵۔لفظ ''نجات'' کی تکرار کا غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ اس سے دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے آزادی مراد ہو۔(نَجَّيْنَا)

۶۔ہوائیں بھی حکم خداوندی کی پابند ہیں(اَمْرُنَا) واضح رہے کہ اس ''امر'' کی وضاحت سورہ حم السجدہ میں یوں بیان کی گئی ہے۔(فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ) ہم نے ان پر منحوس دنوں میں تند ہوا بھیجی

آیت نمبر 59

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ○

اور یہ قوم عاد تھی جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ضدی ستم گر کی پیروی کی۔

پیام

ا۔سابقہ اقوام و ملل کی تاریخ تمہارے سامنے ہے تم اس سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟(تِلْكَ)

۲۔ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کے انکار کے مترادف ہے۔(عَصَوْا رُسُلَهٗ) تفسیر المیزان میں مرقوم ہے کہ قوم عاد کے پاس صرف ایک رسول حضرت ہودؑ تشریف لے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم کے افراد نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک رسول کی نافرمانی تمام رسولوں کی نافرمانی شمار ہوتی ہے۔

۳۔وہ خطرات جو کسی بھی معاشرے کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

الف۔آیات الٰہی کا انکار(جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ)

ب۔انبیاء اور رہبران حق کی نافرمانی(عَصَوْا رُسُلَهٗ)

ج۔طاغوت کی پیروی(وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ)

۴۔جو شخص معصوم ہادیوں کی پیروی نہیں کرے گا وہ بہر صورت ظالم طاغوت کا پیروکار بن جاتا ہے۔(عَصَوْا رُسُلَهٗ ...اتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ)

۵۔ظالم حکمران لوگوں پر اس لیئے ظلم ڈھاتے ہیں تاکہ لوگ ہمیشہ ان کے اطاعت گزار بن کر رہیں۔(اتَّبَعُوْٓا ....جَبَّارٍ)

آیت نمبر 60

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

چنانچہ اس دنیا اور روزِ آخرت میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی آگاہ رہو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کا انکار کیا آگاہ رہو کہ حضرت ہود کی قوم، عاد پر لعنت ہو۔

نکات

☆اس سورہ کی ۵۰ ویں سے ۶۰ ویں آیت تک قوم عاد کا تذکرہ کیا گیا۔ یہ قوم عربی نسل تھی اور جزیرۃ العرب میں سکونت پذیر تھی موجودہ تورات میں اس قوم کا ذکر موجود نہیں ہے۔ جب کہ قرآن کریم کی سورتوں یعنی قمر، الحاقہ، اعراف، السجدہ اور شعراء میں اس قوم کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ قرآنی آیات کے مطابق یہ لوگ بڑے بلند قامت اور دانا لوگ تھے اور یہ لوگ انتہائی متمدن شہروں میں آباد تھے۔ ان کے متعلق قرآن کہتا ہے۔ (اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ) (الفجر ۶-۸) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ستونوں والے ارم کے ساتھ۔ جس کی نظیر کسی ملک میں پیدا ہی نہیں کی گئی۔ یہ قوم عقیدہ کے اعتبار سے بُت پرست اور طاغوت کی پیروکار تھی حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں خدا پرستی اور توحید کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تند و تیز اور جلانے والی آگ کا عذاب نازل کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ قوم عاد کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ کو عاد اُولیٰ کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہی گروہ ہے جنہیں حضرت ہود نے تبلیغ کی تھی اور دوسرے گروہ کو عاد ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ حضرت مسیح علیہ السلام سے سات صدیاں قبل احقاف (حجاز کا ایک خطہ) یا یمن میں آباد تھا۔ (تفاسیر المیزان و نمونہ)

پیام

۱۔ جو شخص اللہ کی آیات اور انبیاء کا انکار کرے اور طاغوت کی پیروی کرے تو اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ (وَ اُتْبِعُوْا .... لَعْنَةً)

۲۔ دنیا کی بدنامی بھی خدا کی طرف سے ایک سزا ہے۔ (وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً)

۳۔ ''ظالموں پر لعنت'' ایک قرآنی نعرہ ہے۔ (اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ)

آیت نمبر 61

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ○

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی بند صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا ہے۔ اور چاہا ہے کہ تم اس میں آبادی کرو پھر اس سے بخشش طلب کرو پھر اس کی طرف لوٹ جاؤ بے شک میرا رب بہت قریب ہے اور (دعاؤں کو) قبول کرنے والا ہے۔

نکات

☆ حضرت صالح علیہ السلام، حضرت نوح اور ہود علیہما السلام کے بعد تیرے مبعوث ہونے والے پیغمبر ہیں

پیام

۱۔ انبیاء کا لوگوں سے برادرانہ تعلق ہوتا تھا۔ (اَخَاهُمْ)

۲۔ بہتر یہی ہے کہ جس علاقہ میں تبلیغ مقصود ہو مبلّغ بھی اسی علاقہ ہو۔ (اَخَاهُمْ)

۳۔ تمام انبیاء کا ہدف خداوند عالم کی عبادت کی دعوت ہے۔ (اعْبُدُوا اللّٰهَ، الكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ)

۴۔ خدا پر بندوں پر بے پناہ احسان کیئے ہیں اسی لیئے بندوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے محسن حقیقی کی عبادت کریں۔ (اعْبُدُوا، اَنْشَاَكُمْ)

۵۔ انسان کی پیدائش کا سرچشمہ مٹی ہے۔ (اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ)

۶۔ اسلام دنیا و آخرت کا جامع دین ہے۔ چنانچہ اسلام زمین کی آبادکاری کا حکم دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ استغفار و توبہ کا بھی حکم بھی دیتا ہے۔ (وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ)

۷۔ خدا چاہتا ہے کہ زمین آباد و شاد رہے۔ (وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا)

۸۔ موحدین جس کو اپنا معبود جانتے ہیں وہ صاحب فہم و شعور ہے اور وہ علم و قدرت رکھتا ہے۔ وہ سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے جب کہ بتوں میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہے۔ (قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ)

۹۔ خدا کی طرف رجوع کرنا آسان ہے اور توبہ قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ)

۱۰۔ اگر کوئی سچے دل سے توبہ و استغفار کرے تو خدا قبول کرتا ہے۔ (تُوْبُوْٓا ... قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ)

۱۱۔ اللہ ہم سب کے قریب ہے لیکن ہمارے اعمال و افعال ہی ہمیں خدا سے دور کیئے ہوئے ہیں۔ (اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ)

آیت نمبر 62

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ○

قوم ثمود نے کہا! اے صالح! ہمیں اس سے قبل تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں تو کیا اب تم ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روکتے ہو جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے اور تم ہمیں جس بات کی دعوت دے رہے ہو اس کے متعلق ہمیں شک ہے جس نے ہمیں تجھ سے بدگمان کر دیا ہے۔

نکات

☆ کفار نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں تو آپ کے وجود سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اور ہم آپ سے پیار کرتے تھے الغرض اس طرح کی چکنی چپڑی باتوں سے وہ حضرت صالحؑ کو اپنے دامِ فریب میں پھانسنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر حضرت صالح ان کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس گئے تو پھر عقیدہ توحید کی تبلیغ سے باز آ جائیں گے۔

پیام

۱۔ایک مبلغ کو نیک نام اور نیک شہرت کا حامل ہونا چاہیئے۔(مَرْجُوًّا)

۲۔اگر کبھی دشمن ہماری تعریف کرے تو ہمیں اس کے تعریف کے جال میں پھنسنا نہیں چاہیئے اور دعوت حق اور دعوت حق سے باز نہیں آنا چاہیئے۔(قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا) ویسے بھی دشمن اگر آپ کی تعریف کرنے لگ جائے تو سوچ لیں کہ اس کے پیچھے اس کے بڑے عزائم ہیں۔

۳۔انبیاء نے خرافات پر مبنی عقائد کے تار و پود کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔(اَتَنْهٰىنَآ)

۴۔عقائد کے متعلق تحقیق کرنی چاہیئے باپ دادا کے عقائد کو اپنا لینا صحیح روش نہیں ہے۔(نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا)

۵۔انسانوں کی تہذیب وثقافت صدیوں سے ایک دوسروں سے پیوستہ ہے۔(نَّعْبُدَ ، يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا)

۶۔لوگ اپنے بزرگوں کے عقائد کو بڑی مشکل سے چھوڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں لہذا لوگوں سے فوری اصلاح کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔(اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ)

۷۔ہر نئی بات اور نیا نظریہ لوگوں کی اکثریت کی نظر میں مشکوک ہوتا ہے۔(اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ)

۸۔اگر کسی زمانہ میں شک تحقیق و رہنمائی کا ذریعہ نہ بنے تو اس وقت وہی شک بہت بڑے جمود وسقوط کا باعث بنے گا۔ (شَكٍّ ۔۔۔۔ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ)

آیت نمبر 63

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ○

صالح نے کہا: اے میری قوم! یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھے رحمت عطا کی ہے تو اگر میں نے اس کی نافرمانی کی تو پھر اللہ کے مقابلے میں میری حمایت بھلا کون کرے گا تم تو میرے گھاٹے ہی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

پیام

۱۔آسمانی ادیان کے الٰہی رہبر لوگوں کو زور و جبر اور لالچ کی بنا پر دعوت نہیں دیتے وہ ہمیشہ بینہ، معجزہ اور روشن دلائل کی بنیاد پر لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتے تھے۔

۲۔منصب نبوت خدا کی طرف سے مخصوص بندوں پر ایک خصوصی رحمت ہے۔(وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً)

۳۔اگر انبیاء تبلیغ دین میں سستی کریں تو وہ بھی قہر الٰہی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔(فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ)

۴۔لوگوں کی خوشامد درآمد کو دیکھ کر تبلیغ دین سے باز نہیں آنا چاہیئے کیونکہ منحرف افراد کی پیروی سے صرف خسارہ ہی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔(فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ)

۵۔حق کی مخالفت خسارہ ہے۔(تَخْسِيْرٍ)

آیت نمبر 64

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ○

(صالح علیہ السلام نے اپنے معجزہ کے متعلق فرمایا) اے میری قوم! یہ اونٹنی (جو کہ اللہ کے ارادہ سے پیدا ہوئی ہے) تمہارے لیئے معجزہ ہے اسے آزاد رہنے دو تا کہ خدا کی زمین میں چرتی رہے اور اسے کوئی تکلیف نہ دو ورنہ تم خدا کی طرف سے قریبی عذاب کی گرفت میں آجاؤ گے۔

نکات

☆ناقہ صالح کئی لحاظ سے استثنائی حیثیت کی حاملہ تھی۔ اس ناقہ کی داستان سورہ شعراء کی آیات (۱۵۵۔۱۵۸) اور سورہ قمر (۲۷۔۳۱) کے علاوہ سورہ شمس میں بھی بیان کی گئی ہے۔ ۱۔یہ ناقہ پہاڑ سے برآمد ہوئی۔ ۲۔کسی اونٹ کے ملاپ کے بغیر حاملہ

ہوئی تھی۔ ۳۔ایک دن قوم کے چشمہ کا پانی وہ ناقہ پیتی تھی اوراس دن پوری قوم اس ناقہ کا دودھ پیتی تھی۔

☆ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اپنے بتوں کی بے بسی اور میرے خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے لیئے ایک دن اوروقت مقرر کرو۔ میں تمہارے بتوں سے کچھ مانگوں گا اوراس کے مقابلہ پر تم میرے خدا سے کچھ مانگنا پھر دیکھیں گے کہ تمہارے بُت مجھے کچھ دیتے ہیں یا نہیں اور میرا رب تمہیں کچھ عطا کرتا ہے یا نہیں؟ افرادِ قوم نے حضرت کی اس پیش کش کو قبول کیا۔مشرکین نے ایک پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوکر خدا سے درخواست کی کہ یہ پہاڑ پھٹ جائے اور پہاڑ سے حاملہ ناقہ برآمد ہوجائے اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کو قبول کیا پہاڑ پھٹا اوراس سے ناقہ برآمد ہوئی جس میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو وہ چاہتے تھے۔(تفسیر اطیب البیان)

پیام

ا۔نبی کو ایسا حسّی معجزہ پیش کرنا چاہیئے جسے عوام اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔(ھٰذِہٖ)

۲۔دست قدرت کھلا ہوا ہے۔اوروہ مسبب الاسباب ہے اور پہاڑ سے جنم لینے والی ناقہ کو اپنے نبی کا معجزہ بنا سکتا ہے۔ (ھٰذِہٖ نَاقَةُ اللهِ)

۳۔ناقۂ صالح بہت بڑا معجزہ تھی۔(نَاقَةُ اللهِ لَكُمْ اٰيَةً)

۴۔مقدسات کا احترام ہونا چاہیئے۔(فَذَرُوْهَا ،لَا تَمَسُّوْهَا)

۵۔مقدسات کی توہین سے اللہ تعالیٰ فوراً عذاب نازل کرتا ہے۔(عَذَابٌ قَرِيْبٌ)

آیت نمبر 65

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ○

انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا کہ تم لوگ اب تین دن اپنے گھروں میں بسر کرو۔(اس کے بعد تم پر عذاب الٰہی نازل ہوجائے گا) یہ ایک حقیقی اور نا قابلِ تکذیب وعدہ ہے۔

نکات

☆ روایات میں ہم یہ بات پڑھتے ہیں کہ ناقہ صالح کو پے کرنے والا ایک شخص تھا لیکن قرآن کریم میں (فعقروھا) کے الفاظ وارد ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سب لوگوں نے مل کر اونٹنی کو پے کیا تھا۔اصل بات یہ ہے کہ آیت اور روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے قاتل ایک تھا لیکن اسے پوری قوم کی تائید اور آشیر باد حاصل تھی اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو ناقہ صالح کا قاتل قرار دیا۔اسلام کا پیغام یہ ہے کہ کسی فعل پر راضی ہونے والا بھی اس فعل میں شریک ہے۔(وسائل جلد ۱۱/۴۰۹۔۴۱۱)

سوال۔ تین دن کی مہلت میں کیا کیا فلسفہ مضمر تھا؟

جواب۔ الف۔ یہ مہلت توبہ کرنے کے لیئے دی گئی تھی۔ ب۔ یہ مہلت عذاب کے دوگنا ہونے کے لیئے تھی کیونکہ اچانک موت کو ہر شخص سہہ لیتا ہے لیکن اگر کسی کو یہ کہہ دیا جائے کہ تین دن بعد تو مر جائے گا تو یہ تین دن اسے موت سے بھی زیادہ گراں محسوس ہوں گے۔ ج۔ خدا کے پیغمبر کی حقانیت کی یہ دلیل تھی کیونکہ وقت کی تعیین کا تعلق غیبی اخبار سے ہے۔

پیام

۱۔ دوسروں کے جرم پر راضی ہونے والا بھی ان کے گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ (فَعَقَرُوهَا) نہج البلاغہ کے کلام ۱۲ اور ۲۰ میں بھی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔ خدا کی جانب سے جاری ہونے والی وارننگ کو جھوٹ اور مذاق نہیں سمجھنا چاہیئے۔ (غَيْرُ مَكْذُوبٍ)

۳۔ مقدسات کی توہین یقینی عذاب کا سبب ہوتی ہے۔ (وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ)

آیت نمبر 66

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○

(تین دن گزرنے کے بعد) جب ہمارے عذاب کا حکم جاری ہوا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے اس عذاب اور اس دن کی رسوائی سے نجات عطا کی (اے میرا رسول!) بے شک تیرا پروردگار ہی طاقتور اور غالب ہے۔

نکات

☆ لفظ (خزی) کا اس عیب پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کا ظاہر ہونا انسان کی رسوائی اور آبروئی کا موجب ہو۔

☆ فطری آزمائشات (مثلاً زلزلہ، طوفان یا خطرناک امراض) سے مومن اور کافر دونوں ہی متاثر ہوتے ہیں۔ جب لوگ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں تو اس کے اثرات تمام لوگوں پر طاری ہوتے ہیں۔ لیکن جب خدائی عذاب نازل ہوتا ہے تو اہل ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ البتہ اگر کسی نے ظلم پر خاموشی اختیار کر رکھی ہو اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غفلت کی ہو تو وہ بھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ (نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ)

پیام

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور ان کے مومن ساتھیوں کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ (نَجَّيْنَا)

۲۔ عذاب سے نجات پانے کے لیئے ایمان اور نبی کی پیروی بنیادی شرط ہے۔ (نَجَّيْنَا ... الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ)

۳۔ نبی کی پیروی انسان کی سربلندی اور عزت کا ذریعہ ہے۔ (نَجَّيْنَا ... الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ)

۴۔تمام کافروں کو برباد کر کے چند اہل ایمان کو بچا لینا خدا کے لیئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔(الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ)

۵۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم کو بھی یہ تسلی دی ہے کہ میں آپ کے مخالفین سے بھی یہ سلوک کرنے پر قدرت رکھتا ہوں کیونکہ میں قوی اور غالب ہوں۔(اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ)

آیت نمبر 67-68

وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ○

كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ○

ظالموں کو آسمانی چنگھاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا وہ اپنے گھروں میں اندھے پڑے رہ گئے

(اس چنگھاڑ اور زلزلہ کی وجہ سے وہ یوں برباد ہوئے) گویا وہ ان گھروں میں کبھی آباد نہیں رہے تھے۔آگاہ رہو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا تھا۔آگاہ رہو کہ قوم ثمود کے لیئے (رحمتِ حق سے) دوری ہو۔

نکات

☆لفظ ''جاثمین'' (جثم) مصدر سے اسم فاعل ہے جس کے معنی زانو کے بل بیٹھنا یا منہ کے بل لیٹنے کے ہیں جیسا کہ کسی پر بجلی گرے تو وہ جس حالت میں ہے اسی حالت میں خشک ہو جائے اور اسے وہاں سے جانے کی فرصت وطاقت نہ رہے۔لفظ (یغنوا) کا مادہ ''غنی'' ہے جس کا معنی کسی مکان میں رہائش رکھنے کا ہے۔قوم ثمود کے مختصر حالات یہ ہیں

☆حضرت صالح کا تعلق عرب انبیاء سے تھا اور آپ کا تعلق قوم ثمود سے تھا یہ قوم وادی القری (مدینہ وشام کے مابین) رہائش پذیر تھی یہ لوگ کاشت کاری اور باغبانی کیا کرتے تھے موجودہ تورات حضرت صالح کا نام موجود نہیں ہے(تفسیر المیزان)

☆اس زمانہ میں جس طرح سے ہوائی جہاز آواز کے دیوار کو توڑتے ہیں تو اس سے بہت بڑے دھماکے کی صدا بلند ہوتی ہے جس سے مکانوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور حاملہ عورتوں کے بچے گر جاتے ہیں اور دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اس طرح کے دھماکے کو (صیحہ) کہا جاتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ دنیا کو ختم کرے گا تو اس وقت بھی ایک سخت دھماکے کی آواز بلند ہوگی پورا نظام ہستی تباہ وبرباد ہو جائے گا (مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ) (یس،۴۹) وہ بس ایک زوردار دھماکے کے انتظار میں رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے گا اس وقت وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔اور جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا تو اس وقت بھی ایک دھماکہ ہوگا کہ سارے لوگ خدا کے سامنے پیش ہو جائیں گے۔(اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ) (یس، ۵۳) بس ایک زوردار دھماکہ ہوگا کہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کر دیئے جائیں گے۔

پیام

۱۔ظالموں پر جو عذاب نازل ہوتا ہے وہ ان کے اپنے ظلم وستم کا نتیجہ ہوتا ہے۔(اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا)

۲۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا جزا کا سلسلہ جاری ہے۔(اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا)

آیت نمبر 69

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○

بے شک ہمارے نمائندے (انسانی شکل میں فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر گئے۔ انہوں نے سلام کہا۔ جواب میں ابراہیم نے بھی سلام کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ابراہیم بھنا ہوا بچھڑا لے کر آئے۔

پیام

۱۔ملائکہ اذن الٰہی سے انسانی شکل وصورت اختیار کر سکتے ہیں(قَالُوْا سَلٰمًا)

۲۔"سلام" ایک آسمانی شعار اور ملکوتی انداز ہے۔ (قَالُوْا سَلٰمًا)

۳۔سلام کا جواب اس سے بہتر انداز میں دینا چاہیئے اسی آیت میں ملائکہ کے لیئے (قَالُوْا سَلٰمًا) کہا گیا ہے جو کہ جملہ فعلیہ ہے اور اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (سلاما) کہا۔ لفظ (سَلٰمًا) جملہ اسمیہ ہے جو کہ دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔(قَالُوْا سَلٰمًا)

۴۔مہمان کی پذیرائی میں جلدی کرنی چاہیئے (فَمَا لَبِثَ) ۵۔گفتگو کا آغاز سلام سے کرنا چاہیئے (جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ)

۶۔مہمان نوازی کی بڑی قدر وقیمت ہے مہمان اگرچہ ناواقف ہی کیوں نہ ہو (جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ)

۷۔انبیاء سخی اور مہمان نواز تھے۔(جَآءَ بِعِجْلٍ)

۸۔مہمان کے لیئے روٹی لے کر آجانا چاہیئے مہمان سے کھانا کھانے کے متعلق پوچھنا نہیں چاہیئے۔ (مثلاً کیا آپ کھانا پسند کریں گے؟ کیا آپ کھانا کھا کر یہاں آئے ہیں؟ یا آپ غذا میں کیا کھانا چاہیں گے وغیرہ)(جَآءَ بِعِجْلٍ)

۹۔کھانا مہمان کے پاس لے جانا چاہیئے نہ کہ مہمان کو اٹھا کر کھانے پر لانا چاہیئے۔(جَآءَ بِعِجْلٍ)

۱۰۔مہمان نوازی خود اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہیئے اور اس کام کو نوکروں پر نہیں ڈالنا چاہیئے۔(جَآءَ بِعِجْلٍ)

۱۱۔مہمان نوازی کے لیئے حتی المقدور اچھی غذا پیش کرنی چاہیئے۔ (جَآءَ بِعِجْلٍ) نبی کے گھر میں مہمانوں کی ضیافت کے لیئے کباب پیش کیئے گئے۔ سورہ ذاریات میں (عجل سمین) کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں مقصد یہ ہے کہ وہ کباب موٹے تازے گوسالے کے گوشت سے بنے ہوئے تھے۔

آیت نمبر 70

فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؀

جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے (وہ کھا نہیں رہے) تو وہ ان کے متعلق پریشان ہو گئے اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا مہمانوں نے کہا کہ آپ مت ڈریں ہمیں قوم لوط کی (بربادی) طرف روانہ کیا گیا ہے

نکات

☆حضرت ابراہیم علیہ السلام اعلیٰ درجہ کے نڈر اور بہادر انسان تھے آپ کو تاریخ بت شکن کے نام سے یاد کرتی ہے آپ کے خوف زدہ ہونے کی نوعیت وہ نہیں تھی جس کا مظاہرہ ایک عام انسان مشکلات کے وقت کرتا ہے البتہ خطرے کی جانب متوجہ ہونا اور بُرا قصد کرنا اور بات ہے۔

☆سلسلہ مراتب کو بھی ہمیشہ نظروں میں رکھنا چاہیئے حضرت لوطؑ کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے سے تھا اسی لیئے ملائکہ پہلے ان کے بزرگ کے پاس گئے بعد ازاں حضرت لوطؑ کے مہمان بنے۔

پیام

۱۔ملائکہ مادی غذا استعمال نہیں کرتے۔(لَا تَصِلُ اِلَيْهِ)

۲۔علم انبیاء محدود ہے۔(نَكِرَهُمْ)

۳۔حضرت ابراہیم کے زمانہ میں اگر کسی نے کسی سے عداوت رکھنا ہوتی تھی تو وہ اس کے گھر کا نمک نہیں کھاتا تھا کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر میں نے اس سے دشمنی کی تو یہ نمک حرامی ہوگی۔اور جب کوئی کسی کے ہاں کھانا نہ کھاتا تو میزبان سمجھ لیتا تھا کہ اسے مجھ سے کوئی عداوت ہے جبھی وہ میرا کھانا نہیں کھا رہا ہے۔(وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً)

۴۔لائکہ کی ایک ڈیوٹی عذاب نازل کرنا بھی ہے۔(اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ)

آیت نمبر 71

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ؀

اور اس وقت ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوتی تھی وہ ہنسنے لگی تو ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

نکات

☆مفسرین نے حضرت ابراہیم کی بیوی کے کھڑا ہونے کی کئی وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

۱۔آپ عبادت کے لیئے کھڑی ہوئی تھیں۔

۲۔آپ مہمانوں کی خدمت کے لیئے کھڑی ہوئی تھیں۔

۳۔آمدرفت اور گفتگو پر نظر رکھنے کے لیئے کھڑی تھیں۔

☆(قَآئِمَةٌ) ہنسنے کو کہا جاتا ہے اور (ضحك) عورت کی ماہواری کو کہا جاتا ہے۔حضرت ابراہیم کی زوجہ کے ہنسنے کی ایک ممکنہ وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب انہیں یقین ہوگیا کہ مہمانوں نے اگرچہ کھانا نہیں کھایا پھر بھی ہمارے دشمن ہیں۔اس اطمینان کے نصیب ہونے پر بی بی ہنسی ہوں گی۔کچھ تفاسیر میں مرقوم ہے کہ حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ معمّر خاتون تھیں اور ایک طویل عرصہ سے انہیں ماہواری آنا بھی بند ہوگئی تھی جیسے ہی انہوں نے یہ خبر سنی تو انہیں ماہواری جاری ہوگئی اس وقت انہیں یہ توقع بندھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ماں بنانے کا ارادہ کر چکا ہے چنانچہ یہ سوچ کر وہ ہنسی تھیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ (ضحکت) سے مراد ہے کہ انہیں حیض آنے لگا۔(تفسیر نور الثقلین)

پیام

۱۔بعض اوقات عورت کا کسی مقام پر ہونا ضروری ہوتا ہے۔(وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ)

۲۔عورت میں خوش ہونے کی صلاحیت مرد کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔چنانچہ فرشتوں کی گفتگو ابراہیم اور ان کی بیوی دونوں نے سنی تھی لیکن صرف بی بی ہی ہنسی تھیں ابراہیم نہیں ہنسے تھے۔(فَضَحِكَتْ)

۳۔خوف و ہراس کے مواقع پر خوش خبری بھی ہونی چاہیئے۔(اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۔۔۔ فَبَشَّرْنٰهَا)

۴۔بہترین بشارت وہ ہے جو پائیدار اور مستقل ہو۔(وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ) ممکن ہے کہ لفظ (یعقوب) (عقب) سے مشتق ہو کیونکہ وہ اسحاق کے پیچھے دنیا میں آئے تھے۔(تفسیر المیزان)

۵۔انبیاء کے نام خدا کی طرف سے پہلے سے متعین تھے (اِسْحٰقَ، يَعْقُوْبَ)

۶۔ملائکہ کے ہر گروہ کی علیحدہ علیحدہ ذمہ داری ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو گروہ آیا تھا وہ دو کام کرنے کے لیئے آیا تھا۔

۱۔ان کی پہلی ڈیوٹی حضرت لوط کی نااہل قوم کو برباد کرنا تھی۔

۲۔ان کی دوسری ڈیوٹی حضرت ابراہیم و سارہ کو فرزند کی بشارت دینا تھی۔(اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ، فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ)

آیت نمبر 72

قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ○

ابراہیم کی زوجہ نے کہا ہائے افسوس میرے حال پر کیا میں ماں بنوں گی جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔ واقعاً یہ تو تعجب خیز بات ہے۔

نکات

☆بی بی کو تعجب کالاحق ہونا ضروری تھا کیونکہ وہ (عَجُوۡزٌ عَقِيۡمٌ) (ذاریات/۲۹) (بوڑھی بانجھ) تھیں۔ اس وقت ان کی عمر نوے برس کی ہو چکی تھی اور حضرت ابراہیم بھی سو برس کے ہو چکے تھے

☆تفسیر المیزان کے بقول لفظ (بعل) کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو اور تامین معیشت کے لیئے دوسروں کا دست نگر نہ ہو۔ عربی زبان میں شوہر کو اس لیئے (بعل) کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہوتا ہے۔ اور اپنی اور اپنے اہل خانہ کے رزق روزی کے لیئے جدوجہد کرتا ہے اور اس کے لیئے دوسروں پر انحصار نہیں کرتا۔ اسی طرح سے کھجور کے اس درخت کو بھی عربی زبان میں (بعل) کہا جاتا ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں بہت دور تک پھیل چکی ہوں اور وہ پانی حاصل کرنے کے لیئے بیرونی پانی کا محتاج نہ ہو۔

پیام

۱۔ عورت کو حقیر نہیں جاننا چاہیئے عورت اس مقام پر بھی پہنچ سکتی ہے کہ فرشتوں سے براہ راست گفتگو کرے۔ (قَالَتۡ)

۲۔ قدرت خداوندی پر تعجب کرنا ایمان کے منافی نہیں ہے۔ (اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ)

۳۔ اللہ کی قدرت کا موازنہ ہمیں اپنی قوت وطاقت سے کبھی نہیں کرنا چاہیئے۔ (اَنَا عَجُوۡزٌ ، بَعۡلِىۡ شَيۡخًا) (ہر جگہ پر ظاہری علل واسباب ہی کارفرما نہیں ہوتے)

آیت نمبر 73

قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ○

انہوں (فرشتوں نے ابراہیم کی زوجہ سے) نے کہا کیا تو خدا کے کام سے تعجب کرتی ہے جب کہ اللہ کی رحمت اور اس کی برکات تم اہل خانہ (خاندان رسالت) پر ہیں۔ بے شک وہ لائق حمد اور قابل تمجید ہے۔

نکات

☆ایک دن امیر المومنین علیہ السلام نے ایک گروہ پر سلام کیا۔ انہوں نے جواب میں یہ الفاظ کہے (علیك السلام و رحمة الله و بر کاته علیکم اهل البیت و مغفرته و رضوانه) امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام کو بس اتنا ہی رہنے دو کہ ملائکہ نے ابراہیم سے کہا تھا۔ لہٰذا (و رحمة الله و بر کاته) کہنا کافی ہے اس سے مزید آگے نہ بڑھایا جائے۔ (تفسیر مجمع البیان)

سوال ۔ درج بالا آیت میں ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو لفظ ''اہل بیت'' سے تعبیر کیا ہے ویسے بھی ہر شخص کی بیوی اس کے گھر کا فرد ہوتی ہے پھر آخر کیا وجہ ہے کہ (اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا) (احزاب / ۳۳) میں لفظ اہل بیت سے شیعہ حضرات ازواج رسول کو شامل کیوں نہیں کرتے ؟!

جواب ۔ یہ درست ہے کہ لفظ ''اہل بیت'' کا اطلاق بیوی بچوں پر ہوتا ہے بعض اوقات کسی دلیل کی وجہ سے کوئی فرد اس کے دائرے سے خارج کیا جاتا ہے مثلاً پسر نوح کے لیئے یہ کہا گیا۔ (اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ) (ہود / ۴۶) بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی دلیل خارجی کی وجہ سے کسی غیر کو اس لفظ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً (سلمان منا اهل البیت) (سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے) آیت تطہیر میں ہم ازواج کو اس لیئے شامل نہیں کرتے کہ ہمارے پاس ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد صرف وہی ذوات طاہرہ ہیں جو چادر تطہیر میں جمع ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہی کی طہارت کے لیئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور جب پنج تن پاک چادر میں جمع تھے تو حضرت ام سلمہؓ نے بھی چادر میں آنے کی درخواست کی تھی لیکن آنحضرتؐ نے انہیں چادر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

پیام

۱۔ بعض اوقات ملائکہ غیر انبیاء کے ساتھ بھی کلام کرتے ہیں۔

عرض مترجم ۔ ازواج رسول اہل بیت میں شامل ہیں لیکن اہل بیت تطہیر میں ازواج شامل نہیں ہیں۔ اہل بیت تطہیر سے پنج تن پاک مراد ہیں۔ کتب حدیث میں بالتواتر ملتا ہے چھ ماہ یا نو ماہ تک ہر نماز کے وقت در اہل بیت پر جاتے اور زور سے آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا یہ عمل گواہی دیتا ہے کہ اہل بیت تطہیر میں ازواج شامل نہیں ہیں۔ (من المترجم)

۲۔ عورت بھی ملائکہ کے کلام کی مخاطب بن سکتی ہے۔ (قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ) ملائکہ نے زوجہ ابراہیم کو تعجب کرنے سے منع کیا تھا۔

۳۔ ہمیں زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر غیبی امداد سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ (اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ)

۴۔ تعجب اور استبعاد کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمات کو یاد کرنا چاہیئے۔ (اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ) چنانچہ وہ خدا جس نے ابراہیم پر نار نمرود کو گلزار بنا کر بت پرستوں کو ذلیل کیا تھا وہ پیرانہ سالی میں بھی انہیں صاحب اولاد بنا سکتا ہے۔

۵۔نیک بیٹا خدا کی طرف سے رحمت و برکت ہوتا ہے۔(رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ)

آیت نمبر 74

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ ○

جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہوگئی اور اس کے پاس خوش خبری پہنچ گئی تو وہ قوم لوط کے متعلق ہم سے مباحثہ کرنے لگ گیا۔

نکات

☆ممکن ہے کہ اس مجادلہ ومباحثہ سے وہ گفتگو مراد ہو جو سورہ عنکبوت کی ۳۱ویں آیت میں مذکور ہے آپ نے ملائکہ سے کہا تھا کہ تم اس علاقہ کو تباہ وبرباد کیسے کروگے جب کہ وہاں خدا کا نبی لوط بھی رہتا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا تھا کہ ہم وہاں پر رہنے والوں کو اچھی طرح سے جانتے ہیں ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو نجات دیں گے

پیام

۱۔علم تسکین کا مقدمہ ہے چنانچہ جب ابراہیمؑ کو علم ہو گیا تو آپؑ کی گھبراہٹ دور ہوئی اور پر سکون ہو گئے۔(ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ)

۲۔انبیاء میں خوف اور ڈر عارضی نوعیت کا ہوتا ہے ورنہ وہ بلحاظ خصلت وذات ڈرپوک اور بزدل طبیعت کے نہیں ہوتے۔(ذَهَبَ)

۳۔دفعِ ضرر،حصول منفعت پر مقدم ہے۔(ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى)

۴۔جب کسی کو روحانی سکون میّسر ہو تو وہ دوسروں کی طرف ہی متوجہ ہوتا ہے۔(فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ)

۵۔پریشانی اور ہیجان کے عالم میں تنقید نہیں کرنی چاہیئے۔(ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ ۔۔۔ يُجَادِلُنَا)

۶۔نعمت کی بشارت حاصل کرنے کے بعد دوسروں کی سرنوشت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔(جَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ)

۷۔انبیا کو ہمیشہ زیردست افراد کی فکر رہتی ہے۔(يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ)

۸۔انسان کو صرف اپنی ذات اور اپنی ہی قوم کی فکر نہیں ہونی چاہیئے۔(يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ)

۹۔جب تک مقدرات الٰہی حتمی نہ ہوں اس وقت تک دعا،توسل اور شفاعت موثر رہتی ہے۔(يُجَادِلُنَا)

۱۰۔ملائکہ اور خدا کے نمائندوں سے جدال کرنا دراصل خدا سے جدال ہے۔(يُجَادِلُنَا)

آیت نمبر 75-76

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ○

يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ○

بے شک ابراہیمؑ بُردبار، آہ و نالہ کرنے والے اور توبہ وانابت کرنے والے تھے (قوم لوط کے لیئے خدا کے عذاب کا حتمی فیصلہ ہو چکا تھا اسی لیئے فرشتوں نے شفاعت کے تقاضوں اور تاخیر عذاب کی درخواست پر کہا) اے ابراہیم! اس تقاضا سے صرف نظر کریں ۔تیرے پروردگار کی طرف سے حکم جاری ہو چکا ہے ان پر وہ عذاب آنے کو ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔

نکات

☆اس سورت کی ۷۵ ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے قوم لوط کے متعلق ملائکہ سے مباحثہ کیا تھا۔ پھر ۷۶ ویں آیت میں یہ کہا گیا کہ ابراہیم! اس جدل واصرار کو جانے دیں ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا جدل ایک امت کی ہمدردی پر مبنی تھا۔ اس طرح سے ۷۵ ویں آیت میں ابراہیمؑ کو (لَحَلِيۡمٌ۔۔ اَوَّاهٌ۔۔ مُّنِيۡبٌ) کے تین القاب سے یاد کیا گیا۔

پیام

۱۔انسانی رہبروں میں سے انبیائے کرام نہایت ہی مہربان طبائع کے حامل تھے وہ امتوں پر نہایت شفیق تھے اور حلم، آہ وزاری اور توبہ اور انابت کے ذریعہ سے لوگوں کی نجات کے متلاشی تھے۔ (لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ)

۲۔جب کسی کا ذکر کرنا مقصود ہو تو اس کے پورے القابات و اعزازات کے ساتھ کیا جائے۔ (اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ)

۳۔جب تک حضرت ابراہیم کو عذاب الٰہی کے حتمی اور قطعی ہونے کا علم نہ ہوا اس وقت تک آپ شفاعت کرتے رہے۔ (قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ)

۴۔کچھ لوگوں پر آنے والا عذاب دوسروں کی تربیت میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ (اَمۡرُ رَبِّكَ)

۵۔جب خدا کا حتمی فیصلہ ہو جائے تو پھر انبیاء کی شفاعت غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔ (يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ عَنۡ هٰذَا)

آیت نمبر 77

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوۡمٌ عَصِیۡبٌ○

اور جب ہمارے نمائندے (عذاب پر مامور فرشتے) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد کی وجہ سے غمگین ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے کہنے لگے کہ یہ بڑا سنگین دن ہے۔

نکات

☆ خدا کے روانہ کیے ہوئے فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے پاس آئے۔ حضرت لوطؑ اپنی قوم کی خباثت سے واقف تھے اس لیئے آپ پریشان ہو گئے۔

☆ (یعنی ان کا ہاتھ کوتاہ ہو گیا) یہ الفاظ اظہار عاجزی کا کنایہ ہیں مقصد یہ ہے کہ لوط کے لیئے مہمانوں کے بچانے کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔

پیام

ا۔ علم انبیاء محدود ہے (لَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا) حضرت لوطؑ نہیں جانتے تھے کہ خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آنے والے مہمان فرشتے ہیں۔

۲۔ برائی کے ساتھ مبارزہ کا آغاز دل کی نفرت سے ہوتا ہے۔ (سِیۡٓءَ بِهِمۡ)

ا۔ مہمان کی حفاظت میزبان کا فریضہ ہے۔ (ضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا)

آیت نمبر 78

وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ یُهۡرَعُوۡنَ اِلَیۡهِ ؕ وَمِنۡ قَبۡلُ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَکُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِیۡ ضَیۡفِیۡ ؕ اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ○

اس کی قوم تیزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اس سے پہلے وہ برائیاں کرتے تھے لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیئے پاکیزہ ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے متعلق شرمندہ نہ کرو کیا تمھارے اندر کوئی بھی باشعور شخص نہیں ہے؟

نکات

☆ (یُھۡرَعُوۡنَ) کا لفظ (اھراع) مصدر سے بنا ہے جس کے معنی تیز دوڑنے کے ہیں مقصد یہ ہے کہ قوم لوط کے بدمعاش غریزہ شہوت سے متاثر ہوکر بے لگام جانوروں کی طرح سے سرپٹ دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی طرف دوڑ پڑے۔

☆ آیت مجیدہ میں (اَطۡهَرُ) کے الفاظ موجود ہیں اس کا مقصد ہرگز نہیں ہے کہ نکاح کر کے جنسی تسکین حاصل کرنے میں زیادہ پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ اور لواطت میں کم درجہ کی پاکیزگی پائی جاتی ہے اس کا تعلق ''باب مماشات'' سے ہے یعنی ان الفاظ سے بدکاروں کو یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تمہیں جنسی تسکین ہی مطلوب ہے تو بھی لواطت کی بجائے اپنی بیویوں سے حاصل کرلو۔ اس کی نظیر سورہ جمعہ کے لفظ ''خیر'' میں بھی دیکھی جاسکتی ہے جہاں یہ الفاظ موجود ہیں (قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ) آپ کہہ دیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ (لَهۡو) سے زیادہ بہتر ہے۔ اس آیت کا معنی ہرگز نہیں ہے کہ خدا کے ہاں کی نعمات زیادہ بہتر ہیں اور لہو ولعب کم درجہ کا بہتر کام ہے۔

پیام

۱۔ جب کبھی کوئی معاشرہ اخلاقی پستی میں ڈوب جائے تو پھر اس معاشرے کے نوجوان گناہ اور برائیوں کی طرف بھاگ کر آتے ہیں ۔(یُھۡرَعُوۡنَ اِلَیۡهِ)

۲۔ نفس امارہ انسان کو گناہوں کی طرف دھکیلتا ہے۔(یُھۡرَعُوۡنَ)

۳۔ جب انسان ایک گناہ کرلے تو پھر دوسرے گناہ کی خواہش کرنے لگ جاتا ہے۔(وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ)

۴۔ برائیوں کو روکنے کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیکی اور بھلائی کے دروازوں کو کھول دیا جائے اور لوگوں کو نیکی کے دروازوں سے آگاہ کیا جائے۔(هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيۡ، لَا تُخۡزُوۡنِ)

۵۔ عفت و پاکدامنی کا یہ معنی نہیں ہے کہ جائز طریقوں سے بھی جنسی تسکین حاصل نہ کی جائے۔ البتہ اتنی شرط ضرور ہے کہ جنسی تسکین کے لیئے فطری اور خدائی احکام کی پابندی کی جائے۔(هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيۡ) (حضرت لوط نے لوگوں کی موجودگی میں اپنی بیٹیوں کی طرف اشارہ کیا تھا)

۶۔ نکاح اور شادی جنسی تسکین کا واحد صحیح اور پاکیزہ طریقہ ہے اس کے علاوہ باقی تمام طریقے غلط اور ناپاک ہیں۔(هُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ)

۷۔ اگر لوگ گناہوں کے عادی کیوں نہ ہوں پھر بھی نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔(وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ)

۸۔ معاشرے کی ہدایت کے لیئے صرف وعظ ونصیحت ہی کافی نہیں ہے۔ بعض مقامات پر قربانی بھی دینا پڑتی ہے۔(بَنَاتِيۡ)

۹۔ باپ کو یہ اختیار ہے کہ بیٹی کے نکاح کی پیشکش کرسکتا ہے۔(هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيۡ)(۱)

۱۰۔ ہم جنس پرستی سابقہ مذاہب میں بھی حرام اور قابلِ نفرت سمجھی جاتی تھی۔(فَاتَّقُوا اللّٰهَ)

عرض مترجم۔ یہاں ''بناتی'' سے حضرت لوط کی اپنی بیٹاں مرادنہیں ہیں کیونکہ حضرت کے پاس سینکڑوں بدمعاش جمع تھے جب کہ لوط کی بیٹیاں سینکڑوں کی تعداد میں نہیں تھیں اصل بات یہ ہے کہ نبی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔اورامت کے افراد اس کی اولاد ہوتے ہیں۔حضرت نے بھی نااہل لوگوں سے یہی کہا تھا کہ تمھارے ہاں بیویاں موجود ہیں جو کہ ایک طرح سے میری بیٹیاں ہیں اوروہ تمہارے لیئے خدااورفطرت ودین کے لحاظ پاکیزہ ترہیں لہٰذا تم ان سے اپنی جنسی پیاس بجھاؤ۔ بہت سی تفاسیر میں یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔

۱۱۔مہمان کی توہین واذیت دراصل میزبان کی توہین ہے۔(لَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ)

۱۲۔مہمان نوازی کی قدروقیمت کا انداز اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک شریف ترین انسان بدترین لوگوں کی جھڑکیاں بھی سن کر برداشت کرگیا۔(لَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ)

۱۳۔مہمان کا دفاع میزبان پرفرض ہےاور یہ ایک انسانی حق ہےاورایسانہ کرنا بزدلوں کا شیوہ ہے۔(لَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ)

۱۴۔نہی عن المنکر کرتے وقت لوگوں کے جذبات واحساسات سے مدد حاصل کرنی چاہیئے۔(اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ)

۱۵۔ہم جنس پرستی مردانگی اورغیرت کے منافی ہے۔(اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ)

آیت نمبر 79-80

قَالُوۡا لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِىۡ بَنٰتِكَ مِنۡ حَقٍّ‌ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِيۡدُ○

قَالَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ بِكُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِىۡۤ اِلٰى رُكۡنٍ شَدِيۡدٍ○

انہوں (قوم لوط) نے کہا کہ تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ ہمارا تیری بیٹیوں پرکوئی حق نہیں ہے (ہمیں عورتوں سے جنسی پیاس بجھانے کا کوئی شوق نہیں ہے) جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ بخوبی معلوم ہے۔

اس (حضرت لوط) نے کہا کہ ہائے کاش مجھے تمہارے برابر میں قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔

نکات

☆اس آیت میں حضرت لوط یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ اگرآج میرے ساتھ اہل ایمان کی بھی کوئی جماعت ہوتی تو میں تم کمینوں سے ضرور جنگ کرتااوراپنے مہمانوں کا دفاع کرتایا اگراور کچھ نہ ہوسکتا ہوتا تو اپنے مہمانوں کوتمہارے چنگل سے باہرنکال کرکسی پرامن مقام پر پناہ لے لیتا۔

☆جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس آیت مجیدہ کو پڑھتے توآپ فرمایا کرتے تھے: (رحمة الله علی لوط،لقد کان یاوی الی رکن شدید) (تفسیر فی ظلال القرآن)

پیغمبر اسلامؐ کے مندرجہ بالا فرمان کا ظاہری طور پو مطلب تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ حضرت لوطؑ دنیا سے چلے گئے اور آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور خدا کے حضور جا پہنچے اور اپنی قوم کے شر سے نجات حاصل کی۔

☆ ہم جنس پرستی گناہ کبیرہ ہے اور اس لیئے شریعت میں سزائے موت اور تازیانوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ جو کہ عادل افراد کی گواہی کے بعد عمل میں لائی جائے گی۔

قرآن وحدیث میں لواطت کا گناہ

قرآن مجید کی مختلف آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی داستان بیان کی گئی ہے اور لواطت کے بدترین جرم کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جس سے اس گناہ کی شدت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ لواطت کے فعلِ بد کو سات مختلف الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۱۔فحاشی۔ (بے حیائی) (اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ) (اعراف/۸۰) کیا تم بے حیائی بجالاتے ہو۔ ۲۔اسراف۔ (حد سے تجاوز) (بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ)(اعراف/۸۱) تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو۔ ۳۔جرم۔(كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ)(اعراف/ ۸۴) مجرموں کا انجام کیا ہوا؟ ۴۔ظلم۔(وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ)(ہود/ ۸۳)

وہ ظالموں سے دُور نہیں ہے۔ ۵۔خباثت۔(كَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ) (انبیاء/ ۷۴) قوم لوط خباثت پر عمل پیرا تھی۔ ۶۔جہالت۔(النِّسَآءِ‌ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ)(نمل/ ۵۴) بلکہ تم جاہل ہو۔ ۷۔فسق۔(اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِيۡنَ)(انبیاء/ ۷۴) یقیناً وہ برائی کرنے والی بدکار قوم تھی۔ روایات میں اس فعلِ بد کے لیئے سخت تہدید دکھائی دیتی ہے اس فعلِ بد کی مذمت میں بہت سی احادیث وروایات مروی ہیں جن میں سے ذیل میں ہم بطور نمونہ چند روایات نقل کرتے ہیں۔

۱۔جب بھی لواطت ہوتی ہے تو عرش الٰہی کانپ اٹھتا ہے اور قیامت کے دن خدا ایسے بدکاروں سے کلام نہیں کرے گا۔ (بحار الانوار جلد ۷۶/ ۶۳) ۲۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ طے کرلیا جائے کہ کسی کو دو مرتبہ سنگسار کرنا ہے تو پھر لوطی اس سزا کا حقدار ہے۔(بحار جلد ۷۶/ ۶۷) رسول مقبول صلی اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص لواطت پر اصرار کرتا ہو تو وہ اس وقت تک دنیا سے رخصت نہ ہوگا جب تک لوگوں کو اپنے ساتھ لواطت کی دعوت نہ دے گا۔(بحار ۷۶/ ۶۷) لواطت میں ملوث فاعل ومفعول دونوں کو قتل کیا جاتا ہے اور روایات میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اس سے نسل قطع ہوتی ہے۔(نہج البلاغہ حکمت ۲۵۲)

☆ بہت سی روایات میں ایسی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو مردوں کی شباہت اختیار کرتی ہیں اور اسی طرح سے ان جوانوں کی مذمت کی گئی ہے جو عورتوں کی شباہت اختیار کر کے لواطت کے لیئے زمین ہموار کرتے ہیں۔

پیام

۱۔بعض اوقات گناہوں کی وجہ سے انسان کی شخصیت اتنی مسخ ہو جاتی ہے کہ وہ فطری راستوں کو غلط اور غیر فطری راہوں کو اپنے لیئے درست قرار دینے لگتا ہے۔(مَا لَـنَا فِىۡ بَنٰتِكَ مِنۡ حَقٍّ‌....)

۲۔تمام پیغمبر اور مصلح طاقت، وسائل اور افراد کی موجودگی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کے لیئے ضروری خیال کرتے تھے۔(لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً)

۳۔اگر طاقت واقتدار نہ ہو تو انبیاء بھی برائیوں کو نہیں روک سکتے۔(لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً)

۴۔اگر ہم معاشرتی بگاڑ کو روک سکتے ہوں تو روک دیں اور اگر ہم معاشرتی بگاڑ کو روکنے کے قابل نہ ہوں تو پھر فاسد معاشرے کو ہی چھوڑ دینے میں ہماری عافیت ہے۔(لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ)

۵۔بعض اوقات انبیاء اپنی قوم میں بھی غیر موثر شمار ہوتے تھے۔(لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ)

۶۔مہمان کے دفاع اور اس کی توہین کو روکنے کے لیئے ہر ممکن اقدام کرنا چاہیئے۔(اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ)

آیت نمبر 81

قَالُوۡا یٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنۡ یَّصِلُوۡۤا اِلَیۡکَ فَاَسۡرِ بِاَہۡلِکَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّیۡلِ وَلَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ اِلَّا امۡرَاَتَکَ ؕ اِنَّہٗ مُصِیۡبُہَا مَاۤ اَصَابَہُمۡ ؕ اِنَّ مَوۡعِدَہُمُ الصُّبۡحُ ؕ اَلَیۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِیۡبٍ ○

انہوں (مہمانوں) نے کہا۔اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں (تم ہماری وجہ سے پریشانی مت خریدو) یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے آپ رات کے حصہ میں اپنے خاندان کو اس سرزمین سے باہر لے جائیں۔(خیال رکھنا) تم میں سے کوئی بھی (پس پشت) متوجہ نہ ہو سوائے اپنی بیوی کے (اسے اپنے ساتھ مت لے جاؤ) اس پر بھی وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو اوروں پر نازل ہوگا۔ان کی بربادی کے لیئے صبح کا وقت مقرر ہو چکا ہے کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے؟

نکات

☆(اسر) کا لفظ (اسراء) مصدر سے فعل امر حاضر ہے جس کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔

☆لفظ (الا امرآتك) کے متعلق دو احتمال پائے جاتے ہیں پہلا احتمال تو یہ ہے کہ یہ لفظ (اھلك) سے مستثنیٰ ہو اس صورت میں مقصد آیت یہ ہوگا کہ تم بیوی کے سوا باقی خاندان کو لے کر رات کے ایک حصے میں چل پڑو۔مقصد یہ ہے کہ بیوی کو ساتھ لے کر ہی نہ جاؤ۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ (لا یلتفت) سے مستثنیٰ ہو اور اس صورت میں مقصد آیت یہ ہوگا کہ تم جب خاندان کو لے کر باہر نکلو تو تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے ورنہ اس پر بھی عذاب آجائے گا مگر تمہاری بیوی پیچھے دیکھے گی اور اس کے نتیجہ میں وہ بھی عذاب کی حقدار بن جائے گی۔

پیام

۱۔اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی ہلاکت کا فیصلہ کرتا ہے۔تو اس قوم کے نبی کو پہلے خبر دیتا ہے۔(اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ)

۲۔مومن کو ہر وقت ہجرت وحرکت پر آمادہ ہونا چاہیئے۔اگر اسے رات کے حصہ میں ہی ہجرت کرنے کا حکم ملے تو فوراً اس کی تعمیل کرے۔(فَاَسۡرِ۔۔۔بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّیۡلِ)

۳۔جب کسی منحوس دھرتی کو چھوڑنے کا حکم ملے تو فوراً وہاں سے نکل جانا چاہیئے مال واسباب منتقل کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔(یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ)

۴۔نبی سے رشتہ داری وسیلہ نجات نہیں ہے۔(اِلَّا امۡرَاَتَکَ)

۵۔قابل احترام نظام وہ ہے جو اصول وضوابط پر قائم ہو نہ کہ روابط پر۔(اِلَّا امۡرَاَتَکَ)

۶۔انسان کو راستے کے انتخاب کی مکمل اجازت ہے۔حد یہ ہے کہ نبی کی بیوی نبی کے گھر میں رہ کر بھی انحرافی راستے کا انتخاب کرسکتی ہے۔(اِلَّا امۡرَاَتَکَ)

۷۔مذہبی شخصیات کو ان کے رشتہ داروں کے میزان پر نہ تولا جائے۔(اِلَّا امۡرَاَتَکَ)

۸۔خدائی معاملات کے اجرا میں بھی وقت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔(مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ)

۹۔قہر خداوندی میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔(اَلَیۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِیۡبٍ)

آیت نمبر 82-83

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ بِبَعِیۡدٍ ○

پس جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس سرزمین کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر پختہ مٹی کے پتھروں کی بارش برسا دی۔
جن پر آپ کے پروردگار کے ہاں سے نشانی لگی ہوئی تھی اور سنگ باری کا یہ عذاب ظالموں سے دور نہیں ہے۔

نکات

☆لفظ (سِجِّیۡلٍ) سخت ڈھیلے کو کہا جاتا ہے اور علمائے لغت کے مطابق یہ فارسی لفظ ''سنگ وگل'' کا معرب ہے۔یعنی مٹی کا وہ ڈھیلا جو مٹی کی طرح سے نرم نہ ہو اور پتھر کی طرح سے سخت نہ ہو۔''منضود'' یعنی مسلسل پے درپے اور ''نشان زدہ'' ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ڈھیلا کسی نہ کسی بدکار کے لیئے پہلے سے مخصوص تھا اور جب عذاب نازل ہوا تو جو ڈھیلا جس کے لیئے مقرر ہوا تھا وہ اسے جا کر لگا۔اس کا ایک اور مفہوم یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سنگریزے دوسرے زمینی سنگریزوں سے جدا تھے۔

☆اس آیت مجیدہ میں قوم لوط کا انجام بیان کیا گیا ہے۔اس واقعہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اس قوم کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام تھے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے وہ دینِ ابراہیم کی تبلیغ کرتے تھے اور وہ حضرت ابراہیم کے ساتھ فلسطین آئے تھے پھر وہاں سے ''مؤتفکات'' کی طرف تبلیغ دین کے لیئے تشریف لے گئے اس علاقہ کے لوگ بت پرست تھے

اوراعلانیہ اِغلام بازی کرتے تھے۔آپ نے لوگوں کے عقائد واعمال سنوارنے کی بڑی کوشش کی لیکن بدکار قوم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ان لوگوں نے آپ کو دھمکی دی کہ اگر آپ اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو بھیجا پہلے پہل حضرت ابراہیم کے پاس گئے بعدازاں حضرت لوط کے پاس آئے اور جب قوم لوط کے بدمعاش انہیں پکڑنے کے لیئے آئے تو انہوں نے حکم خداوندی سے اس منطقہ کو تہ وبالا کردیا۔

☆سورہ حجر کی ۷۳ ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم لوط کو ایک چنگھاڑ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ممکن ہے دھماکے کی صدا اتنی مہیب ہو کہ اس سے پورا علاقہ ہی زیروزبر ہو گیا ہو اور زمین کی تہ سے پتھر نکل کر آسمان کی طرف گئے ہوں اور پھر وہاں سے ان بدکار لوگوں کی بستی پر برسے ہوں۔ دنیا میں جب کہیں آتش فشاں پہاڑ پھٹتا ہے تو کم وبیش یہی حالت دکھائی دینے لگتی ہے۔ (تفسیر المیزان)یہ بھی ممکن ہے کہ جب پتھروں کی بارش برس رہی ہو تو اس وقت آسمان سے زبردست دھماکے کی صدا بھی بلند ہوئی ہو۔

پیام

۱۔جو لوگ انسانی فطرت کو الٹ دیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کے شہر کو ان پر الٹ دیا جائے۔(جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا)

۲۔جو خدا بادوباراں بھیجتا ہے وہ سنگ باری کی قدرت بھی رکھتا ہے۔(اَمۡطَرۡنَا...حِجَارَةً)

۳۔جنسی اور اخلاقی انحرافات ظلم ہیں۔(مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ)

۴۔آج کے موجودہ مغرب کو جہاں ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے اسے جان لینا چاہیئے کہ جب ان پر خدائی قہر نازل ہوگا تو ان کا منطقہ بھی تہ وبالا بن کر رہ جائے گا۔(وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ)

آیت نمبر 84

وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ بِخَيۡرٍ وَّاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ○

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں آسودگی میں دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمہاری اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں وہ دن نہ آجائے جس کا عذاب ہر طرف سے گھیرنے والا ہوگا۔

نکات

☆"مَدۡيَن" کا موجودہ نام"مَعان" ہے اور تورات میں اس کا نام "مَدۡيَان" لکھا ہوا ہے۔یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع

ہے۔ وہاں کے لوگ حضرت اسماعیل کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور مصر، لبنان اور فلسطین کے ساتھ ان کے تجارتی روابط تھے۔ کچھ علماء بیان کرتے ہیں کہ "مَدْیَن" ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ قبیلہ کوہِ سینا کے اطراف میں آباد تھا۔ ☆ اقوام و ملل کے انحرافات کی نوعیت ہر دور میں مختلف رہی ہے اور تاریخ کے طالب علموں کو اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضت لوط کی قوم جنسی انحراف میں مبتلا تھی جب کہ حضرت شعیب کی قوم ناپ تول کی کمی جیسی اقتصادی انحراف میں گرفتار تھی۔

پیام

۱۔ بعثت انبیاء تاریخ کا عمل مسلسل اور خدا کی قدیمی روش ہے۔ (وَاِلٰی مَدْیَنَ)

۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی رسالت کا دائرہ کار مدین کے علاقہ تک محدود تھا۔ (وَاِلٰی مَدْیَنَ)

۳۔ ہر قوم کا پیغمبر اسی ہی قوم کا چشم و چراغ ہوتا ہے۔ (اَخَاهُمْ)

۴۔ یکتا پرستی توحید شناسی پر موقوف ہے۔ (عْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ)

۵۔ صرف خدا کی عبادت ہی کافی نہیں ہے اس کے ساتھ مشرکین سے بیزاری بھی ضروری ہے۔ (مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ)

۶۔ انبیاء کی تبلیغ صرف عقائد و اخلاقیات کے مسائل تک محدود نہیں ہوتی ان کی تعلیمات میں اقتصادیات بھی شامل ہے اور انہوں نے لوگوں کو غلط اقتصادی طریقوں سے روکا ہے۔ (لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ)

۷۔ تنہا بہتر معاشی حالت اقتصادی فساد سے نہیں روک سکتی۔ (لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ ... اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ" سے اجناس کی ارزانی مراد ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

۸۔ نہی عن المنکر کے لیئے لوگوں کو ان کی شخصیت سے آگاہ کرنا چاہیئے اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ (اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ)

۹۔ انبیاء کی دعوت میں مبدا و معاد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ (اعْبُدُوا اللّٰهَ ... اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ)

۱۰۔ روز حساب پر ایمان ایسا قیمتی عقیدہ ہے جس سے زندگی کے تمام امور میں تقویٰ قائم کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ (لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ، عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ)

۱۱۔ خدا کے قہر سے فرار نہ ممکن ہے۔ (عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ)

آیت نمبر 85

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

اور اے میری قوم! ناپ تول کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں فسادی بن کر مت پھرو۔

نکات

☆لفظ (تَبۡخَسُوا) کا مادہ (بَخس) ہے جس کے معنی کم کرنے کے ہیں اور (وَلَا تَعۡثَوۡا) فساد نہ کرو کے معنی میں ہے۔

پیام

۱۔زندگی کے تمام معاملات میں عدل وانصاف کا قائم کرنا انبیاء کی بنیادی ترجیحات میں شامل ہے۔(اَوۡفُوا ۔۔۔بِالۡقِسۡطِ)

۲۔جب کوئی گناہ کسی معاشرے میں رچ بس جائے تو اس گناہ کے خلاف بار بار تبلیغ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اس آیت میں کئی بار ناپ تول کی کمی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(اَوۡفُوا ۔۔۔لَا تَبۡخَسُوا)

۳۔اقتصادی مراکز پر ہمیشہ گہری نظر رکھنی چاہیئے تاکہ تاجرملی بھگت کر کے بازار میں من مانی قیمتوں کو رواج نہ دیں اور عوام کا استحصال نہ کریں۔(اَوۡفُوا ۔۔۔لَا تَبۡخَسُوا)

۴۔عام لوگوں سے عدل وانصاف کا سلوک ہونا چاہیئے۔ عدل وانصاف کو صرف اہل ایمان سے ہی مخصوص نہ کیا جائے۔(لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ)

۵۔صرف ناپ تول ہی کی اشیاء میں عدل وانصاف ضروری نہیں ہے اس کے علاوہ بھی ہر طرح کے لین دین اور امانتوں میں عدل وانصاف کے تقاضوں کی پاسداری ضروری ہے۔(اَشۡيَآءَهُمۡ)

۶۔اقتصادی مسائل میں لوگوں کے حق کو ضائع کرنا معاشرتی فساد کا واضح ترین نمونہ ہے۔کیونکہ ناہموار اقتصادی حالت معاشرے کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔(لَا تَبۡخَسُوا ،مُفۡسِدِيۡنَ)

۷۔فاسد عمل کرنا بُرا ہے لیکن فاسد مزاج رکھنا اور فاسد روحانیت کا حامل ہونا اس سے بھی کہیں زیادہ بُرا ہے۔(لَا تَعۡثَوۡا ، مُفۡسِدِيۡنَ)

آیت نمبر 86

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ○

حلال مال اور سرمایہ جو اللہ نے تمہارے لیئے باقی رکھا ہے وہ کم فروشی سے حاصل ہونے والے مال سے) تمہارے لیئے بہتر ہے اگر تم صاحبانِ ایمان ہو۔میں تمہارے (حفظِ ایمان اور اس راستے کو قبول کرنے کے لیئے) او پر نگران نہیں ہوں۔

نکات

☆’’بقيّت الله‘ ‘ سے وہ مال مراد ہے جو حلال سرمایہ اور نیک کمائی سے حاصل ہو اور انسان کے پاس باقی ہو اور سو فیصد حلال ہو۔ روایات میں اس وجود مبارک کو بھی ’’بقيت الله‘‘ کہا گیا ہے جو خدا کے ارادہ کے تحت بشریت کے لیئے باقی ہے۔ چنانچہ جو مجاہد میدان جہاد سے بخیروخوبی واپس آتے تھے انہیں اس لیئے ’’بقيت اللہ‘‘ کہا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے ارادہ سے باقی رہے ہیں۔اسی

طرح سے امام العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کو بھی ''بقیت اللہ'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو انسانوں کی ہدایت کے لیئے باقی رکھا ہے۔ ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ امام زمانہ علیہ السلام کا ایک نام ''بقیت اللہ'' ہے (بحار الانوار جلد ۴۶/ ۲۵۹) اور ہم آپ کو (السلام علیك بقیة الله) کے الفاظ کے ساتھ سلام کرتے ہیں۔ جب آپ کا مکہ میں ظہور ہوگا تو اس وقت آپ یہ آیت تلاوت کریں گے پھر فرمائیں گے ''انا بقیت اللہ'' میں بقیۃ اللہ ہوں۔ امام زمانہ کے علاوہ باقی معصومین کو بھی ''بقیتہ اللہ'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ (تفسیر کنز الدقائق)

پیام

۱۔ حرام کے وسیع رزق سے حلال ذرائع سے حاصل ہونے والا تھوڑا سا رزق بہتر ہے۔ (بَقِيَّتُ اللهِ خَيْرٌ)

۲۔ دنیا فانی ہے اور آخرت کو بقا حاصل ہے۔ آخرت کی جستجو دنیا کی جستجو سے بہتر ہے۔ (بَقِيَّتُ اللهِ خَيْرٌ لَّكُمْ)

۳۔ اگر ہم کم فروشی نہ کریں تو ہمارے پاس گاہک زیادہ آئیں گے اور یوں ہمیں معقول منافع حاصل ہو سکے گا اور وہ ہمارے لیئے باعث تسکین ہوگا۔ (بَقِيَّتُ اللهِ خَيْرٌ)

۴۔ جو شخص حرام کو حلال سے بہتر سمجھتا ہے تو وہ اپنے ایمان میں شک کرتا ہے۔ (اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)

۵۔ انسان اپنے عقائد میں آزاد ہیں انبیاء بھی انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ (وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ)

۶۔ اگر حرام خوری کی وجہ سے تمہاری جائیداد اور زندگی تباہ ہوئی تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوگی۔ (وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ)

آیت نمبر 87

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○

انہوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجا کرتے تھے یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا بھی چھوڑ دیں؟ تُو تو ایک بردبار اور فہمیدہ انسان ہے (پھر ہم سے اس طرح کی توقع کیوں کرتا ہے؟)

پیام

۱۔ تمام انبیاء کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ (قَالُوْا يٰشُعَيْبُ)

۲۔ سابقہ ادیان میں بھی نماز موجود تھی۔ (اَصَلٰوتُكَ؟)

۳۔ حضرت شعیب جس آئین کی دعوت دے رہے تھے، نماز اس کا واضح ترین نمونہ ہے۔ (اَصَلٰوتُكَ؟)

۴۔ حقیقی نماز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیئے محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔
۵۔ دلیل و نص کے باوجود اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر چلنے کی ضد کرنا بہت سے انحرافات کا سرچشمہ ثابت ہوتا ہے۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
مشکل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

۶۔ دین نہ تو سیاست و اقتصادیات سے جدا نہیں ہے۔(اَصَلٰوتُكَ ۔۔۔ نَّتْرُكَ ۔۔۔ فِيْٓ اَمْوَالِنَا)
۷۔ انبیاء مادر پدر آزادی کے خلاف تھے۔(نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا)
۸۔ کسی چیز کی ملکیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے جہاں چاہو اور جب چاہو خرچ کرو۔ (شعیب کے قوانین میں اخراجات کو محدود کرنے کا قانون موجود تھا)(نَّتْرُكَ ۔۔۔ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا)
۹۔ اگر ہم حق کا پرچار نہ کریں تو مخالفین ہماری تعریف کرنے لگ جاتے ہیں۔لہٰذا ہمیں ان کے اس دام میں نہیں پھنسنا چاہیئے۔(اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ)
۱۰۔ بعض اوقات مخالفین ایسی تعریف کرتے ہیں جس میں استہزاء کا پہلو ہوتا ہے۔(لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ)

آیت نمبر 88

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○

شعیب نے کہا: اے میری قوم! ذرا یہ تو سوچو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے بہترین رزق (نبوت) سے نوازا ہے۔ میں ایسا نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگ جاؤں میں تو اپنی مقدور بھر فقط اصلاح کرنے کا خواہش مند ہوں۔ مجھے صرف اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے اسی لیئے میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور مجھے اسی کی طرف واپس جانا ہے۔

نکات

☆ سابقہ آیت میں ہم نے یہ پڑھا کہ قوم شعیب نے ان سے کہا تھا کہ آپ بتائیں کہ ہم اپنے مال میں آزادانہ تصرف کیوں نہ کریں؟ اس سوال کا جواب آیت ہذا میں حضرت شعیب نے یہ دیا کہ دیکھو اگر میں تمہارے بے قید و بند دولت کے تصرف پر اعتراض کرتا ہوں تو اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ تمہارے معاشرے میں اصلاح قائم رہے ورنہ مجھے تم سے نہ تو کوئی عداوت ہے

اور نہ ہی میں حاسد اور تنگ نظر ہوں۔ میری خواہش بس یہی ہے کہ انفرادی مصالح پر اجتمائی مصالح کو قربان نہ کیا جائے۔

پیام

ا۔ نبوت معجزہ اور بیّنہ کی اساس پر قائم ہے۔ (كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ) (قوانین دلیل کی بنیاد پر قائم ہیں)

۲۔ انبیاء ہر چیز کو خدا کی طرف سے جانتے تھے۔ (رَّبِّي ، رَزَقَنِي)

۳۔ یہ گمان نہ کریں کہ حرام خوری سے ہی اچھی زندگی میسّر آسکتی ہے جب کہ انبیاء و اولیاء گناہوں میں آلودہ نہیں ہوتے پھر بھی وہ عمدہ رزق حاصل کرتے ہیں۔ (زَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا) (اچھی روزی وہ ہے جو کم فروشی اور ظلم سے حاصل نہ ہوئی ہو)

۴۔ رزق روزی خدا کی طرف سے ہے کسی کی چالاکی پر موقوف نہیں ہے۔ (زَقَنِي مِنْهُ)

۵۔ کفار اپنی دولت کو اپنی ذہانت کی پیداوار سمجھ کر (اموالنا) کا نعرہ بلند کرتے تھے جبکہ حضرت شعیب نے اپنے رزق کو خدا کا عطیہ قرار دے کر یہ کہا۔ (وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا) آپ نے ان الفاظ سے لوگوں کو یہ بتایا کہ میں تمہاری طرح سے کم فروشی نہیں کرتا اس کے باوجود میں مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوں۔

۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے سے قبل انسان کو خود اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ انبیاء نے لوگوں کو صرف نیکی کا حکم نہیں دیا اس پر سب سے پہلے خود عمل کیا۔ (وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ)

۷۔ انبیاء ہمیشہ احکام الہی کی اطاعت کرتے تھے اور حکم الٰہی کی مخالفت کے متعلق وہ کبھی سوچتے بھی نہ تھے۔ (وَمَآ أُرِيدُ أَنْ ...)

۸۔ انبیاء کا ہدف بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح تھا۔ (إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ)

۹۔ انبیاء کے کاموں کی سرحد ان کی استطاعت تھی۔ وہ ماہ و سال کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

۱۰۔ ہم کسی کام کا ارادہ ہی کر سکتے ہیں کامیابی یا ناکامی خدا کی طرف سے ہے۔ (مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيٓ)

۱۱۔ توکل کے ساتھ جدوجہد بھی ضروری ہے اور جدوجہد کے بغیر توکل غیر مؤثر ہوتی ہے۔ (مَا اسْتَطَعْتُ ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ)

۱۲۔ اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے والوں کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں۔

ا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لیئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی با عمل ہو۔ (مَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ)

۲۔ امر و نہی کا ہدف معاشرتی اصلاح ہو۔ (مَآ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ)

۳۔ توفیق کے حصول کو خدا کی طرف سے سمجھنا چاہیئے۔ (وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ)

۴۔ ہمیشہ خدا پر ہی توکل رکھنی چاہیئے۔ (عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ)

۵۔ مشکلات کی گھڑی میں خدا پر توکل کرنا چاہیئے۔ (إِلَيْهِ أُنِيبُ)

آیت نمبر 89

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۝

(شعیب نے کہا) اے میری قوم! میری مخالفت اور دشمنی تمہیں ایسے افعال پر مجبور کر دے کہ تم پر بھی قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح کی طرح کا عذاب آجائے۔ قوم لوط کا واقعہ تم سے زیادہ دور تو نہیں ہے۔

پیام

۱۔ مخالفین کے ساتھ بھی نرم لہجہ میں بات کرنی چاہیئے۔ (يٰقَوْمِ)

۲۔ کسی شخص کی دشمنی میں اتنا اندھا نہیں ہونا چاہیئے کہ انسان اپنی اور معاشرے کی تقدیر کو برباد نہ کر دے۔ (لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ)

۳۔ اقوام عالم کی تاریخ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہے اور اس کے بیان سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ (مِّثْلُ مَآ اَصَابَ)

۴۔ گزرشتہ اقوام وملل کے انجام کو وقتی، موسمی، انفرادی اور اتفاقی واقعات سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ (مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ) (حضرت نوح، ہود، صالح اور حضرت لوط، حضرت شعیب سے پہلے تھے)

۵۔ خدا اب بھی عذاب نازل کرنے پر قادر ہے۔ وہ جس قوم کو جس بھی شکل میں چاہے تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے قوم نوح کو پانی میں غرق کیا اور قوم ہود کو ہوا کے طوفان سے تباہ کیا اور قوم صالح ایک آسمانی چنگھاڑ سے برباد ہوئی اور حضرت لوط کی قوم پر پتھروں کی بارش برسائی گئی اور اسی خطہ کو تہ وبالا کر دیا گیا۔ (مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ)

۶۔ عبرت حاصل کرنے کے لیئے قریبی واقعہ زیادہ تر موثر ہوتا ہے۔ قوم لوط اور قوم شعیب میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ دونوں کا زمانہ بھی قریب تھا اور دونوں کے علاقے بھی ایک دوسرے سے قریب تھے۔ (وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ)

آیت نمبر 90

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ۝

(آؤ) اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف لوٹ آؤ بے شک میرا رب مہربان اور توبہ کرنے والوں سے) محبت کرنے والا ہے۔

نکات

☆ (وُدّ) اس دوستی کو کہا جاتا ہے جس میں آثار پائے جاتے ہوں اور اس میں استمرار پایا جاتا ہو۔

پیام

۱۔مخالفین کو تنبیہ کرتے وقت بھی انہیں ان کی اصلاح کا راستہ دکھانا چاہیئے۔(وَاسْتَغْفِرُوْا۔۔۔)

۲۔مغفرت کرنا اور گناہ سے دوری اختیار کرنا راہ حق کی طرف لوٹنے کی تمہید ہے۔(وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ)

۳۔اگر ہم توبہ واستغفار کریں تو خدا کی طرف سے ہمیں مثبت جواب سننے کو ملے گا۔(وَاسْتَغْفِرُوْا۔۔۔اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ)

۴۔خدا کا اس انداز سے تعارف کرائیں کہ خدا کی طرف بازگشت کا عشق آسان محسوس ہو سکے۔(اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ)

۵۔خدا کی رحمت چند لمحات کے لیئے نہیں ہوتی اس میں استمرار پایا جاتا ہے۔اور اس کے آثار و برکات بہت زیادہ ہیں۔(اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ) یہ جملہ اسمیہ بھی ہے اور اس میں لفظ ''رحیم'' مبالغہ کا صیغہ ہے۔

۶۔اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ توبہ قبول کرتا ہے بلکہ توبہ کرنے والے سے محبت بھی کرتا ہے۔(اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ)

آیت نمبر 91

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ○

کفار نے کہا کہ اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے بالا ہیں اور ہم تجھے اپنے اندر کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے تجھے ہم پر کوئی قوت وقدرت حاصل نہیں ہے۔

نکات

☆ کفار نے حضرت شعیبؑ سے یہ کہا تھا کہ تمہاری باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ نے آخر کون سی شکل اور نا قابل فہم وادراک باتیں ارشاد فرمائی تھیں جو کہ ان کی سمجھ سے بالا تھیں؟ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا۔

۱۔میں معجزہ و بینہ رکھتا ہوں۔(كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ)

۲۔میں مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوں اور مجھے تمہاری مالی امداد کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا)

۳۔میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔(مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ)

۴۔میں معاشرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔(اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ)

۵۔میں اپنی حیثیت کے مطابق جستجو کرتا ہوں(مَا اسْتَطَعْتُ)

۶۔میں خدا پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف میری بازگشت ہے۔(عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ)

۷۔میں سابقہ اقوام وملل کے انجام سے تمہیں ڈراتا ہوں۔(مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ ۔۔۔۔) حضرت شعیب کے اس سادہ اور مؤثر خطاب پر بھی کفار یہ بہانے بناتے تھے۔''مَا نَفْقَهُ'' ہمیں تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔اور وہ کہتے تھے کہ تو

ہمارے اندر انتہائی کمزور ہے۔ (فِيۡنَا ضَعِيۡفًا) اور اگر تمہارا قبیلہ اور تم سے وابستہ افراد موجود نہ ہوتے تو ہم تجھے کب کا سنگسار کر چکے ہوتے (رَهۡطُكَ) اور وہ یہ کہتے تھے کہ تمہیں ہمارے اندر کوئی قوت حاصل نہیں ہے۔ (وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ)

پیام

۱۔ انبیاء اور الٰہی مبلغین کی لوگوں نے کھل کر توہین کی تھی اور انہوں نے راہ حق میں ہر اہانت کو برداشت کیا تھا۔ (مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ)

۲۔ مخالفین انبیاء کے پاس کوئی دلیل و منطق نہیں تھی۔ ان کی منطق توہین، اذیت اور قتل کرنے پر مشتمل تھی۔ (لَرَجَمۡنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ)

آیت نمبر 92

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ○

شعیب علیہ السلام نے کہا! اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہاری نظر میں خدا سے بھی زیادہ عزت رکھنے والا ہے جب کہ تم نے خدا کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ (لیکن میرے قبیلہ اور ساتھیوں کا خیال رکھتے ہو؟) تم جو بھی عمل کر رہے ہو خدا اسے گھیرے ہوئے ہے۔

پیام

۱۔ گروہوں، جماعتوں، کے حقوق ہوں یا بین الاقوامی حقوق وہ حق الٰہی سے زیادہ محترم نہیں ہیں کسی بھی قسم کے سیاسی اور اجتماعی حقوق کو اس انداز سے منظم نہیں کرنا چاہیئے جس سے خدا تحت الشعاع میں چلا جائے۔ (اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ)

۲۔ ضدی افراد کے لیئے تنبیہ بہت ضروری ہے۔ (اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ)

آیت نمبر 93

وَيٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ○

حضرت شعیب نے کہا۔ اے میری قوم! تم جو بھی کر سکتے ہو کر لو میں اپنے کام کو جاری رکھوں گا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

پیام

۱۔بعض اوقات انبیاء اپنے کلام کی تاثیر سے مایوس ہوجاتے ہیں۔(اعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ)

۲۔اگر کبھی ایسا موقع آجائے کہ آپ کو لوگوں کی ہدایت سے مایوس ہونا پڑے تو بھی استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔(اِنِّيْ عَامِلٌ)

۳۔جب موعظہ سے کام نہ چلے تو پھر عذاب سے ڈرانے پر زیادہ زور دیں۔(سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ)

۴۔جب دشمن دھمکیوں پر اتر آئے تو پھر جواب میں اسے بھی دھمکیاں دینی چاہئیں (لَرَجَمْنٰكَ...عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ)

۵۔لوگ حضرت شعیب کو کاذب جانتے تھے۔(وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ)

۶۔ہمیں اپنے وظیفہ پر عمل کرنا چاہیئے اس کے بعد ہمیں غیبی امداد کا انتظار کرنا چاہیئے۔(اِنِّيْ عَامِلٌ...وَارْتَقِبُوْٓا)

آیت نمبر 94

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۝

اور جب ہمارا فرمان عذاب آیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لائے تھے انہیں اپنی رحمت سے نجات دی اور ظلم کرنے والوں کو ایک (آسمانی) چنگھاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا وہ اپنے گھروں میں اندھے پڑے رہے۔(مر گئے)

پیام

۱۔ظالموں کے لیئے عذاب الٰہی میں تاخیر تو ہوسکتی ہے لیکن اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔(وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا)

۲۔آسمان سے بجلیوں کا گرنا کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوتا یہ اللہ کے فرمان سے ہی گرا کرتی ہیں۔(اَمْرُنَا)

۳۔اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور وہی انہیں نجات عطا کرتا ہے۔(نَجَّيْنَا)

۴۔انبیاء پر زبانی ایمان کافی نہیں ہے ان کی مدد کرنا بھی ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں (اٰمَنُوْا مَعَهٗ) کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں اس کے برعکس (اٰمَنُوْا بِهٖ) کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

۵۔ایمان رمز نجات ہے۔(نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ)

۶۔انبیاء کی دعوت سے بے توجہی کرنا ظلم ہے۔(وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا)

۷۔ظلم جب بھی بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔چنانچہ ظلم اور ظالم دونوں کے مقدر میں رسوائی اور نابودی ہے۔(وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا)

۸۔عذاب الٰہی اتنی تیزی سے آیا کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر سے باہر نہ نکل سکا۔(معلوم ہوتا ہے کہ عذاب رات کے وقت آیا تھا)

جب خدائی عذاب نازل ہوتا ہے تو ظالموں سے قوتِ فرار سلب کر لی جاتی ہے۔ (دِيَارِهِمْ)

آیت نمبر 95

كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ۝

(کفار مدین یوں برباد ہوئے) گویا کہ وہ اس علاقہ کے رہائشی ہی نہ تھے۔ آگاہ رہو کہ مدین کے لیئے (رحمت حق سے) ویسی ہی دوری ہے جیسا کہ قوم ثمود کے لیئے ہے۔

نکات

☆ خدا کا قہر کسی شدید ترین بمباری سے بھی زیادہ مہلک ہوتا ہے کیونکہ بمباری کے وقت کچھ افراد وہاں سے بھاگ جاتے ہیں لیکن جب کسی قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو کوئی بھی اس کی لپیٹ سے محفوظ نہیں رہتا۔

پیام

ا۔ قہر الٰہی سے بچنے کے لیئے کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ (كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا)

۲۔ ظالموں سے براءت اور بیزاری قرآن اور خدا کی روش ہے۔ (بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ)

آیت نمبر 96-97

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝

بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن بُرہان کے ساتھ روانہ کیا۔

فرعون اور اس کی قوم کے اشرافیہ طبقہ کی طرف فرعون کا معاملہ موجبِ رُشد و نجات نہیں تھا۔

نکات

☆ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے واقعات کو باقی واقعات کی بہ نسبت زیادہ تعداد میں بیان کیا گیا ہے حضرت موسیٰ کا واقعہ تیس سے زیادہ سورتوں میں بیان ہوا ہے اور اس کے متعلق ایک سو تیس سے زیادہ آیات نازل ہوئیں اس واقعہ کا خلاصہ انہی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ لفظ ''سلطان'' سلطنت واقتدار کے معانی میں ہے کبھی اس سے ظاہری تسلط مراد ہوتا ہے اور کبھی منطقی واستدلالی اقتدار مراد ہوتی ہے۔

پیام

۱۔خدا کی نمائندگی کا دعویٰ دلیل و برہان سے ہونا چاہیئے۔(اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ)

۲۔انبیاء کی منطق اور ان کے معجزات تمام لوگوں کے سامنے روز روشن کی طرح سے واضح تھے۔(مُّبِیۡنٍ)

۳۔انبیاء کی بعثت کا فلسفہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو طاغوت اور اس کے ساتھوں کی قید سے نجات دلائی جائے۔(اِلٰی فِرۡعَوۡنَ)

۴۔ہر دور میں لوگوں کی اکثریت طاغوتوں کی پیروکار رہی ہے۔(فَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ)

۵۔طاغوت کے تبلیغاتی نعروں کو غیر مؤثر بنانا چاہیئے۔فرعون یہ دعویٰ کرتا تھا۔(وَمَاۤ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ)(مومن ۲۹/) میں صحیح راستے کی تمہیں رہنمائی کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس دعویٰ کی تردید کی اور فرمایا(وَمَاۤ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِيۡدٍ)

۶۔صرف علم وشناخت انحراف سے بچانے میں مؤثر ثابت نہیں ہوتا۔(کیونکہ حضرت موسیٰ نے دلیل و برہان سے حق کا اثبات کیا تھا لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت فرعون کی پیروکار رہی تھی)

آیت نمبر 98

يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَاَوۡرَدَهُمُ النَّارَ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ○

قیامت کے دن وہ آگے آگے ہوگا اور اپنی قیادت میں انہیں دوزخ پہنچائے گا اور وہ جگہ کتنی بُری ہے جہاں یہ وارد ہوں گے۔

نکات

☆(وِرۡد) پانی کے گھاٹ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ پانی پینے اور بھرنے کے لیئے وارد ہوتے ہیں اور لفظ ''وُرُود'' بنیادی طور پر پانی کی طرف حرکت کرنے کے معانی میں آتا ہے۔پھر آہستہ آہستہ اس کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوئی اور ہر طرح کے داخل ہونے کو''ورود'' سے تعبیر کیا جانے لگا۔

پیام

۱۔کسی بھی رہبر کی رہبری کا رشد اس میں ہے کہ وہ اپنی قوم کی ایسی مثالی رہنمائی کرے کہ انہیں جنت میں لے جائے۔نہ کہ دوزخ میں۔(وَمَاۤ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِيۡدٍ...يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ)

۲۔وہ لوگ جو دنیا میں رہبر کا کردار ادا کرتے ہیں وہی لوگ قیامت کے دن بھی اپنے پیروکاروں کی قیادت کریں گے جو صحیح اور سچا رہنما ہوگا وہ اپنی قوم کو جنت میں لے جائے گا اور جو غلط اور طاغوتی پیشوا ہوگا وہ اپنے ماننے کو دوزخ میں لے جائے گا۔(يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ)

آیت نمبر 99

وَاُتۡبِعُوۡا فِیۡ هٰذِهٖ لَعۡنَةً وَّيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ○

اوران کے پیچھے اس دنیا میں لعنت کو لگا دیا اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے تعاقب میں ہوگی یہ کتنا برا صلہ ہے جو کسی کو ملے۔

پیام

ا۔جو بھی فراعنہ اور طاغوتوں کی پیروی کرے وہ دنیاوآخرت میں بدنامی اور لعنت کا مستحق قرار پاتا ہےاور دنیاوآخرت میں اس پر لعنت برستی رہے گی۔(فَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ...وَاُتۡبِعُوۡا...لَعۡنَةً)

آیت نمبر 100

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيۡدٌ○

یہ چند بستیوں کی سرگزشت ہے جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں ان میں سے کچھ کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔

نکات

☆ممکن ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہو کہ ہم نے کچھ آبادیوں کے لوگوں کو برباد کیا چنانچہ اُن آبادیوں میں رہنے والے مرکھپ گئے اوران کی آبادیاں ابھی باقی ہیں جو کہ آثار قدیمہ کا حصہ بن چکی ہیں اور کچھ بستیاں ایسی بھی تھیں جنہیں ہم نے مکمل طور پر تہس نہس کر دیا ہےاور آج ان کا کہیں نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

☆قرآن میں جو داستانیں بیان ہوئی ہیں ان کے اہم اثرات ہیں کیونکہ۔

ا۔ان داستانوں کو دلنشین انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

۲۔یہ داستانیں اپنے ساتھ دلائل عقلی اور برہان منطقی کے دروازوں کو کھولتی ہیں۔

۳۔ان داستانوں کے بیان سے نبی اُمّی کی صداقت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ آپ نے دنیا کے کسی معلم سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی پھر بھی آپ نے تاریخ کے واقعات اور امتوں کے عروج وزوال کی داستانیں بیان کی تھیں۔

۴۔ان داستانوں سے سننے والوں کو عبرت ملتی ہے۔

پیام

ا۔تاریخ کے واقعات کو اتنا بیان کرنا ضروری ہے جو لوگوں کے لیئے ہدایت ونصیحت کا ذریعہ بن سکیں۔() یعنی کچھ بستیوں کی داستانیں نہ کہ روئے زمین کی داستانیں۔

۲۔حضرت نوحؑ، ہودؑ، لوطؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور موسیٰ علیھم السلام کی امتوں کے واقعات انسانی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔(انباء) اور

''انباء'' اہم ترین خبروں کو کہا جاتا ہے۔

۳۔ سابقہ امتوں کی تاریخ اور ان کے انجام کے لیئے قرآن مستند ترین دستاویز ہے۔

۴۔ صحیح اور نصیحت آموز کہانیاں انسانی ہدایت کے لیئے بہت ضروری ہیں ہمیں ان سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ (نَقُصُّهٗ)

۵۔ قرآنی داستانیں صحیح ترین ہیں کیونکہ یہ خدا کی بیان کردہ ہیں۔ (نَقُصُّهٗ)

۷۔ اقوام و ملل کی تاریخ علیحدہ چیز ہے اور ان کے آثار و نشانات علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ کچھ اقوام ایسی بھی ہیں جو کہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں اور ان کے آثار باقی ہیں اور کچھ اقوام ایسی بھی ہیں جو کہ صفحۂ ہستی سے ایسے مٹیں کہ آج ان کے نشان بھی باقی نہیں ہیں۔ (حَصِيْدٌ)

آیت نمبر 101

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○

اور ہم نے ان پر (کوئی) ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے آپ پر ہی ستم ڈھایا۔ جب تیرے پروردگار کے فیصلے کا وقت آیا تو ان کے معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے اور انہوں نے ہلاکت و بربادی کے سوا انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

نکات

☆ لفظ (تَتْبِيْبٍ) ''تب'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہلاکت و تباہی کے تسلسل کے ہیں۔

پیام

۱۔ ظالم کو اس کے کیفر کردار پر پہنچانا ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ (وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ)

۲۔ انسان کی سرنوشت اس کے اعمال و کردار سے مربوط ہے۔ (ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ)

۳۔ خدا کے علاوہ کوئی شخص اور کوئی چیز انسان کو نجات نہیں دے سکتی۔ (فَمَآ اَغْنَتْ)

۴۔ ارادہ الٰہی کے سامنے کوئی بھی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ (مِنْ شَيْءٍ)

آیت نمبر 102

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی گرفت بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔

پیام

۱۔خدا کا لطف وکرم ہو یا قہر وعذاب اس کا تعلق ایک مستقل قانون سے ہوتا ہے۔ اچانک اور اتفاقی طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ (وَ كَذٰلِكَ)

۲۔ظالم امتیں قہر الٰہی کے گرداب میں پھنس جاتی ہیں۔(وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ)

۳۔تہدید اور ڈرانا بھی تربیت کے مؤثر عوامل میں سے ایک ہے۔ (اَخْذُ رَبِّكَ)

۴۔خدا کا عذاب وقہر بھی اس کی ربوبیت کا مظہر ہے۔(اَخْذُ رَبِّكَ)

۵۔قدرت کسی کو برباد نہیں کرتی انسان اپنی بربادی کو خود دعوت دیتا ہے۔(اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ)

۶۔جب پورے علاقہ پر ظلم چھا جائے تو اس وقت اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔(اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ)

۷۔خدا کے عذاب کو معمولی اور ہلکا نہیں سمجھنا چاہیئے۔(اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ)

آیت نمبر 103

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ○

بے شک اس (یاددہانی) میں اس شخص کے لیئے نشانی (اور عبرت) ہے جو عذابِ آخرت سے ڈرتا ہو۔ یہ وہ دن ہے جس میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ سب لوگوں کے لیئے نمایاں اور واضح ہوگا۔

پیام

۱۔جس بھی داستان کو بیان کرنا چاہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد اور ہدف ضرور ہونا چاہیئے۔(لَاٰيَةً)

۲۔جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ ہی قرآن کریم کی سچی داستانوں کو اپنے لیئے نمونۂ عمل قرار دیتے ہیں۔(لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ)

۳۔خوفِ آخرت عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔(اگرچہ وہ از روئے یقین نہ ہو اور صرف احتمالِ خطر کی اساس پر ہو) (لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ)

۴۔لوگوں کا قیامت میں حاضر ہونا اجباری امر ہے نہ کہ اختیاری (مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ) (اس دن لوگوں کو جمع کر دیا جائے گا) یہ نہیں فرمایا (يجمع منه الناس) (اس دن لوگ جمع ہوں گے)

۵۔قیامت کا دن گواہی کا دن ہے چنانچہ ہر شخص اور ہر چیز کسی دوسرے کے فائدے یا نقصان کے لیئے گواہی دے گی اور اس دن تمام پردے ہٹا دیئے جائیں گے (مَّشْهُوْدٌ)

آیت نمبر 104-105

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ○

يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ○

اور ہم اس دن کے لانے میں فقط ایک مقررہ وقت کی وجہ سے تاخیر کر رہے ہیں۔

جب وہ دن آئے گا تو اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہ کر سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے۔

نکات

☆ ''سعادت'' اسباب نعمت کی فراہمی اور ''شقاوت'' بدبختی کے اسباب کی فراہمی کو کہا جاتا ہے۔

پیام

۱۔ قیامت کے قائم ہونے اور دنیا کے اختتام کا وقت پہلے سے طے شدہ ہے۔ (لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ)

۲۔ قیامت قائم کرنے میں خدا نے اس لیئے فاصلہ رکھا ہے کہ اس سے ایک ہدف کا حصول مقصود ہے۔ اسی لیئے خدا نے (لِاَجَلٍ) فرمایا ہے، (اِلٰی اَجَلٍ) نہیں فرمایا۔

۲۔ قیامت کے دن ہر طرف خاموشی کا راج ہوگا۔ اس دن بس وہی بولیں گے جنہیں بولنے کی اجازت دی گئی ہوگی۔ (لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ)

آیت نمبر 106-107

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا فَفِى النَّارِ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشَهِيۡقٌ○

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ○

پس وہ جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے جہاں چلّائیں گے دھاڑیں ماریں گے۔ وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے جب تک آسمانوں اور زمین کا وجود ہے سوائے اس کے کہ آپ کا رب جو چاہے۔ بے شک آپ کا رب جو ارادہ کرتا ہے اسے خوب بجالاتا ہے۔

نکات

☆ (زَفِيۡر) رونے دھونے کی اس آواز کو کہا جاتا ہے جس میں سانس باہر آتی رہتی ہو اور (شَهِيۡق) اس لمبی چیخ کو کہا جاتا ہے جس

میں سانس اندر جاتی ہو۔ کچھ اہل لغت بیان کرتے ہیں کہ جب گدھا کریہہ آواز میں ہینگنا شروع کرے تو اس کی ابتدائی آواز کو (زَفِیْر) اور جب اپنی ہینگ ختم کرے تو اس کی آخری آواز (شَهِیْق) کہا جاتا ہے۔اس سے مراد چیخنے چلّانے کی صدا ہے۔

☆تمام دوزخیوں کا عرصہ قیام یکساں نہیں ہوگا۔ کچھ لوگ تھوڑا عرصہ وہاں رہ کر باہر آجائیں گے اور کچھ طویل عرصہ دوزخ میں بسر کریں گے پھر رحمت الٰہی ان کے شامل حال ہوگی اور انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور کچھ لوگ دوزخ میں ابدُ الاباد کے لیئے رہیں گے۔

☆جب کبھی لفظ ''خُلُوْد'' کے ساتھ ''ابد'' کا لفظ شامل ہو تو اس کا معنیٰ ابدیت اور ہمیشگی کا ہے اس کا معنی ہے کبھی بھی نہ ختم ہونے والا زمانہ۔اس صورت میں اس کا معنی طویل عرصہ نہیں ہوتا۔اس آیت میں بظاہر یہ کہا گیا ہے کہ اہل دوزخ اس وقت تک دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم رہیں گے اور ادھر قرآن نے زمین وآسمان کے دوام کا عرصہ بھی بیان کیا ہے جیسا کہ سورہ ابراہیم/ ۴۸ اور سورہ انبیاء/ ۱۰۴ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس کے باوجود اس کا معنی دوام وابدیت کا ہے کیونکہ لغت عرب میں (مادامت السموات والارض) کا محاورہ ابدی اور دائمی ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اگرچہ آسمانوں کو ابدیت حاصل نہیں ہے۔

پیام

۱۔انسان اپنے غلط انتخاب کی وجہ سے بدبخت اور شقی بنتا ہے۔اسی لیئے آیت میں (شَقُوْا) (شقی بنے) کے الفاظ ہیں اس کے برعکس (سُعِدُوْا) بصورت مجہول (شقی بنایا گیا) کے الفاظ دکھائی نہیں دیتے۔

۲۔اللہ تعالٰی اہل دوزخ کے ایک گروہ کو آزاد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے (اور یہ معافی تھوڑے جرم یا استحقاق عفو یا کسی اور وجہ سے ملے گی) (اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ)

آیت نمبر 108

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۝

اور وہ لوگ جو نیک بخت ثابت ہوں گے تو وہ جنت میں ہوں گے اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے جب تک زمین وآسمان قائم ہیں الّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔انہیں ایسی بخشش ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔

پیام

۱۔سعادت وشقاوت کا دارومدار انسان کے ذاتی انتخاب پر ہے البتہ سعادت کے لیئے جہاں انسان کا انتخاب شامل ہوتا ہے وہاں توفیق الٰہی بھی اس کے ہمراہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے اہل شقاوت کی بدبختی کی تمام تر ذمہ خود ان پر ڈالی گئی اور ''شَقُوْا'' کے الفاظ استعمال ہوئے لیکن جب اہل سعادت کی باری آئی تو ان کی سعادت کے لیئے فعل مجہول ''سُعِدُوْا'' استعمال کیا گیا یعنی

جنہیں سعادت مند بنایا گیا۔

۲۔ یہ سچ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اگر وہ چاہے تو اہل بہشت کو بھی بہشت سے نکال سکتا ہے (اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ) لیکن آیت ہذا کے اختتام پر "عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ" کے الفاظ فرما کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ قدرت موجود ہے لیکن غیر منقطع عطا کی وجہ کی سے ایسا نہیں کیا جائے گا۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ جسے ایک بار جنت میں داخل کرے گا وہ ہمیشہ کے لیئے جنت ہی میں رہے گا۔

آیت نمبر 109

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝

(پس اے نبی) آپ ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں نہ رہنا جن کی یہ لوگ عبادت کررہے ہیں۔ یہ لوگ اسی طرح سے ان کی پوجا کررہے ہیں جس طرح سے پہلے ان کے آباء واجداد پوجا کیا کرتے تھے۔ ہم انہیں ان کا حصہ کسی کمی کے بغیر پورا کریں گے۔

پیام

۱۔ ایک رہبر کو عزم وارادہ کا کوہِ گراں ہونا چاہیئے۔ اگر پوری امت بھی انحراف میں مبتلا ہو تو اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنی چاہیئے۔ (فَلَا تَكُ)

۲۔ جب کسی بڑی شخصیت کو مورِدِ عقاب بنایا جائے تو اس کا عوام الناس پر زیادہ گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ (فَلَا تَكُ)

۳۔ بت پرستوں اور مشرکین کے پاس کوئی منطق ودلیل نہیں ہے۔ (يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ)

۴۔ بزرگوں کا آنے والی نسل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ (يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ)

۵۔ بزرگوں کی ہر بات اور ان کے تمام افکار کو مان لینا بھی بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا۔ (يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ)

۶۔ خدا عادل ہوتا ہے اور حد یہ ہے کہ وہ کفار ومشرکین پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ)

آیت نمبر 110

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝

اور ہم نے اس سے پہلے موسیٰ کو کتاب دی تھی اس کے بارے میں اختلاف کیا گیا تھا (جس طرح سے آج اس کتاب کے بارے

میں کیا جارہا ہے جو تمہیں دی گئی ہے) اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ کی گئی ہوتی تو پھر ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان کبھی کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔ یقیناً یہ لوگ اس کے متعلق تردد پیدا کرنے والے شک میں مبتلا ہیں۔

پیام

۱۔ تاریخ کے ادوار میں سے کسی بھی دور میں تمام افراد متحد العقیدہ نہیں رہے۔ (فَاخْتُلِفَ فِيهِ)

۲۔ لوگ اگر اختلاف کریں اور کچھ ایمان لائیں اور کچھ کفر اختیار کریں تو ہمیں ان کے اختلاف سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ (فَاخْتُلِفَ فِيهِ)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص روش ہے اور وہ ہمیشہ اسی روش کو مدنظر رکھتا ہے۔ خدا نے دنیا کو فیصلہ کا گھر نہیں بنایا (لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ) اگر یہ بات طے ہوتی کہ اختلافات کے فیصلے اسی جہان ہی میں ہونے ہیں تو پھر ان کے اختلافات کبھی کے نمٹا دیئے گئے ہوتے۔

۴۔ اگر آج لوگوں نے شک کیا تھا۔ اگر لوگوں کے شکوک کی وجہ سے تورات کی صداقت متاثر نہیں ہوئی تو پھر قرآن کی صداقت بھی متاثر نہیں ہوگی۔ (فَاخْتُلِفَ فِيهِ)

۵۔ خدائی قوانین اور روش کا تعلق ربوبیت خداوندی سے ہے۔ (سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ)

۶۔ کتاب الٰہی میں اختلاف کرنے والوں کو مہلت دینا خدا کی پرانی روش ہے۔ (كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ)

آیت نمبر 111

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○

اور اس میں شک نہیں ہے کہ آپ کا پروردگار ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں خدا اس سے بخوبی باخبر ہے۔

پیام

۱۔ الٰہی جہاں بینی میں ہر عمل پر جزو سزا مقرر ہے۔ (لَيُوَفِّيَنَّهُمْ)

۲۔ خدا کی طرف کامل جزا ملنے کی وجہ ہے کہ وہ کامل طریقہ سے ہر ایک کے اعمال سے باخبر ہے۔ (خَبِيرٌ)

آیت نمبر 112

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

اے پیغمبر! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر کو چھوڑ کر ایمان کی طرف) پلٹ آئے ہیں ٹھیک ٹھیک راہ راست پر اسی طرح سے قائم

رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور (حد سے) تجاوز نہ کریں اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

نکات

☆روایات میں بیان ہوا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں ہیں کہ اس سے آنحضرت کی مراد یہی آیت تھی (تفسیر نمونہ) اگرچہ اس آیت کا پہلا حصہ **(وَاسۡتَقِمۡ كَمَآ اُمِرۡتَ)** قرآن کریم کی سورہ شوریٰ کی پندرہویں آیت میں بھی موجود ہے لیکن آنحضرت نے اپنے بڑھاپے کا سبب اسی کو قرار دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حکم کی سنگینی بعد کے حصہ کی وجہ سے ہے جو کہ سورہ شوریٰ میں نہیں ہے اور وہ آنحضرت کے ساتھیوں کی استقامت کا مسئلہ ہے جس پر تمام افراد پورے نہیں اترے تھے چنانچہ حضرت نے ان کی بے وفائی اور عدم استقامت کی وجہ سے اس درد کا اظہار کیا تھا۔

پیام

ا۔اللہ کی طرف سے ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ ملنا چاہیئے لہٰذا آپ کو استقامت سے کام لینا چاہیئے۔ **(كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمۡ ....فَاسۡتَقِمۡ)**

۲۔تاریخ انبیاء کا نتیجہ استقامت ہے۔ **(فَاسۡتَقِمۡ)**

۳۔رہبر کو استقامت و پائیداری کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ **(فَاسۡتَقِمۡ)** مکہ میں مسلمانوں کے لیئے حالات انتہائی پُرخطر تھے اور انہیں وہاں استقامت کی شدید ضرورت تھی۔

۴۔وفاداری بشرط استواری و پائیداری اس وقت فائدہ مند ہے جو وہ عبادت، ہدایت، مصائب کو برداشت کرنے جیسے تمام امور میں پائی جاتی ہو۔ **(فَاسۡتَقِمۡ)**

۵۔عمل ہمیشہ نص اور فرمان الٰہی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ قیاس، استحسان اور خیال وغیرہ پر عمل کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیئے **(كَمَآ اُمِرۡتَ)**

۶۔اگر صرف رہبر ہی میں پائیداری ہو اور امت اس صفت سے عاری ہو تو صرف رہبر کی پائیداری بے نتیجہ رہے گی۔ **(وَمَنۡ تَابَ مَعَكَ)**

۷۔خدا کی طرف بازگشت اور رجوع کی بڑی قدر و قیمت ہے لہٰذا اس کی قیمت بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کے لیئے راہ راست پر گامزن رہنا پڑتا ہے اور توبہ سے پہلے والے تمام طور طریقے چھوڑنے پڑتے ہیں۔ **(وَمَنۡ تَابَ مَعَكَ)**

۸۔ہر عمل فرمان کی مقدار کے مطابق سرانجام دینا چاہیئے اور حدود سے کبھی بھی تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ **(كَمَآ اُمِرۡتَ ..... وَلَا تَطۡغَوۡا)**

۹۔رہبر اور امت دونوں کا فریضہ ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔ **(فَاسۡتَقِمۡ ،وَلَا تَطۡغَوۡا)**

۱۰۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینی استقامت پر اجر ملتا ہے۔(فَاسْتَقِمْ۔۔۔اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ)

آیت نمبر 113

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝

اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی طرف نہ جھکنا اور ان پر تکیہ نہ کرنا ورنہ دوزخ کی آگ کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو تمہیں خدا سے بچا سکے پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔

نکات

☆روایات میں ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ کسی بھی ظالم سے محبت رکھنا اور اس کی اطاعت کرنا ظالم کی طرف جھکاؤ میں شامل ہے۔ایک روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی ظالم سے امید وابستہ نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا دوست اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو(وان کان حمیا قریباً)(تفسیر کنزالدقائق)

الکافی میں مرقوم ہے کہ اگر تو ظالم کی زندگی کی اتنی مقدار پر بھی راضی ہو کہ وہ اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر تجھے کچھ عطا کرے، تو اس صورت میں تو نے ظالم کی طرف جھکاؤ رکھا اور تو نے ظالم پر تکیہ کیا جس سے خدا نے منع کیا ہے۔(الکافی جلد ۵/۱۰۸)

☆اولی الامر کی اطاعت واجب ہے اور دوسری طرف ظالم کی طرف جھکاؤ حرام ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالم اولی الامر بن سکتا۔اولی الامر وہ ہو سکتا ہے جو معصوم ہو۔کیونکہ گناہ ظلم ہے اور ہر گناہ گار ظالم ہوتا ہے۔جب ظالم کی طرف جھکاؤ سے انسان دوزخی بن جاتا ہے تو نجانے خود ظالم کا حال کیا ہوگا؟؟!

پیام

۱۔اندرونی اور بیرونی ظالموں کی طرف جھکاؤ رکھنا اور ان پر تکیہ کرنا ممنوع ہے۔(لَا تَرْكَنُوْٓا)(ظالم پیروی اور رہبری کے قابل نہیں ہیں)

۲۔ظالموں پر تکیہ کرنا گناہ کبیرہ ہے (ہر وہ گناہ جس کے متعلق قرآن نے دوزخ کا وعدہ کیا ہو گناہ کبیرہ کہلاتا ہے)(لَا تَرْكَنُوْٓا۔۔۔فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ)

۳۔ظالم سے وابستگی کی بجائے خدا پر بھروسہ رکھیں۔(وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ)

۴۔ظالموں پر بھروسہ کرنے کا انجام تنہائی اور اکیلا پن ہے۔(ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ)

آیت نمبر 114-115

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اورنماز قائم کرودن کے دونوں سروں پراور کچھ رات گزرنے پر درحقیقت نیکیاں برائیوں کودور کردیتی ہیں۔ یہ خدا کو یادرکھنے والوں کے لیئے یاددہانی ہے۔اور صبر کرالله نیکی کرنے والوں کے اجر کوضائع نہیں کرتا۔

نکات

☆روایات میں ''دن کے دوسروں'' سے مرادصبح اور مغرب اوراوئل شب سے نماز عشا مراد لی گئی ہے۔(تفسیر کنزالدقائق)
واضح رہے کہ اس آیت مجیدہ میں تمام یومیہ نمازوں کےاوقات بیان نہیں ہیں۔

☆ایک شخص اپنی بداعمالیوں پرسخت پشیمان تھاچنانچہ وہ شخص رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوااوراس نے آپ سے عرض کی کہ آپ مجھ پرحدشرعی نافذفرمائیں تاکہ میں گناہوں کی کالک سے بچ سکوں۔رسول اکرم نے اس سے فرمایا کہ اس فعل حرام کے بعدکیاتونماز جماعت میں شریک ہوتارہا؟(اس نے کہاجی ہاں)
فرمایا کہ خدا تجھے معاف کردیا۔(تفسیر مجمع البیان)

☆کسی نے امام جعفرصادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایک شخص ناجائز ذرائع سے دولت کماتاہےاور وہ یہ سمجھتاہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(ان الحسنت یذھبن اسیأت)(نیکیاں برائیوں کوختم کردیتی ہیں)لہٰذاوہ شخص غرباء ومساکین کی مددکرتاہے اورحج کرتاہے؟(کیااس کوبھی کوئی نیکی ملے گی؟)امام علیہ السلام نے فرمایا(ان الخطیئة لا تکفر الخطیئة)یعنی گناہ سے گناہ کوختم نہیں کیاجاسکتا۔(تفسیر کنزالدقائق)مقصد یہ ہے کہ جوکچھ اس کے ہاتھوں میں ہے اس کااپنامال نہیں ہے وہ لوگوں کاہے اوردوسروں کے مال میں تصرف کرناہرصورت میں حرام ہے۔

قرآن کی سب سے زیادہ امیدافزا آیت

☆حضرت علی علیہ السلام ایک محفل میں تشریف لے گئے اورفرمایا:کیاتم جانتے ہوکہ پورے قرآن میں سب سے زیادہ امیدافزا آیت کون سی ہے؟

☆اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سب سے زیادہ امیدافزایہ آیت ہے:(اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ)(النسائ/۴۸)
اللہ شرک معاف نہیں کرتااس کے علاوہ جسے چاہے گناہ معاف کردے۔

☆کچھ افراد نے جواب دیا کہ وہ آیت یہ ہے:(وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا

رَّحِيْمًا) (النساءُ ١١٠) اور جو کوئی برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا پائے گا۔

☆ کچھ افراد نے یہ جواب دیا کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے: (يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۝) (الزمر/ ۵۳)

اے میرے بندو! جنہوں نے غلط کاریاں کی ہیں اور اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دے گا۔

☆ کچھ لوگوں نے یہ جواب دیا کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے: (وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ) (آل عمران/ ۱۳۴) اور وہ لوگ جب وہ کوئی غلط کام کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کے لیئے استغفار کریں۔ اللہ کے علاوہ گناہ بخشنے والا اور کون ہے؟ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے لوگوں کے جواب سُن لیئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے حبیب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا تھا آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت سب سے زیادہ امید افزا ہے: (اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ) (ہود/ ۱۱۴) (نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) پھر رسول خدا نے مجھ سے فرمایا۔ یا علی! اس ذات کی قسم! جس نے مجھے بشیر و نذیر بنا کر لوگوں کے پاس بھیجا، جب انسان نماز کے لیئے وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور جب وہ قبلہ رُخ ہوتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یا علی! پنجگانہ نماز قائم کرنے والے کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس کے دروازے کے سامنے نہر بہہ رہی ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ (مجمع البیان و کنز الدقائق)

پیام

۱۔ رہبر کو لوگوں کے لیئے مثالی نمونہ ہونا چاہیئے۔ (فَاسْتَقِمْ ... اَقِمِ ...)

۲۔ نماز کو پورے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے کیونکہ لفظ ''اَقِمِ'' میں کمال و تمام کا معنی پوشیدہ ہے۔ (اَقِمِ الصَّلٰوةَ)

۳۔ نماز اہل ایمان کے دل کی قوت ہے۔ سابقہ آیات میں استقامت کا حکم دیا گیا اور ظالموں کی طرف جھکنے سے منع کیا گیا۔ ان امور کے لیئے بلند درجہ روحانیت کی ضرورت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے دل کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ (فَاسْتَقِمْ ... وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ...)

۴۔ نماز مقررہ اوقات پر ادا کرنی چاہیئے۔ (طَرَفَيِ النَّهَارِ)

۵۔ نماز تمام نیکیوں میں واضح ترین نیکی ہے۔ (اَقِمِ ... اِنَّ الْحَسَنٰتِ ...)

۶۔ انسانی اعمال کا ایک دوسرے پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ (اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ)

۷۔حکم نماز خدا کی واضح ترین نصیحت ہے۔(ذٰلِكَ ذِكْرٰى) (نماز ذکر الٰہی ہے)

۸۔خدائی نصائح سے تمام افراد مستفید نہیں ہوتے۔(ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ)

۹۔نماز قائم کرنے کے لیئے خود اعتمادی اور حوصلہ کی ضرورت ہے۔(اَقِمِ الصَّلٰوةَ . وَاصْبِرْ)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" (طٰہٰ/ ۱۳۲)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود بھی اس کی پابندی کر۔

آیت نمبر 116

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ○

پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ بہت کم تھے جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا، ورنہ ظالم لوگ تو اُنہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دئے گئے تھے اور وہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔

نکات

☆ لفظ "بقیّه" قرآن کریم میں تین بار استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ باقی ماندہ کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔عربی زبان میں عمومی طور پر یہ لفظ فضیلت وقدرت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور اس اطلاق کی غالباً وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی قیمتی چیز کو اپنے پاس ذخیرہ کرلیتا ہے اور اپنے پاس اسے روک لیتا ہے۔اسی طرح سے وہ افراد جو میدان میں باقی رہتے ہیں وہ زیادہ قوت وقدرت کے حامل ہوتے ہیں اس لیئے انہیں "اولو بقیه" کہا گیا ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی گروہوں پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو علم وقدرت سے آراستہ کیوں نہیں کیا اور انہوں نے اپنے معاشرے کو حقائق سے آگاہ کیوں نہ کیا؟ لفظ "لولا" کے ساتھ اس طرح کی تنقید اور آیات میں بھی موجود ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔(فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ) (توبہ/ ۱۲۲) پھر کیوں نہ ہر جماعت میں سے ایک گروہ نکلا۔(لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ) (المائدہ/ ۶۳) ان کے علماء وفقہاء انہیں اس سے منع کیوں نہیں کرتے۔

☆ ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ ہود کی ۱۱۴ ویں آیت میں نماز کا حکم دیا گیا جب کہ آیت ہذا کا تعلق نہی عن المنکر سے ہے۔اسی لیئے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ جن آیات میں نماز اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی طرف کچھ اشارہ کیا جائے۔ چنانچہ حسب ذیل آیات کا تعلق ایسی ہی آیات کے قبیلہ سے ہے۔الف۔(اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ)

(عنکبوت/۴۵) بے شک نماز انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ ب۔(اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ) بے شک نیکیاں برائیوں کوختم کر دیتی ہیں(ہود/۱۱۴) ج۔(اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ) (لقمان/۱۷) (اے فرزند!) نماز قائم کرا ور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر۔ د۔(اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ) (حج/۴۱) اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔

پیام

۱۔ ہر دور کے غیر جانبدار افراد کو اجتماعی مقاسد کا ذمہ دار قرار دے کر قرآن کریم میں ان کی مذمت کی گئی۔ (فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ)

۲۔ نہی عن المنکر کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو صاحبان علم وقدرت ہوں۔(اُولُوْا بَقِيَّةٍ)

۳۔ ہر معاشرے میں اصلاح پسند اور ہمدرد افراد اقلیت میں ہوتے ہیں۔(اِلَّا قَلِيْلًا)

۴۔ سابقہ امتوں کی بربادی کی وجہ ان کی غیر جانبداری اور نہی عن المنکر کا چھوڑ نا تھا۔(اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا)

۵۔ ہمدرد اصلاح پسندوں کی جدوجہد کا نتیجہ قہر الٰہی سے نجات کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔(اَنْجَيْنَا)

۶۔ ظلم، عیاشی اور جرم ہلاکت کی تکون ہیں۔(ظَلَمُوْا ، اُتْرِفُوْا ، مُجْرِمِيْنَ)

آیت نمبر 117

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ○

تیرا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ناحق تباہ کرے جب کہ ان بستیوں کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔

نکات

☆ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کہ اس آیت میں ''اصلاح'' سے لوگوں کا ایک دوسرے سے انصاف کرنا مراد ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ اے معبود! لوگوں کے ساتھ منصفانہ سلوک روا رکھو اور لوگوں کی خیر خواہی کرو اور ان پر رحم کرو۔ اگر تو نے ایسا کیا اور خدا نے اس شہر کے لوگوں پر نگاہ غضب بھی کی تو وہ تیری طرف نگاہِ شفقت کرے گا اور تیری وجہ سے ان پر بھی رحم کرے گا۔(بحار جلد ۷۴/۱۰۹)

پیام

۱۔ خدا کا قہر بلاوجہ نازل نہیں ہوتا۔(لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ)

۲۔صرف "صالح" ہونا کافی نہیں۔قہرالٰہی سے نجات کے لیئے "مصلح" ہونا ضروری ہے۔(وَمَا كَانَ رَبُّكَ....وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ) عذاب الٰہی سے نجات کے لیئے ضروری ہے کہ لوگ اصلاح طلب ہوں۔

آیت نمبر 118

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ۝

اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر انسان کی آزادی اور عقیدہ وعمل کے انتخاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ لوگوں کو اپنی طرف لے آنے کی ہدایت کرتا ہے لیکن اس راستے میں کسی طرح کے جبر واکراہ کو روا نہیں رکھتا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نصیحت کریں اور انہیں صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائیں۔(اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ) (غاشیہ/ ۲۱۲۔۲) آپ نصیحت کیے جائیں آپ بس نصیحت ہی کرنے والے ہیں۔آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

۱۔اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں نیکی اور برائی کو سمجھنے کا الہام کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں حق وباطل کی پہچان کا اندرونی الہام کیا وہاں بیرونی طور پر انبیاء کو روانہ کیا تاکہ انسان کی اندرونی قوت کو سہارا دیا جائے اور یوں انسان اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ نیکی یا برائی میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرے۔

۲۔خدا کی مشیت میں کوئی تغیر وتبدیل واقع نہیں ہوسکتا۔(وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ)

۳۔لوگ ہر دور میں اختلاف کا شکار رہے ہیں۔(لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ)

۴۔لوگوں کا اختلاف ان کی آزادی کی دلیل ہے۔(لَوْ شَآءَ....وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ)

آیت نمبر 119

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۝

اور اس سے صرف وہی محفوظ رہیں گے جن پر تیرا رب رحمت کرے گا اور اسی رحمت کے لیئے تو خدا نے انہیں پیدا کیا ہے اور تیرے پروردگار کی وہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

نکات

کچھ مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت مجیدہ کا مفہوم یہ ہے بنی نوع انسان ہمیشہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی رہے گی اور اس اختلاف سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جن پر رحمت الٰہی سایہ فگن ہوگی اور اللہ نے لوگوں کو اسی وحدت کلمہ کے لیئے ہی پیدا کیا ہے۔ (اطیب البیان)

☆ قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے فلسفہ کو مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر ہم یہ پڑھتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ) (ذاریات/۵۶) میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیئے پیدا کیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے: (الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) (الملک/۲) وہی تو خدا ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے بہترین عمل کرنے والا کون ہے؟ سورہ ہود کی موجودہ آیت میں ہم نے یہ الفاظ پڑھے ہیں: "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ "یعنی ہم نے انسان کو اس لیئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہمارے ابر رحمت کے زیر سایہ رہے۔ مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق کے بظاہر تین مختلف اہداف ہیں۔ جو کہ یہ ہیں۔ ۱۔عبادت۔ ۲۔آزمائش۔ ۳۔رحمت جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں کوئی تضاد نہیں ہے اگر نگاہ غائر سے دیکھا جائے تو ان تینوں اہداف میں ایک قدر مشترک دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ انسان کا روحانی ومعنوی تکامل ہے۔

☆ سابقہ آیت کا مفہوم یہ تھا کہ انسان آزاد ہے جب کہ اس آیت کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دیں گے۔ ان دو آیات کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان اپنے راستے کے انتخاب میں آزاد ہے لیکن جب وہ غلط انتخاب کی وجہ سے باطل کا انتخاب کرتا ہے تو پھر دوزخ اس کا مقدر قرار پاتی ہے۔ ☆ متعدد روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اختلاف کا واضح نمونہ معصوم کی رہبری کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا جو لوگ خط اہل بیت اور معصوم رہنماؤں کی پیروی کریں گے وہ اللہ کی رحمت کے حقدار قرار پائیں گے۔ ان کے علاوہ باقی لوگ منحرف قرار پائیں گے۔ (تفسیر کنز الدقائق)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیئے پیدا کیا کہ وہ نیک کام بجالائے اور خدا کی رحمت کا حقدار بن سکے۔ (تفسیر نور الثقلین، توحید صدوق ص ۴۰۳)

پیام

۱۔اختلافات کا مٹ جانا خدا کے کرم اور اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ (اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ)

۲۔خدا کی غیبی امدادیں ہی وحدت کا ذریعہ ہیں جبکہ دنیاوی، مادی محور فانی ہیں جو کہ جلد اختتام پذیر ہو جاتے ہیں اور یہ صرف ایک بُعد رکھتے ہیں اور خیالی ہیں۔ (اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ)

۳۔انسانی تخلیق میں یہ فلسفہ مضمر ہے کہ وہ رحمت الٰہی کا حقدار ہے۔ (وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ)

۴۔اللہ تعالیٰ اپنے مقرر کردہ قوانین کی پاسداری کرتا ہے۔ اور انہیں اپنے لیئے ضروری قرار دیتا ہے۔ (وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ)

۵۔خدا کا عذاب بلا وجہ نازل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس سے قبل انبیاء پر کتب کو نازل کر کے نصیحت کرتا ہے اور کچھ عرصہ مہلت دیتا ہے۔

اتمام حجت کے بعد خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے۔(رَّحِمَ رَبُّكَ...لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ)

٦۔اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں نیکی بدی کا الہام کیا اور اسے عقل عطا کی اندرونی رہنمائی کے بعد انبیاء بھیجے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل کر کے اپنی حجت کو تمام کیا۔(وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ)

٧۔جہنم کا مخصوص حدود اربعہ ہے۔(لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ)

٨۔انسان کی طرح سے قوم جنات بھی تکلیفِ شرعی کی مکلف ہے اور ان کے لیئے بھی جزا سزا مقرر ہے۔(مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ)

آیت نمبر 120

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَـقُّ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ○

(اے رسول!) ہم پیغمبروں کے حالات آپ کو بتاتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو ثبات دیتے ہیں ان کے ذریعہ سے حق بات آپ تک پہنچی اور انبیاء کے یہ واقعات اہل ایمان کے لیئے نصیحت اور یاد دہانی ہیں۔

پیام

ا تاریخ کے اہم حصوں کا نقل کرنا اور ان سے آگاہی دینا ایک تربیتی شیوہ ہے۔(نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ)

٢۔انبیاء کے واقعات سے تربیت مقصود ہے کیونکہ ان واقعات کا کوئی بھی نکتہ بے دلیل نہیں ہے۔(كُلًّا)

٣۔قرآنی داستانیں انبیاء کی سرگزشت زندگانی سے تعلق رکھتی ہیں۔(نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ)

٤۔قرآنی داستانیں مخصوص ہدف کے لیئے نازل ہوئی تھیں۔قرآنی داستانیں لذت سماعت یا غافل کرنے کے لیئے نہیں ہیں۔(نَّقُصُّ عَلَيۡكَ...مَا نُثَبِّتُ بِهٖ)

٥۔داستانوں کو بیان کرتے وقت ان حصوں پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے جو زیادہ اہمیت کے حامل ہوں۔(مَا نُثَبِّتُ)

٦۔بہترین داستان کی یہ پہچان ہے کہ اس سے دل کو تسکین ملے۔(مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ)

٧۔دلوں کو تسکین دینے والا خدا ہے۔(نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ)

٨۔انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی روحانی تقویت کی ضرورت ہوتی ہے۔(نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ)

٩۔باطل کبھی بھی حقیقی طور پر سکون قلب کا باعث نہیں بن سکتا۔(نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَـقُّ)

١٠۔کوئی بھی مبلغ اپنے وعظ و نصیحت میں اس وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ ثبات قلب اور اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو۔(نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ)

١١۔تمام قرآنی داستانیں حقیقت پر مبنی ہیں اور قابل قبول دلیل و برہان کی حامل ہیں۔(الۡحَـقُّ)

۱۲۔تبلیغ کرتے وقت انسان کو قلبی اطمینان نصیب ہونا چاہیئے۔ پھر دلائل پر مبنی گفتگو کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد وعظ و نصیحت کی جائے۔(فُؤَادَكَ، حَقٌّ، مَوْعِظَةٌ)

۱۳۔تربیت کے بہترین انداز صرف ان انسانوں کے لیئے فائدہ مند ہے۔ جو ذہنی طور پر قبول کرنے کے خواہش مند ہوں۔ (ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ)

آیت نمبر 121-122

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○

وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے آپ ان سے کہہ دیں کہ تم جو کچھ کر سکتے ہو وہ کرو۔ ہم بھی عمل کر رہے ہیں۔ ہم بھی عمل کر رہے ہیں۔ تم بھی (نتیجہ کا) کا انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

پیام

۱۔تہدید ہو یا بشارت، اس کی تبلیغ انبیاء کا شرعی وظیفہ ہے۔(قُلْ)

۲۔انسان آزاد ہے۔ انبیاء بھی اس پر کچھ مسلط نہیں کر سکتے۔(اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ)

۳۔جو شخص نصیحت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس پر نصیحت بے اثر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو تنبیہ کرنی چاہیئے۔(اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ)

۴۔مبلّغ کے لیئے ضروری ہے کہ اسے اپنے راستے اور ہدف کا یقین ہو۔(اِنَّا عٰمِلُوْنَ، اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ)

۵۔تبلیغ کرتے وقت مخاطب کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کرنی چاہیئے۔ ضدی اور ہٹ دھرم افراد کے ساتھ دھمکی آمیز اور قہر آمیز لہجہ سے بات کرنی چاہیئے۔(انْتَظِرُوْا)

۶۔نیک انجام انبیاء اور مومنین کا منتظر ہے۔(اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ)

آیت نمبر 123

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں اللہ کے لیئے ہیں اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ پس تو اس کی بندگی کر

(صرف اسی کی عبادت کر) اور اسی پر ہی توکل کر اور تم جو بھی کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

نکات

☆علم غیب بطور مطلق اللہ کے ساتھ مخصوص ہے البتہ اللہ کے اذن سے انبیاء بھی علم غیب سے واقف ہیں۔ (عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ) (سورہ جن/۲۶) وہ غیب کے جاننے والا ہے اور اپنے غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو۔

پیام

۱۔ جہان کے اسرار سے آگاہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ (لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

۲۔ زمین و آسمان یعنی تمام نظام کائنات کا ایک ظاہر ہے۔ اور ایک باطن ہے۔ (لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

۳۔ ہر چیز کا مرجع ذات خداوندی ہے اور ہر چیز کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔ (اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ)

۴۔ علم بالغیب سے توکل اور عبادت الٰہی کے لیئے زمین ہموار ہوتی ہے۔ (لِلّٰهِ غَيْبُ... فَاعْبُدْهُ)

۵۔ خدا پر توکل کرنے والا اللہ کی رحمت کا حقدار بنتا ہے۔ (وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ...)

۶۔ انسان کے جملہ اعمال سے آگاہ ہونا نظام ربوبیت کا ایک حصہ ہے۔ (وَمَا رَبُّكَ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَظِيْمِ